امامت اور انسانِ کامل

امام خمینیؒ کی نظر میں

—— ناشر ——

اِدارۂ تعلیم و تربیت لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد

نام کتاب ــــــــــــــــ امامت اور انسان کامل
امام خمینیؒ کی نظر میں

بشکریہ: موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ

تعداد ــــــــــــــــ 500

ناشر ــــــــــــــــ ادارہ تعلیم وتربیت لاہور

قیمت ــــــــــــــــ

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الرضا

8-بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔فون: 042-7245166

حیدری کتب خانہ

اندرون کربلا گامے شاہ بھاٹی گیٹ لاہور
0345-4563616

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾

سورۂ سجدہ/۲۴

مقدمہ

امامت وولایت کا موضوع ایک عرصہ سے علمائے اسلام اور محققین کی توجہ کا مرکز رہا ہے اور اس سلسلے میں بہت ہی گرانقدر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ولایت اور امامت کے مختلف پہلو ہیں کہ ہر ایک نے اپنی لیاقت، علم و آگاہی اور ضرورت کے مطابق اس موضوع کے بارے میں کچھ نہ کچھ مطالب لکھے ہیں یا اُس کی وضاحت کی ہے۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جو الٰہی عرفاء اور ولایت اہل بیتؑ کے حقیقی متمسکین میں سے تھے، اپنے کلامی اور قلمی آثار میں اس موضوع کے بارے میں مختصر اور بعض موقعوں پر تفصیلی بحث کی ہے اور کچھ مطالب بیان کیئے ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ اہم کتاب ''مصباح الهدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ'' ہے کہ اس میں امام خمینیؒ نے ولایت کے موضوع کو عرفانی مشرب کے تحت لکھا ہے۔ امامؒ کی دوسری کتاب ''کشف الاسرار'' ہے کہ جو ''اسرار ہزار سالہ'' نامی کتاب کے مولف کے شبہات اور بے بنیاد باتوں کا جواب دیا ہے اور امامت وشیعہ اعتقادات کا دفاع کیا ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ امام خمینیؒ کی دوسری کتابوں میں بھی امامت وولایت کے متعلق عرفانی، سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں کے حوالے سے گونا گون مطالب ملتے ہیں۔

اس موضوع کے بارے میں امام خمینیؒ کی کتابوں کی تحقیق سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ امام خمینی (علیہ الرحمہ) ائمہ اطہارؑ کے معنوی مقام ومرتبے پر گہرا اعتقاد رکھتے اور ان ذوات مقدسہ کے لئے ولایت کلیہ الٰہیہ اور حق تعالیٰ کی مظہریت تام کو ثابت کرنے کے علاوہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے سیاسی واجتماعی مقا

خلافت اور خلیفہ الٰہی کی حقیقت[1]

بطون مطلق میں ہویت غیبی احدی

ہویت غیبی احدی اور عنقائے مغرب کہ جس نے غیب ہویت میں اپنا آشیانہ بنایا ہے نیز وہ حقیقت جو نور کے پردوں اور ظلمت کے حجابوں کے نیچے عماء، بطون، غیب اور تاریکی میں مخفی ہے عوالم ذکر حکیم میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں اور عالم ملک وعالم ملکوت میں اس کی مقدس حقیقت کا کوئی جلوہ نظر نہیں آتا۔

یہ غیبی حقیقت عوالم غیب وشہود پر خواہ وہ عالم ملکوت میں ساکن روحانی مخلوقات ہوں یا عالم جبروت میں مقیم مقرب فرشتے ہوں، لطف یا قہر کی نظر نہیں کرتی نیز ان کے ساتھ رحمت وغضب کا مظاہرہ بھی نہیں کرتی بلکہ یہ حقیقت کسی چیز کو واسطہ قرار دئے بغیر براہ راست کسی چیز پر یہاں تک کہ اسماء وصفات پر بھی نظر نہیں ڈالتی اور کسی شکل یا آئینے میں جلوہ گر نہیں ہوتی۔

یہ ایک غیب ہے جو ظہور سے مبرا ہے اور ایک پوشیدہ حقیقت ہے جو اپنے چہرے سے نور کا نقاب نہیں سرکاتی۔ پس وہ مطلق باطن ہے اور ایسا غیب ہے جس سے کوئی چیز مشتق نہیں ہوتی۔(۱)

۱۔ اس حصے میں اس نظریئے سے بحث کی جائے گی کہ کچھ انسان زمین میں اللہ کے خلیفہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اللہ کو کس لئے خلیفہ کی ضرورت ہے؟ اس کائنات میں جانشین الٰہی کا وجود کیوں ضروری ہے؟ جو امور ہمارے عقیدے کے مطابق خلیفہ الٰہی کے ذریعے انجام پاتے ہیں وہ اس کے بغیر کیوں انجام نہیں پاتے؟ اس جہاں کے طولی نظام میں اس خلیفے کا مرتبہ ومقام کیا ہے؟ اس کی خلافت کے حدود کہاں تک ہیں؟ مذکورہ بالا موضوعات کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کے آثار وکتب میں جو بحث وتحقیق پیش کی گئی ہے وہ اس کتاب کا مطمع نظر ہے۔

آئینۂ اسماء و صفات میں غیبی حقیقت کا مظہر

جب تجھ پر یہ بات عیاں ہو کہ یہ غیبی حقیقت اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ باریک بین لوگ اس تک رسائی حاصل کریں یا کوئی اس کی مقدس بارگاہ سے استفادہ کرے نیز کوئی بھی اسم یا صفت اپنے تعین کے باعث اس کے محرم راز نہیں اور مذکورہ چیزوں میں سے کسی کو اس کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت حاصل نہیں ہے تب تجھے معلوم ہوگا کہ اسماء کے ظہور و وضوح اور اس کے خزائن کے آشکار ہونے کیلئے ایک غیبی خلیفہ الٰہی کی ضرورت ہے جو اسماء میں ظہور کیلئے اس کا جانشین ہو اور اس کے نور کو ان آئینوں میں منعکس کرے تا کہ اس کے ذریعے برکتوں کے دروازے کھل جائیں اور بھلائیوں کے چشمے پھوٹ پڑیں، صبح ازل کی پو پھٹے اور اول و آخر ایک دوسرے سے مل جائیں۔ اسی لیے خزانہ غیب سے غیب کی زبان میں حجاب اکبر اور فیض اقدس انور کو حکم ہوا کہ اسماء و صفات کے لباس میں اور تعینات کے لبادے میں ظہور پذیر ہو لہذا اس نے بھی اطاعت کی اور غیب کے فرمان کو عملی جامہ پہنایا۔

خلیفہ الٰہی کے دو زاویئے

یہ خلیفہ الٰہی اور حقیقت قدری جو اصل ظہور ہے لامحالہ ایک غیبی صورت کا حامل ہے جس کا رخ ہویت

غیبی کی طرف ہے۔ وہ اس رخ سے ہرگز ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کا ایک رخ عالم اسماء وصفات کی طرف ہے جس کے ذریعے وہ ان عوالم میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور بارگاہ واحدیت میں جو جامع کمالات ہے اسماء وصفات کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے۔

فیض اقدس کا اولین استفاضہ

سب سے پہلے چیز جس نے بارگاہ فیض اقدس اور خلیفہ کبریٰ کے فیوض سے استفادہ کیا وہ اسم اعظم یعنی اسم ''اللہ'' تھا البتہ اپنے مقام تعین کے مطابق، تمام اسماء وصفات کا احاطہ کرتے ہوئے اور جملہ مظاہر اور نشانیوں میں ظاہر ہوتے ہوئے کیونکہ اس غیر محدود حقیقت کا تعین دراصل جملہ تعینات وظہورات کو شامل ہے اور کوئی بھی اسم وصفت اسم اعظم کے واسطے کے بغیر اس فیض اقدس تک نہیں پہنچ سکتا البتہ معین شدہ ترتیب اور اپنے اپنے مخصوص مقام کے مطابق۔ (۲)

اسماء وصفات کے تعین وظہور میں خلافت

یہ خلافت عبارت ہے ظہور، افاضہ، اسماء کے ذریعے تعین پانے اور صفات جمال وجلال سے متصف ہونے سے کیونکہ اسماء وصفات والی تعینات اس حقیقت کی بارگاہ میں منحل ومستہلک ہوجاتی ہیں جس کا جانشین یہ خلیفہ ہے اور اس کی بارگاہ غیب میں جملہ امتیازات اور ذاتی خصوصیات ناپید ہوجاتی ہیں اور کوئی بھی اپنے طور پر کسی حکم اور ظہور کا حامل نہیں ہے۔

پس یہ خلیفہ الٰہی اسماء کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کا نور آئینے کی صلاحیت واستعداد کے مطابق اس میں منعکس ہوتا ہے۔ وہ ان کے اندر اس طرح جاری وساری ہوتا ہے جس طرح نفس اپنے مجاری کے اندر جاری ہوتا ہے۔ وہ اپنی تعینات کے ذریعے اسی طرح متعین ہوتا ہے جس طرح حقیقت لابشرط (حقیقتِ) مخلوط یا مشروط کے ذریعے۔ اس جریان وسریان کی کیفیت نیز اس تحقق ونزول کی حقیقت کو مخلص وکامل اولیا اور بلند پایہ عرفاء کے سوا جو شہود ایمانی اور ذوق عرفانی کے ذریعے ہیاکل ماہیات میں فیض مقدس کے جریان اور پھیلاؤ کا مشاہدہ کر چکے ہیں کوئی نہیں جانتا۔ (۳)

خلافت، عظیم ترین الٰہی ہدف

یہ خلافت اللہ کا عظیم ترین مقصد ایک عالی ترین مقام ربوبی، ظہور وجود کے دروازوں کا دروازہ اور غیب وشہود کی چابیوں کی چابی ہے۔ یہ ''عندیت'' کا وہ مقام ہے جس میں غیب کی وہ چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[۱] اسی کی برکت سے اسماء عالم بطون سے نکل کر عالم ظہور میں آئے اور صفات پوشیدہ ہونے کے بعد آشکار وظاہر ہوئیں۔ یہ وہی حجاب کبیر ہے جس کے اندر ہر صغیر وکبیر ناپید ہوجاتا ہے اور ہر فقیر وغنی اس کی بارگاہ میں ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک بے کران فضا ہے جو عرش کے اوپر موجود ہے وہ عرش جو نہ خالی ہے نہ پر۔ یہ اللہ کی عظمت وجلال کے وہ انوار ہیں جن سے اگر نور وظلمت کے پردے ہٹا دئے جائیں تو وہ اس کی حد نگاہ تک ہر چیز کو جلا ڈالیں گے۔[۲] (۴)

۱۔ ﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو﴾ سورۂ انعام/۵۹۔

۲۔ نبی کریمؐ سے مروی ہے: ﴿ان لله سبعين ألف حجاب من نور وظلمة لو كشفت لاحرقت سبحات وجهه دونه﴾ اللہ کے ہاں نور وحجاب کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر یہ پردے ہٹا دئے جائیں تو اس کی عظمت وجلالت -->

خلافت، حقائق الٰہی کا مجموعہ

جان لو کہ یہ خلافت ظہور میں خلافت سے بھی عبارت ہے کیونکہ جب ''اول'' (جل جلالہ) نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنا اور اپنے ذاتی کمالات کا مشاہدہ کرنے کیلئے ایک جامع و کامل آئینے میں موجودات کے درمیان ظہور فرمائے تو وہ اپنے کامل ترین اور عظیم ترین اسم میں جو ''مقام احدیت جمع'' کا حامل ہے جلوہ گر ہوا۔ اس تجلی سے ارواح کے آسمان اور اشباح کی زمینیں روشن ہو گئیں۔ بنابریں جملہ مراتب وجودی اور حقائق نزولی وصعودی اس کی ذاتی تجلی کے تعین کا نتیجہ ہیں جس کا حصول اسم اعظم کے ذریعے ہوا۔ پس خلافت جملہ حقائق الٰہی اور اسمائے مکنون ومخزون کو محیط ہونے سے عبارت ہے۔ (۵)

اسماء وصفات کے ساتھ خلیفہ کبریٰ کا ربط

شاید گزشتہ مصابیح کے مطالعے سے (جس نے تیرے دل کو انوار الٰہی سے منور کیا تھا اور تیری روح میں خدائی جان پھونکی تھی) تو نے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ اس خلیفہ کبریٰ کے ارتباط کی کیفیت کو پہچان لیا ہو اور یہ درک کر لیا ہو کہ خلیفہ کے ساتھ اسماء کا رابطہ فقر و نیازمندی اور وجود خواہی کا رابطہ ہے۔ جس طرح اسماء کے ساتھ خلیفہ کا رابطہ تجلی وظہور کا رابطہ ہے کیونکہ غیبی اور اطلاقی حقیقت اپنی حقیقت کے لحاظ سے کوئی ظہور نہیں رکھتی اور ظہور پذیر ہونے کیلئے ایک ایسے آئینے کی ضرورت ہے جس میں اس کی تصویر نمایاں ہو اور صفاتی واسمائی تعینات اس باعظمت نور کے انعکاس وظہور کے آئینے ہیں۔ (۶)

خلیفہ الٰہی متضاد صفات کا جامع

حق تعالیٰ مقام الوہیت کے لحاظ سے متضاد صفات مثلاً رحمت وغضب، بطون وظہور، اولیت وآخریت اور خشم ورضا کا جامع ہے۔ اسی طرح اس کا خلیفہ بھی اس سے تقرب کی بنا پر جو اسے حاصل ہے نیز عالم وحدت وبساطت سے نزدیک ہونے کی وجہ سے اس کے دست لطف اور دست قہر کے ذریعے خلق ہوا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح وہ اس کا جانشین ہے اسی طرح وہ متضاد صفات کا بھی جامع ہے۔ اسی لئے اللہ نے ابلیس سے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ تو نے اس کے آگے سجدہ نہیں کیا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے

۷۔ کے انوار اس کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیں گے۔ (دیکھئے بحار الانوار، ج ۵۵، ص ۵۴، کتاب السماء والعالم، باب ۵، ذیل حدیث ۱۳؛ نیز التجلیات الالہیہ، ص ۲۵۸)۔

خلق کیا ہے؟"[۱] یعنی جبکہ تم ایک ہاتھ (دست جلال) سے بنائے گئے ہو۔(۷)

خلافت محمدی کی روح، اصل اور سرچشمہ

یہ خلافت، خلافت محمدیہ جو اس کی مربی، اصل اور سرچشمہ ہے کی روح ہے جس سے تمام عوالم میں اصل خلافت کی ابتداء ہوئی بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلافت، خلیفہ اور مستخلف عنہ غرض سب کا تعلق اسی سے ہے اور یہ خلافت مکمل طور پر اسم اعظم "اللہ" میں جو محمد کی حقیقت مطلق کا رب اور اللہ کی حقائق کلی کی جڑ ہے، ظاہر ہوئی۔ بنابریں اسم اعظم "اللہ" اصل خلافت ہے اور خلافت اس کا ظہور ہے بلکہ خلافت تو اسم اعظم "اللہ" میں جلوہ گر ہوئی ہے کیونکہ ظاہر ومظہر ایک ہیں جیسا کہ وحی الٰہی میں اس نکتے کی طرف لطیف اشارہ یوں ہوتا ہے: ﴿انّا أنزَلْناهُ في لَيْلَةِ القَدْر﴾۔[۲]

معارف الٰہی میں ہمارے شیخ واستاد، عارف کامل، میرزا محمد علی شاہ آبادی اصفہانی[۳] (ادام اللہ ایام برکاتہ) کی مجلس میں پہلی دفعہ حاضر ہونے کے بعد میں نے ان سے وحی الٰہی کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: ﴿انّا أنزَلْناهُ في لَيْلَةِ القَدْر﴾ میں جو "ہا" ہے وہ اشارہ ہے اس غیبی حقیقت کی طرف جو حضرت محمد کے وجود میں نازل ہوئی ہے جو "لیلة القدر" کی اصل حقیقت ہے۔(۸)

الوہیت کا ظہور، خلافت کی حقیقت

الاحتجاج کی حدیث میں مذکور ہے کہ قاسم بن معاویہ نے کہا: میں نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا کہ اہل سنت معراج کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب رسول خداؐ کو معراج پر لے جایا گیا تو آپؐ نے عرش پر ﴿لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق﴾ دیکھا! (امام صادقؑ نے) فرمایا: ﴿سبحان اللہ﴾ انہوں نے ہر چیز بدل کر رکھ دی یہاں تک کہ اسے بھی؟!

میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: جب خداوند عزوجل نے عرش کو خلق فرمایا تو اس پر لکھا ﴿لا الہ الا

۱۔ سورۂ ص، آیت/۷۵۔ ۲۔ سورۂ قدر، آیت/۱۔

۳۔ مرزا محمد علی ولد محمد جواد حسین آبادی شاہ آبادی (۱۲۹۲، ۱۳۶۹ھ ق) چودھویں صدی ہجری کے فقیہ، اصولی، عارف اور فلسفی ہیں۔ ان کی کتابوں میں: شذرات المعارف، الانسان والفطرة، القرآن والعترة، الایمان والرجعة، منازل السالکین اور حاشیۂ کفایہ، شامل ہیں۔

اللہ، محمد رسول اللہ،علی امیر المؤمنین﴾ پھر آپؐ نے پانی، کرسی، لوح، اسرافیل کی پیشانی، جبرئیل کے دو پروں، آسمان وزمین کے کندھوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور شمس وقمر پر ان کلمات کے لکھے جانے کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی ﴿لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ﴾ کہے تو ﴿علی أمیر المؤمنین﴾ بھی کہنا چاہیے۔[1]

خلافت محمدیؐ اور ولایت علویؑ کا باطن

رہا عرش علا سے لے کر زمینوں کی آخری حد تک تمام موجودات پر ان کلمات کے لکھنے کا عرفانی نکتہ تو وہ یہ ہے کہ خلافت وولایت کی حقیقت ظہور الوہیت سے عبارت ہے جو وجود کی بنیاد اور اس کا کمال ہے۔ ہر موجود چیز جسے وجود میں سے کوئی حصہ نصیب ہوا ہو وہ حقیقت الوہیت اور اس کے ظہور جو خلافت وولایت کی حقیقت ہے، میں سہیم ہے۔ یہ خدائی حقیقت عوالم غیب سے لے کر عالم شہود کی انتہا تک سب کی پیشانیوں پر ثبت ہے۔ یہ خدائی حقیقت ''وجود منبسط''، ''نفس الرحمٰن'' اور ''حق مخلوق بہ'' سے عبارت ہے جو ہو بہو خلافت ختمیہ اور ولایت مطلقہ علویہ کا باطن ہے۔ اسی لئے بزرگ عارف شاہ آبادی (دام ظلہ) فرماتے تھے کہ

ولایت کی شہادت، رسالت کی شہادت کے اندر لپٹی ہوئی ہے کیونکہ ولایت رسالت کا باطن ہے۔ راقم کہتا ہے کہ الوہیت کی شہادت کے اندر دونوں شہادتیں پوشیدہ ہیں اور رسالت کی شہادت میں دوسری دونوں شہادتیں پوشیدہ ہیں جس طرح ولایت کی شہادت میں بھی دوسری دونوں شہادتیں پوشیدہ ہیں۔ حمد وثنا ہے اللہ کی ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی۔(۹)

ولایت کی روح اور خلافت کی اصل حقیقت

درود وسلام ہو ہر نور کے نور اور تمام اسرار کے محرم راز پر، اس پر جو عالم غیب میں غرق ہے اور جو ماسوا کے حدود وقیود سے مبرا ہے جو منصب خلافت کی اصل بنیاد اور منصب ولایت کی اصل روح ہے جو حجاب عزوجل میں مستور ہے اور جلال وجمال کے دونوں ہاتھوں سے اس کی خمیر گوندھی گئی ہے جو جملہ رموز احدی سے پردہ اٹھانے والا اور تمام حقائق الٰہیہ کا مظہر ہے جو اللہ کا عظیم ترین اور کامل ترین آئینہ ہے۔ وہ ہمارے سید وسردار ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ درود وسلام ہو آپؐ پر اور آپؐ کی آل پاکؑ پر جو آسمان خلافت

---

[1] دیکھئے الاحتجاج، ج۱، ص۲۳۰۔

احمدیہ ؐ کے چمکتے سورج ہیں اور افق ولایت علویہ ؑ کے تابندہ ماہتاب ہیں خصوصاً آپ ؐ کے جانشینؑ پر جو عالم ملک وملکوت میں آپ ؐ کے قائم مقام ہیں اور عالم جبروت ولایت میں آپ ؐ کے وجود پاک کا حصہ ہیں وہ شجرہ طوبیٰ کی جڑ اور سدرۃ المنتہیٰ کی بنیاد ہیں، مقام ﴿أو ادنــى﴾ میں، رفیق اعلیٰ ہیں، روحانی مخلوقات کے معلم اور انبیاء ومرسلین کی تائید کرنے والے ہیں، وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں جن پر اللہ، اس کے تمام فرشتوں اور رسولوں کا سلام ہو۔(۱۰)

خلیفہ فنائے مطلق کا مظہر

اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم ترین خلیفہ کو مقام رسالت سے سرافراز فرمایا۔ رسالت فنائے مطلق اور مکمل طور پر اپنے وجود سے گزرنے، اپنی الگ اور امتیازی حیثیت کے مکمل خاتمے، سے عبارت ہے کیونکہ حضرت ختمی مرتبت ؐ کی رسالت مطلقہ اللہ کی برزخی خلافت کبریٰ ہے۔ یہ خلافت عبارت ہے ظہور، تجلی، تکوین اور تشریع کے میدانوں میں خلافت سے۔ اس خلیفہ کی اپنی الگ حیثیت نہیں ہو سکتی ورنہ خلافت کا وجود خود مختار بن جائے گا جو کسی بھی مخلوق کیلئے ممکن نہیں۔(۱۱)

خلافت فقر محض ہے

خلافت کی حقیقت خالص فقر واحتیاج سے عبارت ہے جس کی طرف رسول ؐ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فقر میرے لیے باعث فخر ہے۔[۱](۱۲)

خلیفہ خودمختار نہیں ہوتا

عزائم میں نبی ؐ کی مدد رسانی آپ ؐ کی قطبیت اور خلافت کی بدولت ہے۔ یہ مدد اللہ کے جود وکرم کا خزانہ ہے۔ پس خزانے اللہ کے ہیں اور ان میں تصرف اس کا خلیفہ کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا: خزانے اللہ کے ہیں اور ان میں تصرف خلیفہ فرماتا ہے۔ خلیفہ اس ہستی کی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے جس نے اسے خلیفہ بنایا ہے۔ البتہ یہ خلافت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک حق تعالیٰ اپنے اس بندے میں ہر قسم کا تصرف نہ کر لے۔ یہ تصرف اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک یہ بندہ افق فنا کی آخری حد کو

۱۔ نبی ﷺ سے مروی ہے: ﴿الفقر فقری وبه افتخر﴾ (فقر میرے لئے باعث فخر ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں)۔ دیکھئے بحار الانوار، ج۶۹، ص۳۰، کتاب الایمان والکفر، فضل الفقر والفقراء، ذیل حدیث ۲۶۔

چھو نہیں لیتا۔ پھر جب وہ ذات وصفات اور افعال کے لحاظ سے اپنے وجود سے گزر جاتا ہے تو اب کسی کا تصرف، متصرف (تصرف کرنے والا) اور متصرف فیہ (جس میں تصرف کیا جائے) باقی نہیں رہتا مگر اللہ کی طرف سے، اللہ کیلئے اور اللہ کی راہ میں۔ پھر جب اللہ بندے کو اس کی اپنی قلمرو میں واپس لاتا ہے تو اب بندہ اللہ کے خزائن میں تصرف شروع کرتا ہے۔ یوں مجازات الٰہیہ کا وقوع عمل میں آتا ہے۔ پس ایک لحاظ سے خزانے اللہ کے ہیں اور تصرف بندے کا اور دوسرے لحاظ سے خزائن اور تصرف دونوں ہی اللہ کے ہیں۔ تیسرے زاوئے سے یہ دونوں بندے کے ہیں اور چوتھے زاوئے سے تصرف اللہ کا ہے اور خزائن بندے کے ہیں۔ (۱۳)

انسان کامل
اللہ کے اسماء وصفات کا مظہر

زمین پر خدا کا خلیفہ اسم اعظم کا مظہر

اشیاء خارجی کا ظہور وجود اسماء الٰہی کے تقاضے کے مطابق اعیان ثابتہ اور علم ربوبی میں موجود نظام کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ پس اسماء الٰہیہ میں سے ہر ایک وجود کا ایک رقیق (وجود) کا حامل ہوتا ہے جو عالم غیب میں اس کا مظہر ہوتا ہے۔ قانون خداوندی کی رو سے ظاہر و مظہر کی خصوصیت یکساں ہوتی ہے۔ پس جو اسم ''رحمٰن'' کا مظہر ہو اس میں رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ دیگر تمام مظاہر لطف و جمال کو محیط اور ان پر حاکم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو چیز اسم ''مالک'' اور اسم ''واحد'' کا مظہر ہو وہ مظاہر قہریہ پر محیط ہوتا ہے۔ بنابریں اللہ کی قضاوقدر اور عنایت رحمانی کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ ایک ایسا خلیفہ الٰہی موجود ہو جو تمام صفات ربوبی اور حقائق اسماء الٰہیہ کا جامع مظہر ہو تا کہ وہ اسم اعظم ''اللہ'' کا مظہر بن سکے۔

خلاصہ یہ کہ جب موجودات عالم میں سے ہر چیز غیبی حقائق کی نشانی اور مظہر ہوتی ہے تو پھر لازم ہے کہ ''عین ثابتہ انسانی'' یعنی ''عین ثابتہ محمدی ؐ'' کی حقیقت اور اسم اعظم کا بھی موجودات خارجی میں کوئی مظہر ہو تا کہ وہ احکام ربوبی کو ظاہر کرے اور اعیان خارجی پر حاکم ہو۔ جس طرح اسم اعظم دیگر تمام اسماء پر حاکم ہوتا ہے اور انسان کامل کا وجود دیگر موجودات پر حاکم ہوتا ہے۔ پس ہر وہ چیز جو اس صفت کی حامل ہو وہ اس عالم میں خلیفہ کی حیثیت کی حامل ہوگی جس طرح اصل اور قاعدہ بھی یہی ہے۔ (۱۴)

انسان کامل اسم اعظم " اللہ " کی تجلی

''اللہ'' ایک ایسا اسم ہے جو عالم اسماء وصفات میں ظہور کے لحاظ سے تمام اسماء وصفات کا جامع ہے اور

یہ جامعیت اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔انسان کامل کا مبارک وجود اس اسم اعظم کا ظہور ہے۔(۱۵)

ظہور کامل میں اللہ کا خلیفہ

انسان کامل کا وجود عینی، جامعیت کے ساتھ ظہور اور مرحلہ علم میں اسماء کی صورتوں کے اظہار کے لحاظ سے اللہ کا خلیفہ اعظم ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اسم اعظم، جلال و جمال اور ظہور و بطون کا جامع ہونے کی بناپر، اپنی جامعیت کے ساتھ کسی ایک وجود میں ظہور پذیر ہو کیونکہ اس کی جلوہ نمائی کیلئے یہ آئینہ محدود، تنگ اور دھندلا ہے جبکہ اسم اعظم جو اس آئینے کے سامنے ہے اس کے مقابلے میں وسیع اور صاف ہے۔ بنابریں آئینے میں جلوہ نما ہونے والی چیز کی مناسبت سے آئینے میں بھی گنجائش ہونی چاہیے تاکہ وہ آئینہ اس کے (جامع) نور کی عکاسی کر سکے۔اس طرح عالم قضاء الٰہی کا ظہور ممکن ہو۔(۱۶)

انسان کامل شہود حق کا آئینہ کامل

''دو کمالوں'' کی تفسیر کے بارے میں شیخ[۱] (سورۃ الحمد کی تفسیر میں) کہتے ہیں کہ ''کمال جلاء'' عبارت ہے، انسان کامل کے ذریعے ظہور حق سے اور ''کمال استجلاء'' عبارت ہے اس سے کہ حق تعالیٰ اپنے ذریعے اپنے اندر اپنے شہود کو اور ان چیزوں کو جو اس سے جدا ہیں اور اسی جدائی کی وجہ سے ''غیر'' کہلاتی ہیں، جمع کرے۔

رہا ان کا قول: ''کمال الاستجلاء'' تو اس سے مراد وہ ''کمال استجلاء'' نہیں جس کی رو سے حق تعالیٰ اپنے تیئں، اپنے ذریعے اپنے شہود کو بطور مطلق اپنے غیر کے ساتھ جمع کرے اور نہ ہی اس سے مراد غیر کا اپنے تیئں بطور مطلق مشاہدہ کرنا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ''کمال استجلاء'' اس بات سے عبارت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے جامع اسم کے ذریعہ اپنے کامل ترین آئینے یعنی انسان کامل کے اندر اپنا مشاہدہ کرے۔پس کامل ترین آئینے میں حق کی تجلی ''کمال الجلاء'' سے عبارت ہے اور اس آئینے میں اپنا مشاہدہ ''کمال الاستجلاء'' ہے۔البتہ یہ مراتب کے نقطہ نظر سے ہے لیکن اضمحلال مراتب کی رو سے ''کمال جلاء'' سے مراد یہ ہے کہ حق جل وعلا تمام

۱۔محمد بن علی بن محمد عربی (۵۶۰ تا ۶۳۴ یا ۶۳۷ یا ۶۳۸) ساتویں صدی کے سب سے معروف عارف تھے۔وہ ابن عربی، محی الدین اور شیخ اکبر کے نام سے معروف ہیں۔تقریباً دو سو کتابیں ان سے منسوب ہیں جن میں سب سے مشہور: فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، التجلیات الالہیہ، انشاء الدوائر اور تفسیر القرآن ہیں۔

آئینوں میں متجلی ہو اور "کمال استجلاء" یہ ہے کہ وہ ان تمام آئینوں میں اپنا مشاہدہ کرے۔(۱۷)

انسان کامل ذات واشیاء کے شہود کا آئینہ

پس یہ مخلوق کہ جس کا ذکر انسان اور خلیفہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اسے انسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وجود جملہ موجودات کے مقابلے میں وسیع تر ہے اور اس کا وجود تمام حقائق کو محیط ہے۔ حق کے ساتھ اس کی نسبت یوں ہے جس طرح آنکھ کے ساتھ پتلی کی نسبت۔

شیخ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ وجود اسماء اور اعیان کی جملہ خصوصیات کو شامل نیز تمام الٰہی و کائناتی حقائق کو محیط ہے اس لیے وہ ایک آئینے کی مانند ہے جس میں جملہ حقائق کا مشاہدہ ہو۔ اشیاء کی رویت کے لحاظ سے اللہ کے مقابلے میں اس کی مثال آنکھ اور پتلی کی سی ہے۔ اس لیے اسے "انسان" کا نام دیا گیا ہے۔ پس انسان کامل جس طرح ایک آئینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنا مشاہدہ کرتا ہے، جیسا کہ شیخ نے پہلے کہا، اسی طرح حق تعالیٰ کیلئے دیگر تمام اشیاء کا مشاہدہ کرنے کے لحاظ سے بھی انسان ایک آئینہ ہے۔(۱۸)

اسم جامع کا مظہر اور اس کی تجلی کا آئینہ

جان لو کہ ارباب معرفت اور اصحاب قلوب فرماتے ہیں کہ اسمائے الٰہی میں سے ہر ایک بارگاہ احدیت میں ایک صورت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ صورت بارگاہ علمیہ میں فیض اقدس کے ذریعے ہونے والی تجلی کی تابع ہوتی ہے جو حبِ ذاتی اور مفاتح الغیب (غیب کی چابیوں) کی طلب کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ غیب کی ان چابیوں کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ﴿(التي) لا يعلمها الا هو﴾[۱] مذکورہ صورت کو اہل اللہ کی اصطلاح میں "عین ثابت" کہا جاتا ہے۔ فیض اقدس کی اس تجلی سے پہلے "تعینات اسمائی" حاصل ہوتی ہیں۔

اسماء کے اسی تعین و ظہور سے "صورت اسمائی" جو موجودات خارجیہ سے عبارت ہے وجود میں آتی ہے۔ سب سے پہلا اسم جو بارگاہ علمیت واحدیت میں فیض اقدس اور احدیت کی تجلی سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کے آئینے میں جلوہ گر ہوتا ہے وہ خدا کا جامع اسم اعظم یعنی اسم اللہ ہے جو غیبی زاویئے سے فیض اقدس کی عین تجلی ہے۔ اس جامع اسم کا "تعین" یا اس کی "صورت" عبارت ہے انسان کامل کے "عین

۱۔ سورۂ انعام، آیت/۵۹۔

ثابت'' اور ''حقیقت محمدیہ ؐ'' سے جس طرح فیض اقدس کی عینی تجلی کا مظہر فیض مقدس ہے، نیز مقام واحدیت کی تجلی کا مظہر مقام الوہیت ہے اور انسان کامل کے عین ثابت کا مظہر روح اعظم ہے۔ دیگر تمام موجودات کا اسمائی، علمی اور عینی وجودان حقائق ودقائق کے کلی وجزئی مظاہر سے عبارت ہے۔ ان مظاہر کی خوبصورت ترتیب کے ذکر کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں اور اس کا ذکر ہم نے ''مصباح الھدایہ'' نامی کتاب میں کیا ہے۔[1]

یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''انسان کامل'' اسم جامع کا مظہر اور اسم اعظم کی تجلی کا آئینہ ہے۔ چنانچہ اس بات کی طرف قرآن اور سنّت میں بہت سے مقامات پر اشارہ ہوا ہے۔

اسم جامع کا مظہر اور آئینہ

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وعلم آدم الاسماء کلها﴾[2] یہ خدائی اور غیبی تعلیم بارگاہ واحدیت میں اللہ کے دونوں ہاتھوں یعنی دست جمال اور دست جلال سے آدم کی خمیر میں ودیعت ہوئی۔ اسی طرح آدم کی ظاہری صورت کا خمیر عالم شہود میں اللہ کے دست جلال اور دست جمال کے ذریعے عالم طبیعت میں مظہریت کی صورت میں واقع ہوا ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض﴾[3]

یاد رہے کہ اہل عرفان کی اصطلاح میں امانت سے مراد ''ولایت مطلقہ'' ہے جس کا سزاوار انسان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہ ولایت مطلقہ وہی ''فیض مقدس'' ہے جس کی طرف قرآن شریف میں یوں اشارہ ہوا ہے: ﴿کل شيء هالک الا وجهه﴾[4]

کافی شریف کی ایک حدیث میں حضرت باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿نحن وجه الله﴾[5]

۱۔ دیکھئے مصباح الھدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ، ص ۱۶، ۲۲، ۲۹ اور ۳۱۔

۲۔ اور اللہ نے آدم کو سارے نام سکھا دئے۔ (بقرہ/۳۱)

۳۔ ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین کے آگے رکھی۔ (احزاب/۷۲)

۴۔ ''وجہ اللہ'' کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ (قصص/۸۸)

۵۔ ''وجہ اللہ'' ہم ہیں۔ (اصول کافی، ج۱، ص ۱۴۵، کتاب التوحید، باب النوادر، حدیث ۷۔

دعائے ندبہ میں فرمایا گیا ہے:﴿این وجہ اللہ الذي الیہ یتوجہ الاولیاء؟ أین السبب المتصل بین أھل الارض والسماء﴾[۱] زیارت جامعہ کبیرہ میں ارشاد ہوتا ہے:﴿والمثل الاعلیٰ﴾[۲]
اس "مثلیت" اور "وجہیت" کا ذکر حدیث میں یوں ہوا ہے:﴿ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ﴾[۳]
یعنی آدم حق کا "مثل اعلیٰ" اللہ کی سب سے عظیم نشانی، کامل ترین مظہر، اسماء وصفات کی تجلیات کا آئینہ، اللہ کا چہرہ، اللہ کی آنکھ ﴿ھو یسمع ویبصر ویبطش باللہ واللہ یبصر ویسمع ویبطش بہ﴾[۴] یہ "وجہ اللہ" وہی نور ہے جس کے بارے میں یہ آیہ شریفہ کہتی ہے:﴿اللہ نور السمٰوات والارض﴾[۵]
جناب امام باقر العلوم ابوخالد کابلی سے اصول کافی کی حدیث میں فرماتے ہیں:﴿ھم (اي الائمة) واللہ نور اللہ الذي أنزل وھم واللہ نور اللہ في السمٰوات والارض﴾[۶]
کافی شریف میں قرآن کی آیت ﴿عمّ یتسائلون عن النبأ العظیم﴾[۷] کی تفسیر میں حضرت امام باقر العلوم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:﴿ھی أمیر المؤمنین۔ کان أمیر المؤمنین علیہ السلام یقول: ما للہ تعالیٰ آیة أکبر مني ولا للہ من نبأ أعظم مني﴾[۸]

۱۔ کہاں ہے اللہ کا وہ چہرہ جس کی طرف اولیائے خدا رخ کرتے ہیں؟ کہاں ہے وہ جو اہل زمین اور آسمان کے درمیان ربط پیہم کا سبب ہے؟۔ (دیکھئے: زاد المعاد، ص ۳۹۹، باب ۱۱؛ نیز مفاتیح الجنان، ص ۵۳۷)

۲۔ وہ بہترین مثال ہیں۔ (دیکھئے: من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۳۷۰، باب زیارت جامعہ؛ نیز عیون اخبار الرضا، باب ۶۸، حدیث ۱۔

۳۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۳۴، کتاب التوحید، باب الروح، حدیث ۴۔

۴۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۳۵۲، کتاب الایمان والکفر، باب من اذی المسلمین، ح ۲۔

۵۔ سورۂ نور، آیت ۳۶۔

۶۔ اللہ کی قسم وہ (ائمہ) اللہ کا وہی نور ہیں جسے اس نے نازل کیا ہے۔ اللہ کی قسم وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہیں۔ (دیکھئے اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۴، کتاب الحجہ، باب ان الائمة نور اللہ، ح ۱)۔

۷۔ وہ کس چیز کے بارے میں باہم سوال کر رہے ہیں؟ کیا اس عظیم خبر کے بارے میں؟! (سورۂ نباء، آیت ۱ و ۲)

۸۔ یہ آیت امیر المومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امیر المومنین علی فرماتے تھے: اللہ کی کوئی نشانی مجھ سے بڑی نہیں اور اللہ کی کوئی خبر مجھ سے عظیم تر نہیں۔ (اصول کافی، ج ۱، ص ۲۰۷، کتاب الحجہ، باب ان الآیات التی ذکرھا اللہ فی کتابہ، ح ۳۔

خلاصہ یہ کہ انسان کامل جس کے مصادیق میں سے ایک حضرت آدم ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نشانی، اسماء وصفات حق کا سب سے عظیم مظہر نیز اللہ کی سب سے بڑی آیت اور مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ ''مِثل'' یعنی شبیہ سے منزہ ہے لیکن اس کی مقدس ذات ''مَثَل'' یعنی نشانی اور علامت سے مبرا نہیں چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿و للہ المثل الأعلیٰ﴾۱

کائنات کے تمام ذرات اس جمیل (جل جلالہ) کی تجلیات جمال کی نشانیاں اور آئینے ہیں البتہ اپنے اپنے ظرف اور گنجائش کی مناسبت سے لیکن ان میں سے کوئی بھی (نشانی) کامل اسم اعظم یعنی ''اللہ'' نہیں ہے سوائے وجود جامع اور برزخیت کبریٰ ﴿جلّت عظمته بعظمة باريه﴾ کے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کامل اور آدم اول کو اپنی جامع وکامل صورت پر خلق فرمایا اور اسے اپنے اسماء وصفات کا آئینہ قرار دیا۔

شیخ کبیر فرماتے ہیں: ''پس تخلیق کے اس مرحلے میں وہ تمام اسمائے الٰہی ظاہر ہو گئے جو خزانہ الٰہی میں پوشیدہ تھے۔ پس اس وجود کی برکت سے وہ (انسان) جامعیت اور احاطہ واستیعاب کے مرتبے پر فائز ہوا اور اسی کے طفیل اللہ کی طرف سے فرشتوں پر اتمام حجت ہوا''۔(۱۹)

انسان کامل پر براہ راست تجلی

کچھ اسماء پر دوسرے اسماء سے پہلے تجلی ہوتی ہے۔ جو اسم دوسروں کو محیط ہو پہلے اس پر تجلی واقع ہوتی ہے۔ پھر اس ''محیط'' اسم کے پردے میں اسم ''محاط'' (جسے محیط نے گھیر رکھا ہو) پر تجلی ہوتی ہے۔ چونکہ اسم ''اللہ'' اور اسم ''رحمٰن'' دوسرے اسماء کو محیط ہیں۔ اس لیے ان دونوں کے ذریعے دیگر اسماء پر تجلی عمل میں آتی ہے۔ غضب پر رحمت کی سبقت کی ایک علت یہی ہے۔ اس طرح پہلے اسم ''اللہ'' دیگر اسماء پر پھر ان اسماء کے ذریعے ہر قسم کی موجودات پر متجلی ہوتی ہے سوائے انسان کامل کے ''عین ثابت'' کے کیونکہ اس پر براہ راست تجلی واقع ہوئی، اس کے بعد تیسرے مرحلے میں موجودات خارجیہ پر تجلی ہوئی۔

انسان کامل کی خلافت اور آدم کیلئے فرشتوں کے سجدے کا راز

تجلی عینی کے لحاظ سے بھی انسان کامل پر اسم ''اللہ'' کی تجلی براہ راست ہوئی یعنی کسی صفت یا اسم کے

۱۔ سورۂ روم، آیت ۲۷، ﴿وله المثل الاعلیٰ في السمٰوات والارض﴾ ''آسمانوں اور زمین میں اس کیلئے ''مثل اعلیٰ'' موجود ہے'' کی طرف اشارہ ہے۔

واسطے کے بغیر جبکہ دیگر موجودات پر اسماء کے ذریعے تجلی ہوئی۔ آدم علیہ السلام کے آگے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا جو حکم ہوا اس کا ایک راز یہی نکتہ ہے اگر چہ شیطان لعین اپنے نقص (بے لیاقتی) کی وجہ سے اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکا۔ اگر اللہ اپنے جامع اسم کے ذریعے آدمؑ پر تجلی نہ فرماتے تو وہ تمام اسماء کو نہ سیکھ سکتے۔ اسی طرح اگر شیطان اسم اللہ کا پروردہ ہوتا تو اسے آدمؑ کو سجدہ کا حکم نہ ہوتا اور اس کا روحانی مقام آدمؑ کے روحانی مقام سے کمتر نہ ہوتا۔ آدمؑ کا اسم اعظم ''اللہ'' کیلئے مظہر ہونا دونوں جہانوں میں آپ کی خلافت کا موجب بنا۔ (۲۰)

اہل بیت علیہم السلام پر اسم اعظم کی تجلی

مرتبہ الوہیت وواحدیت کے لحاظ سے اسم اعظم تمام اسمائے الٰہیہ کا جامع ہے۔ جس طرح اشیاء کا اصل اور مبدا اُان کا جامع ہوتا ہے یا جس طرح درخت کی گھٹلی اس کی شاخوں، پتوں اور جڑوں کو اپنے اندر سموئے ہوتا ہے، نیز جس طرح ''کل'' اپنے ''اجزاء'' کو شامل ہوتا ہے، مثال کے طور پر لشکر کا دستوں اور افراد پر مشتمل ہونا۔

یہ اسم اعظم اپنی پہلی حیثیت، جامعیت کے لحاظ سے بلکہ دوسری حیثیت، شمول کے لحاظ سے بھی تمام اسماء کو محیط ہے اور یہ تمام اسماء اس کے مظاہر ہیں جبکہ وہ ذاتی طور پر تمام مراتب الٰہیہ پر مقدم ہے۔ اس اسم کی حقیقت سوائے خود اللہ کے اور سوائے اس کے پسندیدہ بندے کے کسی پر منکشف نہیں ہوتی۔ اللہ کا یہ بندہ اس اسم کا مظہر کامل ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر، وہ حقیقت انسانی اور تمام عوامل واسباب کی تصویر ہوتا ہے۔ تمام انسانوں کے درمیان حقیقت محمدیہؐ اور آپ کے اوصیاء جو روحانیت میں آپ کے ساتھ متحد ہیں کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس پر یہ اسم اعظم اپنی تمام تر حقیقت کے ساتھ متجلی ہو۔ یہ وہی غیب ہے جس کے عدم شناخت سے اللہ کے پسندیدہ بندے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔[۱] اصول کافی کی روایت ہے: ''اللہ کی قسم! محمدؐ ان بندوں میں سے ہیں جنہیں اللہ پسند فرماتا ہے''۔[۲] (۲۱)

۱۔ سورۂ جن کی آیت ۲۶ و ۲۷ ﴿عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ أحداً الا من ارتضیٰ من رسول﴾ ''وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب کو کسی پر آشکار نہیں کرتا مگر اس پیغمبر پر جس سے وہ راضی ہو'' کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۲۵۶، کتاب الحجہ، باب نادر فیہ ذکر الغیب، ح ۲۔

انسان کامل، کامل ترین مظہر خداوندی

جان لو کہ اسماء وصفات میں سے ہر ایک کامل بلکہ عین کمال ہے کیونکہ در حقیقت عالم اسماء میں کوئی نقص ہوتا ہی نہیں جسے برطرف کیا جائے۔ ہر کمال اسمائے الٰہی کے کمال کا ظہور اور اس کی تجلی ہے۔ سب سے کامل اسم وہ ہے جو تمام کمالات کا مجموعہ ہو۔ انسان کامل اس اسم کامل کا مظہر ہوتا ہے۔ انسان کامل تمام صفات واسماء الٰہیہ کا مجموعہ اور تمام جامع تجلیات کا مظہر ہوتا ہے۔ بنابریں اللہ کے تمام ناموں میں اسم ''اللہ'' سب سے کامل نام ہے جبکہ انسان کامل تمام مظاہر میں سب سے کامل مظہر ہے۔ (۲۲)

انسان کامل تمام مقاصد الٰہی کا مظہر

اے سالک (طریقت) اور طالب (حقیقت) جان لو کہ خداوند متعال اسم ﴿کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾۱ کی رو سے ہر لحظہ ایک نئی شان کا حامل ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ انسان کامل کے علاوہ کسی اور پر اپنے تمام شئون کے ساتھ متجلی ہو۔ پس عقول مجردہ، ملائکہ مہیّمنہ اور ملائکہ صافات سے لے کر نفوس کلیہ الٰہی، ملائکہ مدبّرہ، مدبّرات امر، سلطان ملکوت علیا اور زمینی فرشتوں کے طبقات تک تمام موجودات ایک خاص اسم کے مظہر ہیں جن کے رب نے اس اسم کے ذریعے ان پر تجلی فرمائی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خاص مقام کا حامل ہے۔۲ ''ان میں سے کچھ رکوع کرنے والے ہیں جو ہرگز سجدے میں نہیں جاتے اور کچھ سجدہ کرنے والے ہیں جو کبھی رکوع میں نہیں جاتے''۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مخصوص مرتبہ ومقام اور جگہ سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ اسی لئے جب جبرئیلؑ سے حضور اکرمؐ نے اپنی جدائی (معراج کی رات) کا سبب پوچھا تو جبرئیلؑ نے عرض کیا: ''اگر میں ایک انگشت کے برابر بھی نزدیک جاؤں تو جل جاؤں گا''۳

لیکن جو لوگ یثرب انسانیت اور مدینہ نبوت کے مکین ہیں وہ کوئی ناقابل تغیر اور مخصوص جگہ نہیں رکھتے۔ اسی لیے وہ علیؑ کی ولایت مطلقہ کے حامل ہوئے ہیں جو تمام شئون الٰہی سے عبارت ہے یوں وہ

۱۔ سورۂ الرحمٰن، آیت/۲۹۔

۲۔ سورۂ مبارکہ صافات کی آیت/۱۶۴ ﴿وما منّا الا لہ مقام معلوم﴾ ''ہم فرشتوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک خاص مقام ہے'' کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ دیکھئے: بحار الانوار، ج۱۸، ص۳۸۲، کتاب تاریخ نبینا، باب اثبات المعراج ومعناہ وکیفیتہ...، ح۸۶۔

عظیم ترین اور کامل خلافت کے سزاوار قرار پائے۔ اسی طرح وہ مقام "ظلومیت"[۱] کے بھی مستحق قرار پائے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جملہ مقامات سے آگے نکل جانے، انانیت وانیت (خود پرستی وخود بینی) کے تمام بتوں کو توڑنے نیز جہولیت[۲] کے صنم کو ختم کرنے کا نام ہے جو فنا از فنا، جہل مطلق اور مکمل عدم سے عبارت ہے۔ (۲۳)

انسان کامل برزخ کبریٰ کے مقام کا حامل

انسان کامل تمام اسماء وصفات کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ اسم جامع کے ذریعے اللہ کا پروردہ ہوتا ہے اسی لئے کسی اسم کو اس میں تصرف کا غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ خود بھی چونکہ "کون" جامع میں متصرف ہوتا ہے اور وہ تمام اسماء کا یکساں طور پر مظہر ہوتا ہے، نیز وہ وسطیت اور برزخیت کبریٰ کا حامل ہوتا ہے، نیز اس کا سفر بھی اسم جامع والے طریق مستقیم اور راہ وسطی کے مطابق ہوتا ہے دیگر عوالم میں سے ہر عالم میں اسمائے محیطہ یا غیر محیطہ میں سے کسی نہ کسی میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور وہ اسی اسم کا مظہر ہوتا ہے۔ (۲۴)

ظلّ اللہ، انسان کامل کی حقیقت

"ظل منبسط" اللہ کا ظل (سایہ) ہے حق کا نہیں کیونکہ ظل منبسط کی حقیقت انسان کامل کی حقیقت سے عبارت ہے اور انسان کامل کا ربّ اسم اعظم (اللہ) ہے جو جود جامع ہے۔ (۲۵)

اسم اعظم انسان کامل کی خلقت کا سرچشمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت اور اس کی تعلیم وتربیت کو ربّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب فرمایا ہے۔ ربّ محمدؐ جیسا کہ علم الاسماء میں مذکور ہے جامع اسم اعظم ہے۔ یہ اسم اعظم انسان کامل کی خلقت کا سرچشمہ ہے اور دیگر موجودات میں اتنی لیاقت وصلاحیت نہیں کہ یہ اسم اعظم ان کی تخلیق کا سرچشمہ ہو۔ (۲۶)

اہل بیت علیہم السلام اسم اعلیٰ کے مظہر

حدیث میں مذکور ہے ﴿نحن الاسماء الحسنیٰ﴾[۳] مقام ظہور میں اسم اعلیٰ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ

۱۔۲۔ سورۂ احزاب کی آیت ۷۲/ ﴿وأشفقن منها وحملها الانسان انّه كان ظلوماً جهولا﴾ "وہ اس (امانت) سے ڈر گئے لیکن انسان نے اس کو اٹھالیا کہ وہ ستمگر ونادان تھا" کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ امام صادقؑ نے فرمایا: "اللہ کی قسم ہم اسماء حسنیٰ ہیں" (اصول کافی، ج۱، ص۱۴۳، کتاب التوحید، باب النوادر، ح۴)۔

اطہار" ہیں۔ یہ ہستیاں جو سیر و سلوک کے لحاظ سے نقص سے کمال تک پہنچ چکے ہیں یعنی اس مرتبے تک پہنچ چکے ہیں جہاں پہنچ کر وہ ہر قسم کی مادیات اور تمام اشیاء سے آزاد ہوئے ہیں۔(۲۷)

انسان کامل، اللہ کا کامل ترین کلمہ

جان لو کہ ہر چیز کا کمال وہ ہے جو خود اس کے ساتھ تناسب رکھتا ہو مثلاً علم کا کمال یہ ہے کہ حقائق کو مکمل طور پر بے نقاب کرے اور اس میں جہل اور حجاب کا شائبہ نہ ہو۔ نور کامل تب ہوتا ہے جب اس میں تاریکی مخلوط نہ ہو۔ بالفاظ دیگر کمال سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے مخالف اور متقابل امور سے مبرا و خالص ہو نیز وہ خود اور اس کی صفات و کمالات سے مربوط زاویوں سے خالص ہو۔ اسی قاعدے کی رو سے آپ "کلام اور کلمہ" کے کامل، تام یا اتم ہونے کا مفہوم جان سکتے ہیں۔ ان دونوں کے تام و کامل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کی دلالت واضح ہو اور اس میں کسی قسم کا اجمال وابہام یا مشابہت (کسی اور کلام یا کلمہ کے ساتھ) نہ ہو یعنی کلام اور کلمہ ہر اس چیز سے خالی ہوں جن کا تعلق ان دونوں کی جنس سے نہیں۔ پس اس کتاب الٰہی کے کلمات میں سے کچھ تام و کامل ہیں جبکہ کچھ اتم و اکمل ہیں۔ اسی طرح کچھ ناقص اور کچھ زیادہ ناقص ہیں۔ اس کتاب میں تام و کامل ہونے (یا ناقص ہونے) کا معیار اس آئینے کے صحیح انعکاس کی شدت و ضعف سے عبارت ہے۔ یعنی اس بات پر کہ یہ آئینہ عالم غیب الٰہی، سرِّ مکنون اور پوشیدہ خزانے کو کس قدر منعکس کرتا ہے۔ پس جس چیز کے آئینے میں حق کی تجلی زیادہ واضح و کامل ہو وہ عالم غیب پر زیادہ دلالت کرتی ہے۔ بنابریں عقول مجردہ اور نفوس اسفہبد یہ اللہ کے کلمات تامہ ہیں کیونکہ وہ مادی ظلمتوں سے منزہ، ہیولا کے غبار سے پاک اور تعین ماہیت کے گرد سے منزہ ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک کسی خاص صفت یا اسم کا آئینہ ہوتا ہے اس لئے ناقص ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: ان میں سے کچھ رکوع کرنے والے ہیں جو ہرگز سجدہ نہیں کرتے اور کچھ سجدہ کرنے والے ہیں جو ہرگز رکوع نہیں کرتے۔ انسان کامل چونکہ ایک جامع وجود اور اسماء و صفات الٰہیہ کا مکمل آئینہ ہے اس لئے وہ کامل ترین کلمہ الٰہی ہے بلکہ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جس کے اندر دیگر تمام کتب الٰہیہ جمع ہیں جیسا کہ ہمارے مولا امیر المومنین سید الموحدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

أتــزعم انّــک جرم صغير　　وفيک انطوى العالم الاکبر

وأنت الکتاب المبين الذي　　بأحـرفـه يظهر المضمــرا

"کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا ذرہ ہے؟ حالانکہ تیرے اندر عالم اکبر چھپا ہوا ہے۔ تم وہ کتاب مبین ہو جس کے حروف سے پوشیدہ حقائق آشکار ہوتی ہیں"۔ ا(۲۸)

احدیت اور واحدیت کا مظہر

انسان کامل اسماء و اعیان کا جامع وجود وحید ہے، اسی لئے وہ احدیت جامع کا مظہر ہے۔ نیز وہ کثرت تفصیلی کے مرتبے کا بھی حامل ہے جس کی رو سے وہ بارگاہ واحدیت کا مظہر ہوتا ہے۔ (۲۹)

انسان کامل تمام تعینات کی احدیت کا مظہر

تعین گاہے وجودی ہوتا ہے مثال کے طور پر اسمائے جمالیہ کے ذریعے تعین اور گاہے عدمی ہوتا ہے جس طرح اسماء جلالیہ کے ذریعے تعین اور گاہے مرکب ہوتا ہے بلکہ درحقیقت تمام تعینات میں ترکیب کا شائبہ موجود ہوتا ہے۔ پس ہر جمال کے نیچے ایک جلال ہوتا ہے اور ہر جلال کے نیچے ایک جمال۔ اسی طرح گاہے تعین انفرادی ہوتا ہے مثال کے طور پر اسمائے بسیط والا تعین اور گاہے اجتماعی ہوتا ہے۔ نیز اجتماعی تعین، گاہے محیط ہوتا ہے اور گاہے غیر محیط۔ جو چیز جملہ تعینات کی احدیت جمع کا حامل ہے وہ اسم اعظم اور انسان کامل ہے۔ (۳۰)

انسان کامل حقائق کا امین

قول خداوندی ﴿علّمه البیان﴾۲ کی وضاحت: یہاں تعلیم سے مراد ہے انسان کی خمیر اور سرشت میں داخل کرنا اور اس کی طینت میں نہفتہ ہونا۔ اسی طرح "بیان" سے مراد اسماء کے مسمّیٰ ہیں جو اللہ نے ہمارے باپ آدمؑ کو سکھائے۔ پس انسان کامل جس کے اندر حقائق اسماء اور ان کے آثار مثلاً لطف وقہر، رحمت وغضب، ہدایت وضلالت اور ظہور وبطون وغیرہ رکھے گئے ہیں اس کے اندر یہ حقائق لف (لپٹے ہوئے) اور بساطت کی صورت میں موجود و متحقق ہیں۔ (۳۱)

انسان کامل کا معبود

اللہ اپنی غیبی حیثیت میں معبود واقع نہیں ہوتا کیونکہ وہ (اس لحاظ سے) سب کیلئے قابل شہود وشناخت

۱۔ دیکھئے امام علیؑ سے منسوب "دیوان امام علیؑ" کی شرح جس کے شارح حسین بن معین الدین مبیدی ہیں، ص ۲۶۹۔

۲۔ اسے بولنا سکھایا۔ (الرحمٰن ر۴)

نہیں ہوسکتا جبکہ معبود مشہود و معلوم ہونا ضروری ہے اور عبادت ہے یہاں تک کہ انسان کامل کی عبادت بھی۔ البتہ انسان کامل اسم اعظم "اللہ" کی عبادت کرتا ہے اور دوسرے لوگ مشاہدات و معارف میں اپنے درجات و مقامات کے حساب سے، باقی اسمائے الٰہی کی عبادت کرتے ہیں۔ (۳۲)

تیسری فصل

انسان کامل اور نظام تکوینی

انسان کامل کے وجودی اوصاف

مثل اللہ اور صورت حق کی تصویر

جان لو کہ انسان کامل اللہ تعالیٰ کا مثل اعلیٰ اور سب سے بڑی نشانی ہے۔ وہ اللہ کی واضح کتاب اور "نبأ عظیم" ہے۔ وہ حق کی صورت پر خلق ہوا ہے اور اللہ کے دونوں ہاتھوں سے خلق ہوا ہے۔ وہ مخلوقات پر اس کا خلیفہ ہے اور اس کی معرفت کے دروازے کی چابی ہے۔ جو اسے پہچان لے وہ اللہ کو پہچان لیتا ہے۔ وہ اپنی ہر صفت اور ہر تجلی کے ساتھ اللہ کی ایک نشانی ہے۔ وہ اپنے خالق کی کامل شناخت کے عظیم ترین "نمونوں" میں سے ایک نمونہ ہے۔ (۳۳)

انسان کامل تمام عوالم کو محیط

جان لو کہ انسان ایک کامل وجود کا نام ہے جو جملہ عقلی، مثالی اور حسی مراتب کا جامع ہے۔ وہ عالم غیب، عالم شہود اور ان کے اندر موجود ہر چیز کو محیط ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾[۱] نیز ہمارے اور تمام موحدین کے مولا علیہ السلام فرماتے ہیں: "کیا تم اپنے آپ کو ایک چھوٹا ذرہ سمجھتے ہو جبکہ تمہارے اندر تو عالم اکبر لپٹا ہوا ہے"۔ پس انسان ملک کے ساتھ ملک ہے، ملکوت کے ساتھ ملکوت ہے اور جبروت کے ساتھ جبروت۔ چنانچہ حضرت علیؑ اور امام صادقؑ سے مروی ہے: ﴿اعْلَمْ أَنَّ الصُّورَةَ الإِنْسَانِيَّةَ هِيَ أَكْبَرُ حُجَجِ اللهِ عَلَىٰ خَلْقِهِ وَهِيَ الْكِتَابُ الَّذِي كَتَبَهُ بِيَدِهِ وَهِيَ الْهَيْكَلُ الَّذِي بَنَاهُ

۱۔ اور اس نے آدم کو سارے نام سکھا دیے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۳۱)

بِحِكْمَتِهٖ وَهِيَ مَجْمُوعُ صُورَةِ الْعَالَمِينَ وَهِيَ الْمُخْتَصَرُ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَهِيَ الشَّاهِدُ عَلٰى كُلِّ غَائِبٍ وَهِيَ الطَّرِيقُ الْمُسْتَقِيمُ اِلٰى كُلِّ خَيْرٍ وَالصِّرَاطُ الْمَمْدُودُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ﴾ ''جان لو کہ انسان کی صورت اللہ کی مخلوقات پر اس کی سب سے بڑی حجت ہے۔ انسان وہی کتاب ہے جسے اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لکھا ہے اور وہی بلند عمارت ہے جسے اپنی حکمت سے اس نے تیار کیا ہے۔ وہ عالمین کی مجموعی صورت کا خلاصہ ہے اور لوح محفوظ کا خلاصہ ہے۔ وہ ہر غائب کو دیکھتا ہے۔ وہ ہر نیکی تک رسائی کا سیدھا راستہ ہے، نیز وہ جنت اور جہنم کے درمیان پھیلا ہوا صراط ہے''۔

اسم اعظم کا تربیت یافتہ

انسان مخلوقات کے درمیان اللہ کا خلیفہ ہے جو حق کی صورت پر خلق ہوا ہے اور وہ (مخلوقات خداوند) کی قلمرو میں تصرف کرتا ہے۔ اسے اسماء وصفات حق کی خلعت پہنائی گئی ہے۔ وہ عالم ملک وملکوت کے خزائن تک رسائی رکھتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اس میں روح پھونکی گئی ہے۔ اس کا ظاہر ملک وملکوت کا نسخہ ہے جبکہ اس کا باطن حی لا یموت کا خزانہ ہے۔ چونکہ وہ اللہ کی تمام کائناتی صورتوں کا حامل ہے اس لئے وہ اسم اعظم جو تمام اسماء وصفات کو محیط اور تمام رسوم وتعینات پر حاکم ہے کا پروردہ ہے۔ (۳۴)

اللہ کی سب سے بڑی حجت

جان لو کہ انسان کامل چونکہ زمینوں (مخلوقات) میں اللہ کا خلیفہ اور وجود جامع، نیز عالمین کیلئے اللہ کی نشانی ہے اس لئے وہ اللہ کی سب سے قیمتی آیت ونشانی اور سب سے بڑی حجت ہے۔ چنانچہ ہمارے مولا وسید امیر المومنین علیہ السلام اور ہمارے آقا امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ﴿اِعْلَمْ اَنَّ الصُّورَةَ الْاِنْسَانِيَّةَ هِيَ اَكْبَرُ حُجَجِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ ...﴾ ''جان لو کہ انسان کی صورت اللہ کی سب سے بڑی حجت ہے اس کی مخلوقات پر۔ انسان وہی کتاب ہے جسے اللہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لکھا ہے۔ وہ عالمین کی مجموعی صورت کا خلاصہ ہے...'' درود وسلام ہو اس صاحب کلام پر۔

غیب وشہود کے مراتب کا جامع

پس انسان کامل اپنی وحدت کے باوجود غیب وشہود کے جملہ مراتب کا حامل ہے۔ وہ اپنی ذات کی بساطت کے باوجود تمام کتب الٰہی کا مجموعہ ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم اپنے آپ کو ایک

چھوٹا سا جسم سمجھتے ہو حالانکہ تیرے اندر ایک پورا عالم لپٹا ہوا ہے؟!

شیخ کبیر محی الدین ابن عربی کہتے ہیں: "میں قرآن، سبع مثانی اور روح کی روح ہوں وہ روح نہیں جو اجسام میں موجود ہوتی ہے۔ا (۳۵)

انسان کامل کی ذاتی عظمت

خلاصہ کلام یہ کہ "اللہ" یعنی تمام اسماء وصفات کو محیط ذات احدیت کے علاوہ باقی اشیاء یا تو اس کی جلوہ گاہیں اور مظاہر ہیں یا اس کے اسماء۔ اگر وہ جلوہ گاہیں ہیں تو اس کے درمیان بلندی وعظمت کے لحاظ سے کمی بیشی ایک لازمی امر ہے۔

خدا آپ کو اپنے اسماء وصفات کی ہدایت عطا کرے، نیز آپ کو اور ہمیں اپنی نشانیوں کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کی توفیق دے۔ جان لو کہ جس طرح "اللہ" یعنی وہ ذات جو اپنی جامع احدیت کی بدولت تمام اسماء وصفات کی وحدت کا باعث ہے کیلئے ذاتی رفعت وعظمت حاصل ہے اسی طرح انسان کامل کے وجود عینی یعنی حقیقت محمدیہ ؐ کو بھی حاصل ہے۔

پس حقیقت محمدیہ ؐ بھی تمام اعیان کی جامع احدیت ہے جو ان پر حاکم اور ان سب کو محیط ہے، جس طرح تمام اسماء پر اللہ کی حکومت ہوتی ہے اور جس طرح اللہ ان سب اسماء کو محیط ہوتا ہے کیونکہ سایہ صاحب سایہ کا تابع اور اس میں فانی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ذاتی رفعت وبلندی مشیّت مطلقہ یعنی اسم اعظم کیلئے بھی ہو بہو مقام فعل میں حاصل ہوتی ہے۔ یہاں اس نکتے کی تشریح کی گنجائش نہیں۔ اس بات کی تحقیقی بحث ہم نے اپنی ایک کتاب میں کی ہے جو خلافت وولایت۲ کی حقیقت کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ (۳۶)

انسان اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین تک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الانْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾۳ "بہ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین انداز ے پر خلق کیا ہے پھر اسے پست ترین مقام تک لوٹایا ہے" یہ تنزل کی

۱۔ الفتوحات المکیہ، ج۱، ص۰۷ (تحقیق: عثمان یحییٰ)۔

۲۔ اس سے مراد "مصباح الہدایۃ الی خلافۃ والولایۃ" نامی کتاب ہے۔

۳۔ سورۂ تین، آیت ۴ و ۵۔

طرف اس کے سفر، سیر نزولی سے عبارت ہے اور اس مادی عالم سے پہلے انسان کے وجود کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علماء کے نزدیک ثابت شدہ چیز ہے۔ اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین کی طرف واپسی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک درمیانی مراتب ومنازل کو عبور نہ کیا جائے۔ پس انسان نے بارگاہ واحدیت اور علم الٰہی میں موجود عین ثابت سے عالم مشیت کی طرف، وہاں سے عالم عقول وعالم روحانیین جو مقرب فرشتے ہیں کی طرف، وہاں سے عالم ملکوت علیا، نفوس کلیہ کی طرف، وہاں سے عوالم برزخ اور عالم مثال کی طرف اور عالم مثال سے عالم مادہ وطبیعت کی طرف مختلف مراحل کا سفر طے کیا۔ اس کے بعد وہ اسفل سافلین (پست ترین منزل) تک چلا گیا۔ یہ منزل عالم ہیولا اور زمین اول سے عبارت ہے اور ایک لحاظ سے ساتویں زمین اور تمام طبقات سے آخری طبقہ ہے۔ یہ تنزل کی آخری منزل ہے۔ اس کے بعد انسان نے اپنا ارتقائی سفر شروع کیا جس کی ابتدا ہیولا سے ہوئی جو تنزل کی آخری منزل ہے۔ ہیولا کی مثال کمان کے دستے کی طرح ہے اور کمان کا آخری نقطہ تانت کمان ہے کہ جو (وجود کے قوس نزولی) میں ہے۔ یہاں سے انسان کا ارتقائی سفر شروع ہوا یہاں تک کہ ﴿دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾[1] تک جا پہنچا۔

تمام سلاسل وجود کا جامع

انسان کامل وجود کے تمام مراحل کا جامع ہے۔ دائرہ وجود اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ وہ اول وآخر ہے، ظاہر وباطن ہے اور وہی اللہ کی کامل کتاب ہے۔ مذکورہ تین صورتیں اس پر بھی صادق آتی ہیں۔ پس اگر اسے ایک جامع کتاب فرض کیا جائے تو اس کی روح، عقل، نفس، خیال اور طبیعت اس کتاب کے ابواب وفصول اور حصے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اللہ کی آیات وکلمات سے عبارت ہوگا لیکن اگر ہم اس کو متعدد کتابوں سے تشبیہ دیں تو اس کا خمیر، اس کی روح، عقل، نفس، خیال اور طبیعت الگ الگ کتابیں محسوب ہوں گی جو مختلف ابواب وفصول پر مشتمل ہیں۔ اگر مذکورہ زاویوں کو جمع کریں تو وہ ایک ایسی کتاب قرار پائے جو متعدد جلدوں پر مشتمل ہو یا ایسا قرآن جو سورتوں اور آیات پر مشتمل ہو۔ پس وہ اپنے وجود تفریقی اور کثرت وجودی کے لحاظ سے ''فرقان'' ہے، جیسا کہ حدیث میں منقول ہے کہ علی علیہ السلام حق وباطل کو جدا کرنے

۱۔ سورۂ نجم، آیت ۸ و ۹۔

والے ہیں[۱] اور وہ وحدت وجودی کے لحاظ سے ''قرآن'' ہیں۔(۳۷)

پوری کائنات کا احاطہ

جان لو کہ انسان بہت سے مقامات ومدارج کا حامل ہے۔ایک لحاظ سے اس کے دو مقامات بیان کئے جاتے ہیں: ایک عالم شہود اور دنیا کا مقام اور دوسرا عالم غیب اور آخرت کا مقام۔ان میں سے ایک ''ظلّ الرحمن'' اور دوسرا ''ظلّ الرحیم'' ہے۔اس لحاظ سے وہ اسم ''رحمٰن'' اور اسم ''رحیم'' کے دائرے میں سارے صاحب ظل اسماء اور صاحب ''ربّ'' اسماء کے سائے تلے مربوبین کے زمرے میں آتا ہے۔چنانچہ آیہ شریفہ ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ میں ان کو یکجا کیا گیا ہے۔عرفاء کہتے ہیں: ﴿ظهر الوجود ببسم الله الرحمن الرحيم﴾[۲] یعنی وجود کی ابتدا ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ سے ہوئی۔

انسان کامل کے اندر یہ دو مقامات مشیت مطلقہ کے اس ظہور کی بدولت وجود میں آئے جو غیب احدی کے پوشیدہ خزانوں سے ہیولا کی آخری حد یا ساتویں زمین کی آخری حد جو بزرگ عرفا کے بقول انسانیت کا حجاب ہے اور یہ عالم وجود کے دو قوسوں میں سے ایک قوس ہے اور فیض مسلسل کی آخری حد سے لے کر غیب مشیت اور اطلاق وجود کی آخری حد جو قوس دوم ہے، تک کو محیط ہے۔پس انسان کامل ان دو مقامات کے لحاظ سے، یعنی رحمانیت کے شہود وظہور اور رحیمیت کے غیب وظہور کے لحاظ سے عالم وجود کا دائرۂ کامل ہے

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾[۳]

ان دو حقیقتوں میں سے ایک ﴿لیلة القدر﴾ اور اس کا سرّ اور راز ہے کیونکہ آفتاب حقیقت تعینات کے حجاب میں چھپا ہوا ہے۔ثانیا: ﴿یوم القیامة﴾ کی حقیقت ہے جو تعینات کے پردوں سے اس آفتاب کے ظہور وطلوع سے عبارت ہے اور یہ اللہ کے شب وروز ہیں۔

۱۔اس مضمون کی بہت سی احادیث مروی ہیں۔بطور نمونہ ملاحظہ ہو:
بحارالانوار، ج ۳۶، ص ۲۲۶، کتاب علیؑ، باب نصوص الرسولؐ، ح ۲؛ نیز، ج ۳۷، ص ۲۹۲، کتاب علیؑ، باب ماامر بہ النبیؐ من التسلیم علیہ بامرۃ المومنین، ح ۶۔

۲۔کائنات کا وجود ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ کے طفیل وجود میں آیا۔(الفتوحات المکیہ، ج ۱، ص ۱۰۲)۔

۳۔سورۂ نجم، آیت ۸ و ۹۔

انسان کامل کے تین مقامات

دوسرے لحاظ سے انسان کامل تین مقامات کا حامل ہے۔ان میں سے ایک "عالم ملک" اور دنیا ہے، دوسرا "عالم برزخ" ہے اور تیسرا "عالم عقل و آخرت" ہے۔انسان کامل کے ان تین مقامات میں سے ایک مظاہر کے تعینات و ظہور کا مقام ہے۔دوسرا مشیت مطلقہ کا مقام ہے جو برزخ البرازخ اور ایک لحاظ سے عماء کا مقام ہے۔تیسرا اسماء کی "احدیت جمع" کا مقام ہے۔"بسم اللہ" والی آیت شریفہ ان تینوں مقامات کی طرف اشارہ ہو سکتی ہے۔ان میں سے ایک "اللہ" ہے جو احدیت جمع کا مقام ہے، دوسرا "اسم" ہے جو برزخیت کبریٰ کا مقام ہے اور تیسرا "مشیت رحمانی و رحیمی" کے تعینات کا مقام ہے۔(۳۸)

انسان کامل جملہ عوالم کا خلاصہ

انسان کامل اپنی وحدت جمعی اور بساطت ذاتی کی بنا پر تمام عوالم کا خلاصہ ہے جس طرح عوالم وجود انسان کامل کی تفصیلی صورت ہیں۔پس انسان اسم رحمٰن کا مظہر ہے۔یہ اسم حقیقت وجود اور وجود کے نزولی وصعودی سلاسل کی گسترش کیلئے مختص ہوا ہے۔چنانچہ کہا گیا ہے: "عالم وجود ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ کی برکت سے ظہور پذیر ہوا ہے"۔پس رحمت رحمانیہ حقائق وجود کی مکمل وسعت بخشنے کیلئے ہے اور رحمت رحیمیہ کمال وجود کو پھیلانے کیلئے ہے[1] پس اگر انسان کامل اسم رحمٰن کا پروردہ ہے جو تمام مراتب کا جامع نیز تمام ذاتی وعرضی حقائق کا حامل ہے اور انسان جملہ عوالم کا خلاصہ ہے تو پھر وہ تمام حقائق جن کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے وحدت و بساطت کے ساتھ انسان کے وجود میں اور بسط و کثرت[2] کے ساتھ (مختلف) عوالم کے وجود میں رکھی گئی ہیں۔(۳۹)

انسان کامل محور تخلیق

انسان اپنے آپ کو محور تخلیق سمجھتا ہے۔البتہ انسان کامل ایسا ہی ہے۔(۴۰)

انسان کامل اور حق کے وجوب میں فرق

انسان کامل اور مظہر اتم کیلئے وجوب وجود کا ثابت ہونا ایک قطعی بات ہے۔اس وجوب کا فرق اس

۱۔توحید صدوق، ص۲۳۰، باب۳۱، معنائے ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾، حدیث۲، ۳و۵۔

۲۔مزید آگہی کیلئے ملاحظہ ہو قاضی سعید قمی کی کتاب، ص۵۲و۵۳؛ نیز، حاشیہ حضرت امام خمینیؒ۔

وجوب کے ساتھ جو مقام احدیت ذات میں اللہ کیلئے ثابت ہے، ظاہر و مظہر، غیب و شہود اور جامعیت و تفرق والا فرق ہے۔ پس تمام اسماء الٰہی خواہ وہ ذاتی ہو یا غیر ذاتی مظہر کامل میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ درحقیقت اسم مستاثر اسماء کا حصہ نہیں اس لئے نہ اس کا کوئی ظہور ہے نہ مظہر۔(۴۱)

انسان کامل کے عین ثابت اور دیگر اعیان کے درمیان نسبت

موجودات عالم انسان کامل کے وجود کا سایہ

یاد رہے کہ یہ بات اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے کہ انسان کامل کا وجود اسم اعظم ''اللہ'' کا مظہر ہے جو اسماء کے اماموں کا امام ہے، نیز باقی تمام موجودات کا وجود انسان کامل کے وجود عینی کے سائے تلے علم اعیان اور عالم اعیان میں معین اور عین و عالم تحقق میں موجود ہے۔ پس دائرہ وجود کے سارے اعیان عالم اعیان میں انسان کامل کے مظہر عینی ہیں، نیز سارے موجودات عالم ظہور میں اس کے جمال و جلال کے مظاہر ہیں۔(۴۲)

انسان کا عین ثابت اعیان ثابتہ کا پہلا ظہور

عالم وجود کے اندر جو پہلی درخواست ہوئی وہ اسماء وصفات الٰہیہ کی درخواست تھی۔ یہ درخواست ان کی اپنی مناسب اور مخصوص زبان میں ہوئی تاکہ غیب مطلق سے بارگاہ واحدیت میں متجلی و ظاہر ہوں۔ ذات حق نے ''فیض اقدس وارفع'' اور ''ظل أبسط وأعلیٰ'' کا افاضہ کرتے ہوئے اس کا جواب دیا جس کے نتیجے میں اسماء وصفات ظہور پذیر ہو گئے۔ سب سے پہلے انسان جامع کے مربی اسم جامع کا ظہور عمل میں آیا جو تمام اسماء وصفات الٰہیہ کا زمامدار ہے۔ اس کے بعد اسی اسم جامع کے ذریعے دیگر اسماء احاطہ و شمول کے لحاظ سے اپنی اپنی ترتیب کے مطابق ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد دوسرے گزارش اور درخواست اعیان ثابتہ اور صور اسماء الٰہیہ کی جانب سے ہوئی۔ ان میں جو چیز سب سے پہلے ظہور پذیر ہوئی وہ عین ثابت انسانی اور اسم جامع کی صورت ہے۔ اس کے بعد دیگر اعیان اس کے ذریعے ظاہر ہوئے کیونکہ وہ اپنے ارتقائی ونزولی سفر میں وجود اور کمالات وجود کے لحاظ سے اس عین ثابت انسانی کے تابع اور اس کی فروعات ہیں۔ یہ وہی شجرہ مبارکہ ہے جس کی جڑ مستحکم ہے اور اس

کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

اس کے بعد ممکنات کے اعیان ثابتہ بلکہ بارگاہ علمیہ میں اسماء الٰہیہ کی درخواست عمل میں آئی تا کہ وہ عالم عین وشہود میں ظہور پذیر ہوں۔ پس اللہ نے فیض مقدس اور ظل منبسط کے ذریعے ان کی ترتیب وتنسیق کے مطابق پہلے انسان کامل اور پھر اس انسان کامل کے ذریعے بالترتیب دیگر مراتب کے ظہور کی صورت میں ان کی درخواست کا جواب دیا۔ (۴۳)

ظاهر ومظهر كا رابطه

جب عالم اسماء وصفات کا ظہور عمل میں آیا اور ''کثرت اسمائی'' واقع ہوگئی.. تو اب ہر صفت ایک خاص شکل میں تعین پذیر ہوگئی اور ہر اسم اپنے ذاتی مقام کے مطابق لطف، قہر، جلال و جمال، بساطت وترکیب، اولیت وآخرت اور ظاہریت و باطنیت کے لحاظ سے ایک لازمہ کا متقاضی ہوا۔ سب سے پہلا اسم جس نے یہ تقاضا کیا وہ اسم اعظم ''اللہ'' تھا جو جامع حقائق اسمائی اور عین ثابت محمدیؐ کا مربی ہے۔ یہ نشأۃ علمیہ میں عین ثابت محمدیؐ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس طرح ظاہر ومظہر، روح وبدن اور باطن وظاہر کے درمیان ارتباط کا قائم ہوا۔ پس انسان کامل کا عین ثابت بارگاہ الوہیت میں محبت ذاتی کی بناپر عالم اعیان ثابتہ میں سب سے پہلا ظہور ہے، نیز اللہ کے دیگر پوشیدہ خزانوں کی چابیوں کی چابی ہے۔

تمام اعيان پر انسان كى خلافت

اعیان کے ہاں لوازم اسمائی کا دوسرا ظہور انسان کے عین ثابت کے ذریعے ہوا جس طرح بارگاہ اسمائی میں ان اسماء کے ارباب کا ظہور عین ثابتہ انسانی کے ربّ یعنی اسم اعظم ''اللہ'' کے باعث ہے۔ پس یہ عین بھی اپنے ربّ کی طرح جو دیگر ارباب کا خلیفہ ہے، تمام اعیان کا خلیفہ ہے۔ وہ ان کے مراتب میں دخیل ہے اور ان کے مقامات میں نازل ہوتا ہے۔ پس عین ثابت انسانی اعیان کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے ان کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور ان کی منازل میں نازل ہوتا ہے۔ تمام اعیان کا ظہور ان کے محیط یا محاط ہونے اور اول یا آخر ہونے کے لحاظ سے اس عین ثابت انسانی کا تابع ہے جیسا کہ ارباب شہود ومعارف جان چکے ہیں، نیز کتابیں اور تحریریں ان اعیان واسماء کو شمار کرنے سے عاجز ہیں۔ (۴۴)

تمام اعیان میں ان کی صلاحیتوں کے مطابق ظہور

جان لو کہ عالم اعیان میں انسان کامل کے عین ثابت اور دیگر اعیان کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح عالم واحدیت میں اسم اعظم ''اللہ'' اور دیگر اسماء کے درمیان نسبت ہے۔ البتہ اس کے دونوں پہلوؤں سے جن میں سے ایک اس کا غیبی پہلو ہے جسے ''فیض اقدس'' کہا جاتا ہے اور دوسرا ظہوری پہلو ہے جسے اسم اعظم ''اللہ'' مقام ''الوہیت'' بارگاہ ''واحدیت'' اور ''جمع'' کہا جاتا ہے۔ پس جس طرح اسم اعظم غیبی نقطہ نظر سے کسی آئینے میں ظاہر نہیں ہوتا اور کسی قسم کے تعین کو قبول نہیں کرتا، نیز دوسرے زاویئے سے تمام مراتب اسمائی میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کے نور کا پرتو آئینہ اسماء میں منعکس ہوتا ہے اور دیگر اسماء کا ظہور اس کے ظہور کا مرہون منت اور تابع ہوتا ہے اسی طرح انسان کامل کا عین ثابت اپنے جامع اور اجمالی زاویئے سے جو عالم جمع سے منسوب ہے، صور اعیان میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ اس زاوئے سے غیب ہے لیکن دوسرے زاوئے سے وہ اعیان میں سے ہر عین کی قابلیت، مقام، شفافیت اور گدلے پن کے تناسب سے اس کے آئینے میں جلوہ گر ہوتا ہے۔(۴۵)

انسان کی معیّت قیّومیہ

انسان کامل کا عین ثابت مقام جامعیت میں ظہور، نیز مقام علمی میں صور اسمائی کے اظہار کے لحاظ سے اللہ کا سب سے بڑا خلیفہ ہے۔ اگر انسان کا عین ثابت نہ ہوتا تو اعیان ثابتہ میں سے کسی کا ظہور نہ ہوتا اور اگر انسان کے عین ثابت کا ظہور نہ ہوتا تو کوئی عین خارجی ظہور پذیر نہ ہوتا اور اللہ کی رحمت کے دروازے نہ کھلتے۔ پس انسان کے عین ثابت کی بدولت اول و آخر باہم مربوط اور پیوست ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اعیان کے ساتھ اس کی معیت، ''معیّت قیومیہ'' ہے۔(۴۶)

انسان کامل کے عین ثابت اور دیگر اعیان کے تعین کی کیفیت

﴿رب العالمین﴾ اگر عالمین سے مراد ''صور اسماء'' جو اعیان ثابتہ سے عبارت ہیں، ہوں تو ربوبیت ذاتی ہوگی اور اس کا تعلق مقام الوہیت ذاتیہ جو اسم اعظم ''اللہ'' ہے سے ہوگا کیونکہ اعیان ثابتہ نے ذاتی تجلی کے ذریعے مقام واحدیت میں اسم جامع جو فیض اقدس کی تجلی سے تعین حاصل کرتا ہے کے طفیل علمی تحقق و وجود حاصل کیا۔ اس مقدس مقام میں ''ربوبیت'' سے مراد مقام الوہیت میں تجلی ہے۔ اس تجلی کے ذریعے

تمام اسماء عینیت حاصل کرتے ہیں، نیز انسان کامل پہلے اور دیگر اعیان اس کے زیر سایہ تعین حاصل کرتے ہیں۔(۴۷)

اسماء واعیان حقیقت محمدیہ ؑ کے عین ثابت کی تجلی

حقیقت عینی کے لحاظ سے اسم اعظم وہی انسان کامل ہے جو تمام عوالم میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ یہ حقیقت محمدیہ ؑ سے عبارت ہے جو بارگاہ الوہیت میں اپنے عین ثابت کے ذریعے اسم اعظم کے ساتھ متحد ہے۔ دیگر اعیان ثابتہ بلکہ اسماء الٰہیہ اس حقیقت کی تجلی ہیں کیونکہ اعیان ثابتہ اسمائے الٰہی کا ظہور ہیں اور ''عین'' کے ہاں تعین خود متعین ہے لیکن عقل کے نزدیک کچھ اور ہے۔ پس اعیان ثابتہ عین اسماء الٰہیہ ہیں۔ بنابریں حقیقت محمدیہ ؑ کا عین ثابت عین اسم اعظم ہے اور باقی اسماء وصفات واعیان اس کے مظاہر وفروع میں سے ہیں یا ایک لحاظ سے اس کے اجزا ہیں۔

پس حقیقت محمدیہ ؑ وہ حقیقت ہے جو عالم عقل سے لے کر عالم ہیولا تک تمام عوالم میں جلوہ گر ہوئی، نیز یہ عالم اس کا ظہور وتجلی ہے۔ مراتب وجود کا ہر ذرہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ یہی اسم اعظم ہے۔ یہ اپنی حقیقت خارجیہ کے لحاظ سے ظہور مشیت سے عبارت ہے جو تعینات سے ماورا ہے۔ تمام موجودات کی حقیقت اسی کی بدولت ہے اور ہر متعین کا تعین اسی سے ہے (جیسا کہ ارشاد ہے:) ﴿خَلَقَ اللّٰهُ الْأَشْيَاءَ بِالْمَشِيئَةِ وَالْمَشِيئَةَ بِنَفْسِهَا﴾[۱]

اس مبارک وجود کا نام محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ عالم علم الٰہی سے عالم ملک میں نازل ہوا تا کہ مادیت کے زندان میں اسیر لوگوں کو آزاد کرے۔ یہی وجود اس حقیقت کلیہ کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ وجود کے تمام مراحل اس کے اندر اس طرح لپٹے ہوئے ہیں جس طرح بسیط اور اجمالی عقل کے اندر عقل تفصیلی لپٹی ہوئی ہے۔(۴۸)

۱۔ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''اللہ نے پہلے خود مشیت کو خلق فرمایا پھر مشیت کے ذریعے دیگر اشیاء کو''۔

(اصول کافی، ج۱، ص۱۱۰، کتاب التوحید، باب الارادۃ انہا من صفات الفعل۔۔۔ ح۴)۔

وجود کے تمام مراتب پر انسان کامل کا احاطہ

قولہ: ﴿أنتَ أنت...﴾ الیٰ آخرہ ۱

انسان کامل اور ولی مطلق مشیت مطلقہ کے مقام کا حامل ہوتا ہے جس کے ذریعے موجودات، حقائق اور ذوات وجود پذیر ہوتی ہیں۔ پس اس کی حیثیت جڑ کی سی ہے اور دیگر موجودات کی مثال شاخوں کی۔ وہ وجود کے تمام مراتب اور غیب وشہود کی تمام منازل کو محیط ہے۔ پس اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ "میں" کے بجائے "ہم" کہے۔ پس اس "ہم" سے اس کی مراد سب موجودات ہیں خواہ ان کا تعلق "ثابتات ازلیہ" کی ابتدا سے ہو یا اشیائے فانیہ کی سب سے آخری منزل سے۔ پس وہ سب چھلکے کی مانند ہیں اور یہ (انسان کامل) مغز کی طرح، وہ صورت ہیں اور یہ معنی ہے، وہ سب ظاہر ہیں جبکہ یہ باطن بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہی صورت بھی ہے اور معنی بھی، چھلکا بھی ہے اور مغز بھی، ظاہر بھی اور باطن بھی۔ خلاصہ یہ کہ ولی کی روح سب کی روح اس کا نفس سب کا نفس اور اس کا جسم سب کا جسم ہے جیسا کہ مروی ہے: ﴿أَرْواحُكُم في الأَرْواحِ وَنُفُوسُكُم في النُّفُوسِ وَأَجْسامُكُم في الأَجْسام﴾ ۲۔ (۴۹)

بالفاظ دیگر: جو کوئی حق کا راستہ اپنائے، اپنی انانیت سے کلی طور پر خارج ہو، ذات وصفت اور فعل واستعداد کے لحاظ سے پروردگار متعال میں فانی ہو، اپنے وجود کی مملکت کو قیوم ذی الجلال کے حوالے کرے، قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے ہاں حاضر ہو جائے اور صراط مستقیم پر چلتے ہوئے مقام عبودیت تک رسائی حاصل کرے، نیز ﴿لا موجودَ سِوی الله﴾ اور ﴿لا هُوَ الاّ هُو﴾ کی حقیقت تک پہنچ جائے وہ اللہ کی رحمت واسعہ اور فیوضات کاملہ سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ وہ یوں کہ اللہ اسے اپنی قلمرو میں واپس لوٹائے اور فنا کے بعد بقا سے نوازے۔ یوں وہ اپنی تجارت میں کامیاب ہو کر لوٹے گا اور اسے ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا

۱۔ ﴿... فلما سمع الرضا کلامه...﴾ جب امام رضا نے اس کی بات سنی تو فرمایا: "تو کیا کہتا ہے؟ کس کی طرف سے کہتا ہے اور کس سے کہتا ہے؟ جبکہ ﴿... أنت أنت صرنا نحنُ نحنُ...﴾ تو تو ہے اور ہم ہم ہیں"۔ مکمل حدیث "التعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ" نامی کتاب کے صفحہ ۴۵ و ۴۶ میں درج ہے۔

۲۔ "آپ لوگوں کی ارواح دیگر (اشیاء کی) ارواح میں، آپ لوگوں کے نفوس دیگر نفوس میں اور آپ لوگوں کے اجسام دیگر اجسام میں موجود ہیں"۔ (من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۶۷۴، زیارت جامعہ)۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے اچھا معاملہ کرنے والا اور سب سے سخی خریدار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس کی روح جزئی کے بدلے روح کل اور نفس جزئی کے بدلے نفس کل، نیز اس کے جسم جزئی کے بدلے جسم کل سے نوازتا ہے۔ یوں پورا عالم وجود اس کے وجود کی مملکت، اس کی سلطنت کا دار الحکومہ اور اس کی حکومت کا مسند بن جاتا ہے۔

پس جب تو آگاہ ہو چکا ان باتوں سے جو ہم نے تمہارے لئے بیان کیں تو اب جان لو کہ آپ (امام رضاؑ) کا یہ فرمان ﴿بَيْنَا اَنْتَ اَنْتَ صِرْنَا نَحْنُ نَحْنُ﴾ (جب تو، تو تھا تب ہم، ہم ہو چکے تھے) امامؑ کے اس فرمان ﴿وَاَيْش تَقُول ... الخ﴾ کے ساتھ موافق ہے۔ جان لو کہ امامؑ ایک اور طریقے سے سائل کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اس کا سوال بے جا ہے۔ نیز یہ بتانا چاہتے تھے کہ وجود کے تمام مراتب حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر ہیں بلکہ اس سے وابستہ ہستیوں کے سامنے بھی عیاں ہیں، نیز وہ ہر نفس کو قائم رکھنے والا ہے اور غیب وشہود کے تمام سلاسل اس کی قلمرو کے اجزا اور اس کی حکومت کے تابع ہیں۔ اسی لئے امامؑ نے فرمایا: ''جب تو، تو تھا'' یعنی جب تو تعینات کے حجاب اور تقید کے زندان میں محبوس تھا اس وقت ''ہم، ہم ہو گئے'' یعنی ہم تعین کی زنجیر سے آزاد ہو کر ''مقام اطلاق'' تک پہنچ گئے جبکہ مقام اطلاق ہر نفس کے ساتھ قیام اور ہر چیز پر محیط ہونے سے عبارت ہے۔ پس آپؑ کا قول ﴿اَنْـــتَ﴾ (تو) سائل کی ذاتی محدودیت اور تنگی کی طرف اشارہ ہے جبکہ آپ کا فرمان ﴿نَـحْـنُ﴾ (ہم) آپؑ کی وسعت وجودی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر آپؑ کا قول ﴿صِـرْنَـا﴾ (ہم ہو گئے) اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ مقام ایک کسبی مقام ہے جسے سالکین راہ حق، فنائے کامل اور مکمل تسلیم کی بدولت حاصل کرتے ہیں۔ (۵۰)

انسان کامل، وجود کا آغاز وانجام

عالم تکوین کا آغاز وانجام

بہ تحقیق عوالم وجود اور کائنات کی ہر شئے خواہ اس کا تعلق غیب سے ہو یا شہود سے، کی مثال ایک کتاب یا آیات وکلام اور کلمات کی طرح ہے۔ اللہ کی کتاب تکوینی جسے اس نے اپنے دست قدرت کاملہ سے تحریر فرمایا ہے، کا سورۂ فاتحہ جس میں پوری کتاب اپنی خداداد جامعیت کے ساتھ موجود ہے اور جو کثرت سے منزہ اور

آلودگی واختلاط سے پاک ہے، ایک لحاظ سے عبارت ہے عقل مجردہ اور روحانی فرشتوں سے، نیز مشیت کے تعین اول سے اور دوسرے لحاظ سے عبارت ہے خود مشیت سے جو غیب الوجود کی چابی ہے۔ چنانچہ زیارت جامعہ میں مذکورہ ہے ﴿بِكُمْ فَتَحَ اللهُ﴾[۱] اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے ذریعے (غیب کے خزانوں کے دروازے) کھولے کیونکہ ان ہستیوں کا افق مشیت کے افق کے ساتھ ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى﴾[۲]

چونکہ پوری کتاب سورۂ حمد میں اور سورۂ حمد ﴿بسم الله الرحمٰن الرحیم﴾ میں اور وہ باء ﴿بسم الله﴾ میں موجود ہے اس لئے حضرت علی علیہ السلام نے (آپؑ سے منسوب کلام کے مطابق) فرمایا ہے: ﴿وَأَنَا النُّقْطَةُ﴾[۳] نیز روایت ہے کہ ﴿بِالْبَاءِ ظَهَرَ الْوُجُودُ وَبِالنُّقْطَةِ تَمَيَّزَ الْعَابِدُ عَنِ الْمَعْبُودِ﴾[۴]

اس کتاب الٰہی اور تصنیف ربانی کا آخری باب عالم مادہ وطبیعت اور موجودات عالم ہیں۔ یہ اپنے "سیر نزولی" کے لحاظ سے ہے ورنہ اختتام وابتدا ایک ہیں کیونکہ جو آسمان الٰہی سے نازل ہوتا ہے وہ اس دن جو تمہارے حساب کے مطابق ہزار سال کے برابر ہے، اوپر چلا جاتا ہے۔[۵] نبی کریم عظیم المرتبت رسول ہاشمیؐ جو وجود اول ہیں کی خاتمیت سے مراد یہی ہے۔ جیسا کہ مروی ہے: ﴿نَحْنُ السَّابِقُونَ الْآخِرُونَ﴾ "ہم ہی وہ سب سے ابتدائی ہستیاں ہیں جو سب سے آخری بھی ہیں"[۶] (۵۱)

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۳۷۴، باب ما یجزی من القول عند زیارۃ جمیع الائمۃؑ، ح ۲۔

۲۔ پھر وہ نزدیک ہوا اور بہت قریب آیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی نزدیک تر ہوا"۔ (سورۂ نجم، آیت/ ۸ و ۹۔

۳۔ "میں وہ نقطہ ہوں"۔ (مشارق انوار الیقین فی اسرار امیر المومنینؑ ص ۲۱) (عبارت ﴿انا نقطة تحت الباء﴾ کے ساتھ بھی مذکور ہے)۔

۴۔ "باء کے ذریعے وجود کا ظہور عمل میں آیا اور نقطہ کی بدولت عابد ومعبود میں فرق نمایاں ہوگیا"۔ (مشارق انوار الیقین، ص ۳۸ (مختصر اختلاف کے ساتھ)۔

۵۔ سورۂ سجدہ، آیت/ ۵ سے ماخوذ۔

۶۔ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۱۱۸، تاریخ نبینا، باب اسماءہؐ، ح ۴۴۔ نبیؐ سے مروی ہے: "ہم ہی آخرین اور سابقین ہیں"۔ بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۲۴؛ نیز ج ۶۱، ص ۲۳۲؛ نیز صحیح مسلم، ج ۲، ص ۵۸۵ اور صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۔

ایک ہی وقت میں اول وآخر ہونا

خدا ہمیں اور آپ کو اپنے برگزیدہ رسولؐ کی امت اور نیک سیرت شیعوں کی راہ پر چلنے والوں میں سے قرار دے۔ جان لو کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ﴿ما خلق الله خلقاً افضل مني﴾[۱] ''اللہ تعالی نے مجھ سے بہتر کسی مخلوق کو خلق نہیں فرمایا ہے''۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپؐ اپنے تعین خلقی میں سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ عالم تخلیق کے تعین اول ہیں اور تمام تعینات کی بہ نسبت اسم اعظم جو تمام اسماء کے اماموں کا امام ہے، سے قریب تر ہیں ورنہ آنحضرتؐ کا اپنی عظیم المرتبت ولایت کلیہ کے لحاظ سے نیز اپنی عظیم ترین برزخی اور ہیولائی مقام جسے ﴿دنیٰ فتدلّیٰ﴾ اور وجود انبساطی اطلاقی سے تعبیر کیا گیا ہے، نیز گاہے اسے ﴿الوجه الدائم الباقي﴾ کا نام دیا جاتا ہے جس کے اندر سارے وجودات وتعینات مستہلک ہوجاتے ہیں، نیز تمام آثار اور نشانیاں اس کے اندر منحل اور گم ہوجاتی ہیں، کی رو سے کسی بھی چیز کے ساتھ موازنہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضورؐ ہر روشنی اور سائے پر احاطہ قیومیہ رکھتے ہیں۔ پس اس صورت میں آپ کو دوسروں سے بہتر اور افضل قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ آپ اور دوسروں میں موازنہ ہی نہیں، اسی طرح اول وآخر ہونے کا تصور بھی غلط ہے کیونکہ یہ وجود آخر ہونے کے باوجود اول ہے اور اول ہونے کے باوجود آخر بھی ہے۔ وہ جس طرح باطن ہے اسی طرح ظاہر ہے اور جس طرح ظاہر ہے اسی زاویئے سے باطن بھی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿نحنُ السّابِقونَ الأوَّلون﴾[۲] ''ہم ہی سب سے سابق اور سب سے اول ہستیاں ہیں''۔[۲] (۵۲)

انسان کامل عالم وجود کا پہلا ظہور

اسم ''اللہ'' تمام اسماء کو محیط اور سب پر حاکم ہے۔ یہ اسم عالم اسماء اور بارگاہ واحدیت میں کثرت کا پہلا ظہور ہے۔ اسی کے ذریعے دیگر اسماء ظاہر ہوئے بلکہ دیگر اسماء تو اس کے مظاہر اور تجلیات ہیں۔ درحقیقت یہی اسم ہے جو ظہور کے مختلف مراحل میں ظاہر ہے اور بطون کے مختلف مراحل میں باطن و پوشیدہ ہے۔ اس

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ، ج ۱، ص ۲۰۴، باب ۲۶، ح ۲۲۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۱۵، تاریخ نبینا، باب اول، ح ۱۹؛ نیز ج ۲۵، ص ۲۲، باب اول از ابواب ''خلقهم وطينتهم وارواحهم''، ح ۳۸؛ نیز اسرار الشریعۃ واطوار الطریقۃ وانوار الحقیقۃ، ص ۹۴۔

اسم کی ''صورت'' عبارت ہے انسان کامل کے عین ثابت سے۔ یہ صورت عالم علم میں بلحاظ ثبوت نہ کہ بلحاظ وجود، ظاہر ہونے والی پہلی صورت ہے۔ پھر اس کے ذریعے دیگر صورتوں کا ظہور ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دیگر اسماء کی صورتوں کا ظہور اس کے مظاہر اور تجلیات ہیں۔

اسی طرح عالم وجود کی صبح کی پہلی کرن جس نے بحر شہود اور وجود کو چیرا وہ انسان کامل ہے جو اللہ کا خلیفہ، اس کا اسم اعظم، اس کی مشیت نیز اس کا سب سے پہلا اور بلند مرتبہ نور ہے۔ اسی کی بدولت وجود کے دیگر مراتب کا ظہور ہوا خواہ ان کا تعلق عالم غیب سے ہو یا عالم شہود سے نیز منازل نزول وصعود وجود میں آئے بلکہ دیگر تمام موجودات اس کے نور کا ظہور اور اس کی حقیقت کا مظہر ہیں جیسا کہ ہم نے اسماء واعیان کے بارے میں عرض کیا ہے کہ یہ دونوں انسان کامل اور اس کے عین ثابت کے ربّ کا ظہور ہیں۔

پس انسان کامل اور وجود جامع ہی اسم اعظم اور اسم اعظم ''اللہ'' کا سایہ ہے۔ اول و آخر ہونا اور ظاہر و باطن ہونا اس کیلئے سزاوار ہے۔ یہی وہ مشیت ہے جسے اللہ نے براہ راست خلق کیا اور دیگر اشیا کو اس کے ذریعے خلق فرمایا جیسا کہ کافی کی روایت میں آیا ہے۔ (۵۳)

صبح ازل کی پہلی روشنی

سب سے پہلے صبح ازل کو چیرنے، دیگر مخلوقات پر جلوہ نما ہونے اور اسرار کے پردوں کو چاک کرنے والی چیز اللہ کی مشیت مطلق اور ایک غیر متعین ظہور ہے۔ چونکہ یہ امکان اور امکان کے لوازم نیز کثرت اور اس کے توابع سے منزہ ہے اس لئے اسے ''فیض مقدس'' کہا جاتا ہے۔ نیز چونکہ یہ ارواح کی آسمانوں اور اشباح کی زمینوں پر محیط ہے اس لئے اسے ''وجود منبسط'' کا نام دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے ''نفس رحمانی، نفخ ربوبی، مقام رحمانیت ورحیمیت، مقام قیومیت، حضرۃ العمآء، الحجاب الاقرب، الھیولیٰ الاولیٰ، البرزخیۃ الکبریٰ، مقام تدلّی اور مقام أو ادنیٰ'' کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک اس مقام کی حقیقت کچھ اور ہے بلکہ یہ درحقیقت کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسے مقام ''محمدیہ'' اور مقام ''علویہ علی'' بھی کہتے ہیں۔ البتہ ان میں سے ہر ایک نام کسی نہ کسی مناسبت اور مقام کے مطابق بولا جاتا ہے۔ (۵۴)

عالم ملک انسان کامل کے وجود کی تمہید

فلکیات، عنصریات، جوہریات اور عرضیات وغیرہ کو شامل عالم ملک کے نظام کی تربیت انسان کامل کے وجود کی تمہید ہے۔ درحقیقت یہ عالم وجود کا نچوڑ اور اہل عالم کا مقصود اصلی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آخری مخلوق ہے۔ چونکہ "عالم ملک" اپنی ذاتی اور جوہری حرکت کے ذریعے متحرک ہے اور یہ حرکت ذاتی ہونے کے ساتھ استکمالی بھی ہے اس لئے یہ جس نقطے پر منتہی ہو وہی تخلیق کی غایت اور ارتقائی سفر کی انتہا ہے۔

اگر ہم کلی طور پر ایک نظر جسم کل، طبع کل، نبات کل، حیوان کل اور انسان کل پر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انسان سب سے آخری مخلوق ہے جو کائنات کی ذاتی اور جوہری حرکت کے بعد وجود میں آیا ہے اور یہ حرکت اسی پر منتہی ہوئی ہے۔ پس اس پورے عالم وجود میں اللہ کے نظام تربیت کا محور انسان کی تربیت کرنا ہے۔

﴿وَالأنسانُ هُوَ الأوَّلُ وَالآخِرُ﴾ یعنی انسان ہی اول بھی ہے اور آخر بھی، جیسا کہ یہ حقیقت اپنے مقام پر دلائل سے ثابت ہے۔ اگر ہم افعال جزئیہ پر بھی نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ تخلیق انسانی کا مقصد "عالم غیب مطلق" ہے جیسا کہ احادیث قدسی میں مذکور ہے ﴿يابْنَ آدَمَ! خَلَقْتُ الأشْياءَ لِأجْلِكَ وَخَلَقْتُكَ لِأجْلي﴾[۱] اسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ بن عمران (علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) سے یوں خطاب ہوتا ہے: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسي﴾[۲] نیز ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَأنَا اخْتَرْتُكَ﴾[۳]

اللہ کی طرف موجودات کی واپسی کا وسیلہ

پس انسان اللہ کیلئے خلق ہوا ہے اور اس کی مقدس ذات کیلئے بنایا گیا ہے۔ تمام موجودات عالم میں اسے چنا اور منتخب کیا گیا ہے۔ اسکی منزل مقصود، اللہ کے دروازے تک رسائی، اللہ کی ذات میں فنا ہونا اور فنا فی اللہ میں مگن رہنا ہے۔ اسی طرح اس کا معاد اور اس کی جائے بازگشت اللہ کی طرف ﴿إلَى اللهِ﴾ اللہ سے ﴿مِن اللهِ﴾ اللہ میں ﴿في اللهِ﴾ اور اللہ کے ساتھ ﴿بِاللهِ﴾ ہے۔ چنانچہ ارشاد قرآنی ہے: ﴿إنَّ إلَيْنا

۱۔ اے فرزند آدم! میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے اور تجھ کو اپنے لئے خلق کیا ہے۔ (علم الیقین، ج ۱، ص ۳۸۱، المقصد الثالث، باب الخامس فی الاضطرار الی الامام وذکر صفاتہ)۔

۲۔ اور تجھے میں نے اپنے لئے بنایا ہے۔ (سورۂ طہٰ، آیت ۴۱)۔

۳۔ اور میں نے تجھے برگزیدہ کیا۔ (سورۂ طہٰ، آیت ۱۳)۔

دیگر موجودات انسان کے طفیل حق کی طرف رجوع کرتے ہیں بلکہ ان کی جائے رجوع اور جائے بازگشت انسان ہی ہے۔ چنانچہ زیارت جامعہ جس میں مقام ولایت کی ایک جھلک بیان ہوئی ہے، میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ۲ نیز فرمایا گیا ہے: ﴿بِكُمْ فَتَحَ اللّٰهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ﴾ ایک طرف سے قرآن مجید کا یہ فرمانا: ﴿اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ ۳

انسان کامل کی طرف رجوع، اللہ ہی کی طرف رجوع ہے

اور دوسری طرف سے زیارت جامعہ میں یہ فرمانا: ﴿وَاِيَابُ الْخَلْقِ اِلَيْكُمْ وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ حید کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کامل کی طرف رجوع کرنا کی طرف رجوع کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ انسان کامل مکمل طور پر ''فانی فی اللہ'' اور ''باقی ببقاء اللہ'' ہے۔ وہ اپنا الگ تشخص، انیت اور ذاتی امتیاز نہیں رکھتا بلکہ وہ خود اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اور اسم اعظم ہے جیسا کہ قرآن اور احادیث میں اس نکتے کی طرف بہت سے اشارے موجود ہیں۔ (۵۵)

انسان کامل کے ذریعے موجودات کی خلقت اور برگشت

اللہ کی طرف موجودات کی برگشت اللہ کے ولی مطلق کے ذریعے انجام پاتی ہے۔ ولی مطلق اللہ کی ف سے نفس کلی اور مقام عقل کا حامل ہوتا ہے۔ موجودات عالم، انسان کامل کیلئے وسائل و آلات اور اعضا جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس جس طرح بارگاہ غیب سے ان کی خلقت کی ابتدا انسان کامل کے مربی ذریعے اور بارگاہ شہود میں نفس انسان کامل کے ذریعے ہوئی اسی طرح ان کی برگشت اور انتہا بھی اسی یلے پر ہوگی۔ (۵۶)

موجودات خارجیہ کی قیامت کبریٰ کا ذریعہ

اسم اعظم ''اللہ'' اپنے مقام جمعی کے لحاظ سے اسمائے الٰہی کے تمام مراتب کو محیط ہے۔ یہ احاطہ ''احدیۃ لجمع'' اور ''بساطۃ الحقیقۃ'' کے زاویے سے ہے۔ نیز وہ اسماء کی حقیقت کو اپنے ذاتی علم کی رو سے پہچانتا

۳۔ بے تحقیق ان کی برگشت ہماری طرف ہے پھر ان کا حساب ہمارے ذمے ہے۔ (سورۂ غاشیہ/۲۵)

۔ خلائق کی برگشت آپ لوگوں کی طرف ہے اور ان کا حساب آپ لوگوں کے ذمے ہے۔ (زیارت جامعہ، من لایحضرہ ، ج ۲، ص ۳۷۴، باب ما یجزی من القول عند زیارۃ جمیع الائمہ، ح ۲)۔

ہے۔اسی طرح وہ بارگاہ علمی اور وجود عینی میں اسماء کی صورتوں کے ظہور کی کیفیت کو بھی جانتا ہے۔علاوہ ازین وہ مقام غیب احدی جو اسمائے الٰہیہ کی قیامت کبریٰ کی حقیقت ہے، میں ان کے انحلال و استہلاک کی کیفیت سے بھی باخبر ہے کیونکہ جس طرح موجودات خارجیہ کی قیامت کبریٰ اس بات سے عبارت ہے کہ ان کا نور اور ان کی ہویت نور ربانی کی تابانی کے باعث ناپدید ہو جائے اور ہر مظہر اپنے ظاہر کی طرف لوٹ جائے اور اس میں فانی ہو جائے اسی طرح اعیان ثابتہ اور اسمائے الٰہیہ کی قیامت کبریٰ یہ ہے کہ وہ آفتاب احدیت ذاتی کی روشنی میں مقہور ہو جائیں اور ان کی روشنیاں اس کے نور کے سامنے ماند پڑ جائیں۔ یہ عمل اعیان خارجیہ میں انسان کامل کے ذریعے، نیز اعیان ثابتہ میں عین ثابت محمدیؐ کے ذریعے اور اسماء الٰہیہ میں اسم اعظم الٰہی کے ذریعے انجام پاتا ہے۔(۵۷)

موجودات عالم کا معاد انسان کامل کے معاد کے ذریعے

عوالم نازلہ میں ظاہر ہونے والی عقل، ظاہر و مظہر کے اتحاد کی رو سے ثواب وعقاب کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ ہر چیز کا معاد اسی کے ذریعے بلکہ درحقیقت اسی کے معاد کی بدولت واقع ہوتا ہے۔ بنابریں جب تک

موجودات عالم، عقل سے مربوط نہ ہوں یا اس میں فانی نہ ہوں اس وقت تک وہ حق کی طرف نہیں لوٹ سکتے اگرچہ تمام موجودات کا معاد انسان کامل کے ذریعے واقع ہوتا ہے۔ یہ عقل اس کی عقل کی ایک منزل ہے۔(۵۸)

تمام موجودات کے معاد کا ذریعہ

عالم غیب میں ''فیض اقدس'' کے ذریعے اسماء وصفات الٰہیہ اور صور اسماء یعنی اعیان ثابتہ پر اللہ کی سلطنت مطلقہ قائم ہے جبکہ عالم شہود میں فیض مقدس کے ذریعے ماہیت کلیہ اور ہویات جزئیہ پر اس کی سلطنت مطلقہ قائم ہے۔ البتہ اس کی سلطنت تامہ کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب انسان کامل اور ولی مطلق کے ذریعے قیامت کبریٰ میں تمام موجودات اس کی طرف پلٹ جائیں۔(۵۹)

انسان کامل کے بعض وجودی اوصاف

کائنات، انسان کامل کے سامنے تسلیم ہونا

انسان کامل ارادۂ کاملہ کا حامل ہوتا ہے۔ جونہی وہ ارادہ کرتا ہے ایک چیز دوسری چیز میں بدل جاتی ہے۔ کائنات اس کے ارادے کے آگے سر تسلیم خم ہوتا ہے۔(۶۰)

تمام موجودات پر علمی احاطہ

جان لو کہ توحید کی تین اقسام ہیں: "توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی" اور تنزیہہ میں فرشتوں کو وہ

مقام حاصل نہیں جو انسان کامل کو ان اقسام میں حاصل ہے۔ بلکہ ہر فرشتے کو ایک محدود اور خاص مقام حاصل ہے وہ جس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پس اس مرحلے میں فرشتوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ نبی اکرمؐ کو ان صلاحیتوں پر احاطہ حاصل ہے۔ نبی اکرمؐ قضائے الٰہی کے مطابق تمام اشیاء اور تمام عوالم و مراحل کی تکمیل کی ترتیب پر احاطہ رکھتے ہیں۔(۶۱)

علم ربانی سے آگاہی

"بدا" کی پیدائش کا سرچشمہ عالم اعیان ہے جسے ذات پروردگار کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ عین ثابت سے آگاہی جو انسان کامل جیسے بعض اولیاء کو حاصل ہوتی ہے (درحقیقت) علم ربانی میں شمار ہوتی ہے نہ کہ رسولوں اور انبیاء کے علم میں۔ چنانچہ علم غیب کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿من ارتضیٰ من رسول ۱ "اللہ کے پسندیدہ رسول علم غیب جانتے ہیں"۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں: ﴿واللہ محمد ممن ارتضاہ﴾

۱۔ سورۂ جن ۲۶/۔

''اللہ کی قسم محمدؐ اللہ کے برگزیدہ ہیں''۔(۶۲)

برزخ البرازخ کے مقام کا حامل

عالم عماء میں سب سے پہلے جس امر نے تعین حاصل کیا وہ عالم مثال ہے، پھر عالم تہیم، پھر قلم اعلیٰ۔ یہ جمعیت میں اس کے تقدم کی وجہ سے ہے۔(واللہ اعلم)

مذکورہ قول: ''یہ ...واللہ اعلم (اللہ بہتر جانتا ہے) الخ'' کے بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ شاید ''حضرۃ عمائیہ'' سے مراد مقام واحدیت ہو جیسا کہ اس کے احتمالات میں سے ایک یہی ہے۔ بنابریں عالم مثال مقام مشیت اور فیض منبسط عام سے عبارت ہے کیونکہ یہی برزخ البرازخ ہے اور یہی ہے مقام انسان کامل جو دو خصلتوں کا حامل اور دو مقامات کا جامع ہے، غور کریں۔(۶۳)

انسان کامل سے مقام کی نفی کا مطلب

﴿وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُوم﴾[۱] ''ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا کوئی مخصوص مقام نہ ہو''۔

شیخ کی یہ بات انسان کامل کی ''لا مقامی'' یعنی اس کیلئے مقام کی نفی کے اثبات سے منافات نہیں رکھتی کیونکہ وہاں مقام سے مراد ''حد'' ہے۔ پس انسان کامل سے محدودیت کی نفی کی گئی ہے اسے ظلوم وجہول بھی کہا گیا ہے۔ لیکن یہاں مقام سے مراد ''حد'' نہیں بلکہ اس سے مراد ''منزلت ومرتبہ'' ہے اگر چہ اس کا مرتبہ ومقام تمام امکانی محدودیتوں کو پار کرنے اور وجوب وجود میں فانی ہونے سے عبارت ہو۔(۶۴)

عالم غیب میں انسان کامل اور قرآن کی وحدت

اللہ تعالیٰ تمام اسمائی اور صفاتی زاویوں سے اس کتاب شریف کا سرچشمہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب شریف تمام صفات واسماء کی ''احدیت جمع'' کی ''صورت'' ہے، نیز حق تعالیٰ کے مقام مقدس کی جملہ صورتوں اور تجلیوں کا آئینہ ہے۔

بعبارت دیگر یہ نورانی صحیفہ اسم اعظم کا ظہور ہے جیسا کہ انسان کامل بھی اسم اعظم کی تجلی ہے بلکہ عالم غیب میں ان دونوں کی حقیقت ایک ہے لیکن عالم تفرقہ میں ''صورت'' کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔ اس

۱۔ سورۂ صافات/۱۶۴۔

کے باوجود معنی کے لحاظ سے باہم جدا نہیں ہوتے ﴿لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّىٰ يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوضَ﴾[۱] کا ایک مفہوم یہی ہے۔ جس طرح اللہ نے اپنے دست جلال اور دست جمال سے آدم اول اور انسان کامل کا خمیر تیار کیا ہے اسی طرح اس نے اپنے دست جمال اور دست جلال سے کامل کتاب اور جامع قرآن کو نازل فرمایا۔(۶۵)

انسان کامل مقام وسطیت اور برزخیت کبریٰ کا حامل

انسان کامل تمام اسماء وصفات کا مظہر اور حق تعالیٰ کا پروردہ ہے۔ وہ اپنے ربّ کی طرح ایک جامع وجود ہے۔ وہ کسی اسم کا کسی دوسرے اسم کے مقابلے میں زیادہ مظہر نہیں، یعنی وہ تمام اسماء کا یکساں مظہر ہے۔ وہ مقام وسطیت اور برزخیت کبریٰ کا حامل ہے۔ وہ اسم جامع کے صراط مستقیم اور طریق وسط پر گامزن ہے۔ دیگر موجودات میں اسمائے محیطہ وغیر محیطہ کو تصرف حاصل ہے اور وہ اسی اسم اعظم کے مظہر ہیں۔ ان کی ابتدا اور واپسی اسی اسم کی بدولت ہے۔ اس کے مقابلے میں جو اسم ہے وہ پردہ بطون میں ہے اور اس میں متصرف نہیں مگر اسماء کی احدیت جمع کے لحاظ سے جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

انسان کامل کا راستہ اس کے ربّ کا راستہ

پس حق تعالیٰ صراط مستقیم پر "اسم جامع" اور "ربّ الانسان" کے مقام کا حامل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّ رَبِّي عَلىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيم﴾[۲] یہ وسطیت اور جامعیت کا مقام ہے جس میں کسی صفت کو دوسری صفت پر برتری حاصل نہیں اور نہ ایسا ہے کہ کوئی اسم ظاہر ہو لیکن دوسرا ظاہر نہ ہو۔ اس ذات مقدس کا مربوب (پروردہ) بھی اس مقام میں صراط مستقیم پر ہے بغیر اس کے کہ کوئی مقام دوسرے مقام سے اور کوئی شان دوسری شان سے برتر ہو۔ چنانچہ حقیقی ارتقائی معراج یعنی مقام قربت تک رسائی کی آخری منزل "نماز" میں عبودیت وبندگی کے اظہار اور ہر عابد کی ہر عبادت کو ذات مقدس سے منسوب کرنے کے بعد نیز قبض وبسط

۱۔ کتاب خدا اور میری آل ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض کوثر پر میرے ہاں حاضر ہوں گے۔ (حدیث ثقلین سے اقتباس)۔ (اصول کافی، ج۱، ص۲۰۹، کتاب الحجۃ، باب ما فرض اللہ ورسولہ من الکون مع الائمۃ، ح۶؛ نیز ج۲، ص۴۱۴، کتاب الایمان والکفر، باب من ادنیٰ ما یکون بہ العبد مومناً...، ح۱)۔

۲۔ بہ تحقیق میرا ربّ سیدھے راستے پر ہے۔ (سورۂ ہود/۵۶)

کے جملہ مقامات میں مدد و نصرت کو ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہہ کر صرف اسی ذات مقدس سے مختص قرار دینے کے بعد عرض ہوتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ۱ یہ وہی صراط ہے جس پر انسان کامل کا ربّ گامزن ہے۔ البتہ وہ (ربّ) ظاہریت وربوبیت کے زاویے سے جبکہ یہ (انسان کامل) مظہریت اور مربوبیت کے لحاظ سے۔ دیگر موجودات اور اللہ کی طرف رواں دواں اشیاء میں سے کوئی بھی صراط مستقیم پر نہیں ہے بلکہ ان میں یا تو لطف و جمال کی جانب کجی ہوتی یا قہر و جلال کی طرف۔(۶۶)

انسان کامل منعم علیہم کے صراط پر

جاننا چاہئے کہ اعلیٰ علیین میں انسان کی تقویم وتشکیل ''جمع اسمائی'' ہے۔ اسی لئے وہ اسفل سافلین تک لوٹایا گیا ہے اور اس کا راستہ اسفل سافلین سے شروع ہو کر اعلیٰ علیین تک جا پہنچتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نعمت مطلقہ سے نوازا ہے۔ یہ نعمت ''جمع اسمائی'' کے کمال سے عبارت ہے جو اللہ کی بالاترین نعمت ہے۔ دوسرے صراط خواہ وہ ان لوگوں کے راستے ہوں جو سعید (کامیاب) اور ''منعم علیہم'' (جن پر اللہ نے انعام کیا ہے) ہیں یا اشقیا کے راستے (دونوں صورتوں میں) یہ راستے نعمت مطلق سے فیضیابی میں کمی کے تناسب سے افراط یا تفریط کا شکار ہوں گے۔ پس صرف انسان کامل کا راستہ ہی وہ راستہ ہے جو مکمل طور پر ''منعم علیہم'' قرار پانے والوں کا راستہ ہے۔(۶۷)

انسان کامل میں عابد ومعبود کی وحدت

انسان کا وجود خلاصۂ کائنات اور وجود جامع ہے۔ اس وجود انسانی کی قلمرو میں ملکوتی قوتوں اور جنود الٰہیہ کے مظاہر ان کی عبادتوں کی مساجد، نیز ان کے خضوع اور ثنا کی عبادت گاہیں ہیں۔ مظہر کامل میں ظہور حق کے حساب سے انسان کامل میں حق عابد و معبود ہے اور انسان غیبی وقلبی تعین کی انتہا سے لے کر شہود کے تعین کی انتہا تک ذاتی، اسمائی اور افعالی تجلیات کے لحاظ سے ربوبیت کی مسجد ہے اور قوس صعود حق میں معبود اور انسان کامل تمام الٰہی لشکروں کے ساتھ عابد ہے۔(۶۸)

انسان کامل، کعبہ تجلی فعلی

''فیض مقدس اطلاقی'' کے ذریعے تجلی فعلی میں نماز گزار کی جگہ ہی تعین عالم ہے اور حق تعالیٰ اس کا

۱۔ ہمیں راہ راست کی ہدایت فرما۔(سورۂ حمد/۶)

نماز گزار ہے۔ حدیث ہے: ﴿إنَّ رَبَّکَ يُصَلِّي يَقُولُ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلآئِكَةِ وَالرُّوح﴾۱ یہاں انسان کامل اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ کعبہ ہیں۔ حدیث قدسی میں مذکور ہے: ﴿لا يَسَعُنِي أرْضِي وَلا سَمَائِي وَلكِنْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤمِن﴾۲(۶۹)

انسان کامل کا نور فطرت، تمام انوار پر محیط

جب ﴿اِقْرَأ وَارْق﴾ ۳ کی سیڑھی کے ذریعے اللہ کی طرف حرکت کرنے والا اور ﴿الصَّلاةُ مِعْراجُ الْمُؤمِن﴾ ۴ کے معراج کی طرف پرواز کرنے والا بندہ یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ تمام موجودات کی برگشت اللہ کی طرف ہے اور عالم وجود فانی فی الحق ہے، نیز وحدانیت حق اس کے سامنے جلوہ گر ہے تو وہ فطرت توحید کی زبان سے اقرار کرتا ہے: ﴿إيَّاكَ نَعْبُدُ وَإيَّاكَ نَسْتَعِين﴾ ۵ چونکہ انسان کامل کا فطری نور تمام انوار جزئیہ پر محیط ہے اور اس کی عبادت وتوجہ عالم وجود کی توجہ سے عبارت ہے اس لئے وہ جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿سَبَّحْنا فَسَبَّحَتِ الْمَلآئِكَةُ وَقَدَّسْنا فَقَدَّسَتِ الْمَلآئِكَةُ وَلَو لأنا ما سَبَّحَتِ الْمَلآئِكَةُ...﴾۶(۷۰)

ظاہر وباطن اور اول وآخر کے اتحاد کے مقام کا حامل

زمین پر سجدہ اشارہ ہے ظاہر وباطن اور اول وآخر کے جمع سے حاصل ہونے والے ''مقام تحقق'' اور

۱۔ بے شک تمہارا رب صلاۃ انجام دیتا ہے اور فرماتا ہے: پاک ومنزہ ہے فرشتوں کا ربّ۔ (اصول کافی، ج۱، ص۴۴۳، کتاب الحجہ، باب مولد النبیؐ، ح۱۳)

۲۔ احادیث قدسی میں مذکور ہے: ''میں اپنی زمین اور اپنی آسمان میں نہیں سماتا ہوں البتہ میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماجاتا ہوں۔ (عوالی اللئالی، ج۴، ص۷، ح۷؛ نیز المحجۃ البیضاء، ج۵، ص۲۶، کتاب شرح عجائب القلب)

۳۔ پڑھو اور اوپر کی طرف حرکت کرو۔ (اصول کافی، ج۲، ص۶۰۶، کتاب فضل القرآن، باب فضل حامل القرآن، ح۱۰)

۴۔ نماز معراج مومن ہے۔ (اعتقادات مرحوم مجلسیؒ، ص۲۹)

۵۔ اے پروردگار! ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ (سورۂ حمد/۵)

۶۔ ہم نے اللہ کی تسبیح بیان کی تو فرشتوں نے بھی تسبیح بیان کی۔ ہم نے اللہ کی تقدیس کی تو فرشتوں نے بھی تقدیس کی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو فرشتے تسبیح نہ کرتے۔ (یہ ایک طولانی حدیث سے اقتباس ہے۔ دیکھئے عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۰۴، باب ۲۶، ح۲۲۔ پوری حدیث کتاب ہذا کے صفحہ ۱۰۰ سے لے کر ۱۰۵ تک میں مذکور ہے)۔

''حالِ تحقیق'' کی طرف ﴿لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾۱ ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ﴾۲ ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾۳ زمیں پر سجدہ کی وجہ سے کمال انسان کا دائرہ کامل ہوا۔یہ مقام انسان کامل کے کمال کی انتہا ہے۔یہی تمام اسماء واعیان کا حقیقی معراج ہے۔اہل دل کے قلوب پر صلاۃ حقیقی کے اسرار یہیں ظاہر ہوتے ہیں اور ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾۴ کا راز یہیں کھلتا ہے۔(۱۷)

انسان کامل کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے

جان لو کہ چونکہ انسان ایک وجود کامل ہے اور مراتب صعودی ونزولی کے لحاظ سے وہ کئی ایک ظہورات، نشأت اور مقامات کا حامل ہے۔اس لئے وہ ہر نشأت اور مقام کے لحاظ سے اپنے مقام کے ساتھ مناسبت رکھنے والی ایک خاص زبان کا حامل ہے۔پس وہ اپنے اطلاق اور سریان کے لحاظ سے ایک ایسی زبان کا حامل ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مربی اور پروردگار کو پکارتا ہے جس نے اس کی پرورش کی ہے۔اللہ تعالیٰ کو اس زبان سے ایک خاص نسبت حاصل ہے جو اجابت کی متقاضی ہے۔اس نسبت کو اس نشأت اور اس مربوب کے ربّ کے اسم خاص سے یاد کیا جاتا ہے۔پس جو اس مرحلے میں انسان کی فریادرسی کرتا ہے اور اس کی مشکل کشائی کرتا ہے وہ اسم ''رحمٰن'' ہے جو مبسوط اور مطلق ہویت کا ربّ ہے۔

اسی طرح تعین روحی، نشأت تجریدی اور سابقہ عقلانی وجود کے مقام میں وہ ایک اور زبان کا حامل ہے جس سے وہ اپنے ربّ کو پکارتا ہے اور وہ ''العلیم'' کے نام سے اس کا جواب دیتا ہے۔یہ نام نشأت تجریدیہ کا ربّ ہے۔

۱۔﴿إِنَّ فِي ذَالِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ ''اس (گذشتگان کی ہلاکت) میں نصیحت اور تذکر ہے اس کیلئے جو کلام حق کو دل کی کانوں سے سنے، حقائق پر توجہ دے اور اس کی گواہی دے''۔ (سورۂ ق/۳۷)

۲۔وہی ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے۔(سورۂ زخرف/۸۴)

۳۔وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔(سورۂ حدید/۳)

۴۔کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کی گرفت میں نہ ہو۔بے شک میرا ربّ سیدھے راستے پر ہے۔(سورۂ ہود/۵۶)

نیز وہ اپنے دل کے مقام میں ایک اور زبان سے درخواست کرتا ہے اور اسی نشأت کے متناسب نام سے اسے جواب ملتا ہے۔ اسی طرح اس مقام میں جو "جامع نشأت" اور "حافظ حضرات" ہے اس زبان سے استدعا کرتا ہے جو اس سے مناسبت رکھتی ہے "حضرۃ جمعیۃ" سے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے اسم جامع اور تجلی کامل جو اسم اعظم ہے کے ذریعے اجابت فرماتا ہے۔

انسان کامل کی دعا کی قبولیت میں تاخیر نہیں ہوتی

یہ وہی انسان کامل ہے جس کی طرف محقق تونوی نے (اپنی کتاب) مفتاح الغیب والشہود میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے: "پس جب وہ (انسان) کامل ہو جاتا ہے تو دعا اور غیر دعا میں وہ ایک خاص میزان کا حامل ہوتا ہے، نیز وہ بلا شرکت غیری بعض مخصوص امور کا حامل ہوتا ہے"[۱] نصوص میں کہتے ہیں: "حق کی طرف کامل اور منفرد ہستیوں کی توجہ ایک ذاتی تجلی کی وجہ سے ہوتی ہے جو انہیں حاصل ہوتی ہے اور ان کا کمال بھی ان ذاتی تجلیات کے حصول کا مرہون منت ہوتا ہے۔ ان تجلیات کے نتیجے میں ایک مکمل شناخت حاصل ہوتی ہے جو تمام اسماء وصفات اور مراتب واعتبارات کی حیثیات کو محیط ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ حق کا صحیح تصور تجلی ذاتی کے لحاظ سے بھی حاصل ہوتا ہے (جس کی طرف اشارہ ہوا)۔ یہ امر شہود کامل کے ذریعے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ بنابریں ان کی دعا کی قبولیت میں تاخیر نہیں ہوتی"[۲]

ایسے انسان کامل کی زبانی دعا بھی قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ مقامات وجود، عوالم غیب وشہود اور مقام علمی سے آگاہ ہوتا ہے اس لئے صرف اسی چیز کی دعا کرتا ہے جو مقدر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کامل انسانوں کی اکثر دعائیں قبول ہوئی ہیں سوائے ان دعاؤں کے جو مولا کے حکم کی بجا آوری کیلئے ہوں اور ان کا مقصود حاجت روائی نہ ہو جیسا کہ شیخ (ابن) عربی نے فصوص[۳] میں کہا ہے اور اہل بیت طہارتؑ کی احادیث میں ان کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ (۷۲)

۱۔ مفتاح الغیب والشہود، ص ۱۲۳۔

۲۔ النصوص، ص ۱۹۵۔

۳۔ فصوص الحکم، ص ۹۵، فص "حكمة نفثية فى كلمة شيثية"۔

انسان کامل کے روحانی سفر کی آخری منزل

روحانی سفر کی ابتدا نفس کے تاریک خانے سے ہوتی ہے اور اس کی منازل عالم آفاق وانفس کے مراحل ومراتب ہیں۔اس سفر کی آخری منزل انسان کامل کیلئے ابتدائے امر میں حق تعالیٰ کی ذات ہے تمام اسماء وصفات کے ساتھ اور آخر امر میں انتہائے سفر اللہ کی ذات ہے مگر اس طرح سے کہ اسماء وصفات اس میں مضمحل اور منحل ہوں۔انسان کامل کے علاوہ دوسروں کیلئے آخری منزل اسماء وصفات وتعینات اسمی وصفتی وتعینی ہیں۔(۷۳)

فنائے ذاتی تک رسائی کا واحد راستہ

دیگر موجودات کو معلوم ہے کہ ذات مقدس میں فنا اور بحر کمال میں استغراق کی منزل تک رسائی ان کیلئے ممکن نہیں مگر انسان کامل کے ذریعے اور اس کے طفیل جو اللہ اور معارف الٰہیہ کا علم رکھتا ہے، نیز علم وعمل کا مرتع ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہے۔اس لئے وہ انسانی کمال کو جو غفاریت حق کے سمندر میں غرق ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اللہ سے طلب کرتے ہیں تاکہ وہ بھی اس کے ذریعے اپنے لئے سزاوار ومناسب کمالات تک رسائی حاصل کریں۔واللہ اعلم۔(۷۴)

انسان کامل کیلئے حقیقی اخلاص کا حصول

شیطانی تصرفات سے نجات جو اخلاص کی شرط ہے درحقیقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک سالک اپنے سلوک میں ''خداجو'' نہ ہوجائے اور تکبر وخود پرستی کو جو تمام خرابیوں کی جڑ اور تمام بیماریوں کا سرچشمہ ہے، پاؤں کے نیچے کچل نہ دے۔

جو لوگ نہ انسان کامل ہیں اور نہ ہی انسان کامل کے طفیل خالص اولیاء کے دائرے میں شامل ہونے والوں میں سے ہیں ان کیلئے مکمل طور پر اس مقام تک رسائی میسر نہیں۔(۷۵)

انسان کامل کے مصادیق

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغمبر اکرمؐ انسانوں کے سب سے پہلے فرد ہیں اور آپؐ سب سے بڑے انسان کامل ہیں۔(۷۶)

رسول خداؐ وہ انسان کامل ہیں جنہیں اس عالم کا سب سے بلند مقام حاصل ہے۔حق تعالیٰ کی مقدس ذات جو غیب ہونے کے باوجود ظاہر ہے اور تمام کمالات پر اس طرح سے محیط ہے جس کی کوئی انتہا نہیں وہ تمام اسماء وصفات کے ساتھ رسول اکرمؐ میں متجلی ہے، نیز تمام اسماء وصفات کے ساتھ قرآن میں بھی جلوہ گر ہے۔بعثت کا دن وہ دن ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک کامل ہستی کو جس سے کامل تر ہستی نہ موجود ہے اور نہ ہوسکتی ہے، اس بات پر مامور کیا کہ وہ موجودات عالم کو کمال تک پہنچائے۔(۷۷)

حقیقت محمدیہؐ

حقیقت عینیہ کے لحاظ سے اسم اعظم یہی انسان کامل ہے جو دونوں جہانوں میں اللہ کا خلیفہ ہے اور وہ حقیقت محمدیہؐ ہے۔(۷۸)

حضرت علیؑ کی ذات گرامی

چونکہ ''باء'' توحید کا ظہور اور باء کے نیچے نقطہ[۱] اس کا سرّ ہے اسلئے پوری کتاب ظاہری اور باطنی طور پر

۱۔ہم نے کہا: باء کے نیچے کا نقطہ۔اگر کوئی اعتراض کرے کہ خط کوفی میں جو نزول قرآن کے وقت مرسوم تھا نقطہ موجود نہیں تھا تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے حقیقت متاثر نہیں ہوتی۔نقوش کا متاخر ہونا حقائق پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ثانیاً اس دعوے کی صداقت پر بھی کوئی قانع کنندہ دلیل موجود نہیں اور صرف مرسوم ہونا عدم مطلق کی دلیل نہیں، غور کیجئے۔

اس ''باء'' میں موجود ہے اور انسان کامل یعنی علی علیہ السلام کا مبارک وجود وہی نقطہ ہے جو توحید کا راز ہے۔(۷۹)

ائمہ ھدیٰ اور امام زمانؑ

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ ۱ ممکن ہے کہ ''عصر'' سے مراد اس زمانے میں حضرت مہدی (ع) ہوں یا ''انسان کامل'' ہو جس کے بڑے بڑے مصادق رسول اکرمؐ، ائمہ ہدیٰؑ اور ہمارے زمانے میں حضرت مہدی (ع) ہوں۔ زمانے کے تمام موجودات کے خلاصہ اور نچوڑ کی قسم کھائی جارہی ہے۔ تمام عوالم کا نچوڑ ہونا ایک نسخہ ہے تمام عالم کا نسخہ۔ پورے عالم کا نچوڑ یہ ہستی یعنی یہ انسان کامل ہے اور اللہ اس نچوڑ کی قسم کھا رہا ہے۔(۸۰)

پیغمبرؐ، ائمہؑ اور حضرت آدمؑ

اسم جامع اور اس کی صورت کا تعین عبارت ہے انسان کامل اور حقیقت محمدیہؐ کے عین ثابت سے۔

انسان کامل اسم جامع کا مظہر اور اسم اعظم کی تجلی کا آئینہ ہے۔ چنانچہ اس نکتے کی طرف قرآن وسنت میں بہت سے مقامات پر اشارہ ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمآءَ كُلَّهَا﴾ ۲ اصول کافی کی حدیث میں حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿نَحْنُ وَجْهُ اللهِ﴾ یہ وجہ اللہ وہی نور ہے جس کے بارے میں آیہ شریفہ کہتی ہے: ﴿اللهُ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْض﴾ ۳ نیز امام باقر العلوم علیہ السلام کافی شریف کی حدیث میں ابوخالد کابلی سے فرماتے ہیں: ﴿هُمْ (أيْ الأَئِمَّة) وَاللهِ نُورُ اللهِ الَّذِي أنْزَلَ وَهُمْ وَاللهِ فِي السَّمٰوَاتِ وَالأَرْض﴾ ۴ کافی شریف میں جناب امام باقر العلومؑ سے قرآن کی آیت ﴿عَمَّ يَتَسَائَلُونَ عَنِ النَّبَأ الْعَظِيم﴾ ۵ کی تفسیر میں مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿هِيَ فِي أمِيرِ الْمُؤمِنِينَ، كَانَ أمِيرُ

۱۔ عصر کی قسم کہ انسان ہمیشہ خسارے اور نقصان میں ہے۔(سورۂ والعصر/۱و۲)

۲۔ سورۂ بقرہ، آیت/۳۱۔

۳۔ سورۂ نور، آیت/۳۶۔

۴۔ وہ (ائمہؑ) اللہ کی قسم وہی نور الٰہی ہیں جسے اس نے اتارا ہے اور اللہ کی قسم وہی آسمانوں اور زمین میں اللہ کا نور ہیں۔ (اصول کافی، ج۱، ص۱۹۴، کتاب الحجہ، باب ان الائمۃ نور اللہ، ح۱)

۵۔ سورۂ نبأ، آیت/۱ و۲۔

المُؤمِنِينَ علیہ السلام يَقُولُ: مَا لِلّٰهِ تَعالىٰ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنِّي وَلَا لِلّٰهِ مِنْ نَبَاٍ أَعْظَمُ مِنِّي۔[۱]

خلاصہ یہ کہ انسان کامل جس کا ایک مصداق ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں، جو اللہ کی سب سے بڑی نشانی، اللہ کے اسماء وصفات کا سب سے بڑا مظہر اور عظیم ترین آیت ومَثَل ہے۔(۸۱)

۱۔ یہ آیت امیر المومنین علیؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔امیر المومنینؑ فرماتے تھے: ''اللہ کی کوئی نشانی مجھ سے بڑی نہیں اور اللہ کی کوئی خبر مجھ سے بڑی نہیں۔

(اصول کافی، ج۱، ص۲۰۷، کتاب الحجہ، باب ان الآیات التی ذکرہا اللہ فی کتابہ، ح۳)

حصۂ اول

ولایت

پہلی فصل: خلافت کی حقیقت اور ولایت کا مفہوم

دوسری فصل: پیغمبرؐ اور ائمہؑ کی وحدت

طینت اور معنوی مقامات میں وحدت

خلافت محمدیؐ اور ولایت علویؑ کی وحدت

تیسری فصل: ختم ولایت

ولایت کی حقیقت اور اس کا مفہوم

ولایت، رسوم عبودیت کو فنا کرنا

ولایت تامہ عبارت ہے رسوم عبادت کو فانی کرنے سے۔ پس یہ ولایت وہی ربوبیت ہے جو کنہہ عبودیت ہے۔[1] (۸۲)

ولایت تمام امور الٰہی کا مجموعہ

علی علیہ السلام کی ولایت مطلقہ تمام الٰہی حقائق سے عبارت ہے۔ (۸۳)

حقیقت ولایت تجلی الوھیت

خلافت وولایت کی حقیقت ظہور الوہیت ہے اور یہ وجود کا اصل اور کمال ہے۔ ہر چیز جس میں وجود کا شائبہ ہو وہ حقیقت الوہیت اور حقیقت خلافت وولایت کے ظہور میں سہیم ہے۔ عوالم غیب سے لے کر انتہائے شہود تک پوری کائنات میں ہر چیز کی پیشانی پر یہ حقیقت الٰہیہ ثبت ہے۔ وہ خدائی حقیقت وجود ، نفس الرحمٰن اور حق "مخلوق بہ" کی حقیقت ہے و بعینہ خلافت عظیمہ اور ولایت مطلقہ علویہ کا باطن ہے۔ (۸۴)

---

[1] اشارہ ہے امام صادقؑ کی اس حدیث کی طرف ﴿العُبُودِيَّةُ جَوهَرَةٌ كُنْهُهَا الرُّبُوبِيَّةُ فَمَا فَقَدَ مِنَ الْعُبُودِيَّةِ وُجِدَ فِي الرُّبُوبِيَّةِ وَمَا خَفِيَ مِنَ الرُّبُوبِيَّةِ اُصِيبَ فِي الْعُبُودِيَّةِ﴾
"بندگی ایک گوہر ہے جس کا باطن ربوبیت ہے، پس بندگی کی جو مقدار مفقود ہو جائے وہ ربوبیت میں موجود پائی جائے گی اسی طرح جو چیز ربوبیت میں مخفی رہ جائے وہ عبودیت میں پائی جائے گی"۔ مصباح الشریعہ فی حقیقۃ العبودیہ، باب ۱۰۰۔

ولایت، در حقیقت فیض منبسط

اہل معرفت کے نزدیک ولایت کی حقیقت ''فیض منبسط مطلق'' سے عبارت ہے اور یہ فیض حدود وتعینات کے تمام مراتب سے خارج ہے۔ اسے ''وجود مطلق'' بھی کہا جاتا ہے۔ فطرت اسی حقیقت سے مربوط ہے البتہ یہ ربط فرعی اور تبعی ہے جیسا کہ خود یہی حقیقت ایک ظلی وتبعی حقیقت ہے جسے ''ظل اللہ'' کہا جاتا ہے۔ اسے مشیت مطلقہ، حقیقت محمدیہ اور حقیقت علویہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ فطرت کمال مطلق میں فانی ہونے کی متقاضی اور خواہشمند ہوتی ہے اس لئے اس حقیقت کا حصول جو ولایت کی حقیقت ہے کمال مطلق میں فنا کا حصول ہے۔ بنابریں ولایت کی حقیقت بھی ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (قرآنی آیت) ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾[1] کی تفسیر (احادیث میں) کبھی تو معرفت کی فطرت سے ہوئی ہے کبھی فطرت توحید سے کبھی فطرت ولایت سے اور کبھی فطرت اسلام سے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَمُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَعَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤمِنِينَ وَلِيُّ اللهِ﴾ ''فطرت اللہ سے مراد ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَمُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَعَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤمِنِينَ وَلِيُّ اللهِ﴾ ہے'' اور یہاں تک توحید ہے۔[2]

یہ حدیث شریف ہمارے قول کی تائید کرتی ہے کہ ولایت توحید کا ایک شعبہ ہے کیونکہ حقیقت ولایت ''فیض مطلق'' ہے اور فیض مطلق وحدت مطلقہ کا سایہ ہے، نیز فطرت ذاتی طور پر حقیقی واصلی کمال کی طرف اور تبعی طور پر ''کمال ظلی'' کی طرف راغب ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ توحید کی معرفت اور ولایت کی معرفت ایک فطری امر ہے۔ (۸۵)

ولایت اسم اعظم کا پہلا تعین

اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے یعنی ﴿نقطة تحت الباء﴾ کا مسئلہ ہے۔ لیکن کیا یہ حدیث درست ہے یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ شاید اس بات کے قرائن موجود ہوں کہ یہ حدیث درست نہیں لیکن بہر حال حضرت امیر علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے کہ ﴿أنا نُقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ﴾ اگر یہ حدیث درست ہو تو

۱۔ اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ (سورۂ روم، آیت ۳۰)

۲۔ تفسیر برہان، ج ۳، ص ۲۶۲، ح ۱۹۔

اس کی تعبیر یہ ہے کہ باء سے مراد ''ظہور مطلق'' ہے اور ''تعین اول'' مقام ولایت سے عبارت ہے۔ ممکن ہے امیر المومنین ؑ کا مقصود یہ ہو کہ ولایت کے حقیقی معنی کے لحاظ سے ولایت کا مقام اس تعین اول کی کلی ولایت ہے۔ اسم، تجلی مطلق سے عبارت ہے اور تعین اول، ولایت احمدی وعلوی ہے۔ لیکن اگر یہ روایت درست نہ ہو تب بھی حقیقت یہی ہے کہ تجلی مطلق کا تعین اول وجود کے اعلیٰ ترین مرتبے سے عبارت ہے جو ولایت مطلقہ کا مرتبہ ہے۔(۸۶)

ولایت سببیّت کا راز

پورا عالم وجود اور تجلیات غیب وشہود... اس سورہ کی اس آیت تک[۱] میں مذکور ہیں اور یہی مفہوم مجموعی طور پر بسم اللہ جو اسم اعظم ہے میں موجود ہے، نیز باء جو سببیت کا مقام ہے، میں موجود ہے۔ اسی طرح نقطہ جو سببیت کا راز ہے میں بھی موجود ہے۔ علی علیہ السلام ولایت اور سببیت کا راز ہیں۔ پس وہی باء کا نقطہ ہیں۔ یعنی باء کا نقطہ سرّ ولایت کا ترجمان ہے۔ البتہ یہاں تامّل کریں۔ تامّل کی وجہ وہ اعتراض ہے جو اس حدیث پر کیا گیا ہے۔ واللہ العالم۔(۸۷)

ولایت کی حقیقت اور ولایت وخلافت میں وحدت

یہ خلافت[۲] جس کے مقام ومنزلت کے بارے میں آپ نے کچھ معروضات سنیں وہی حقیقت ولایت ہے کیونکہ ولایت عبارت ہے قرب، محبوبیت، تصرف، ربوبیت یا نیابت سے۔ یہ سب اس حقیقت کنہہ ہے اور دیگر مراتب اس کا ظل اور سایہ ہیں۔ یہ خلافت، ولایت علویہ ؑ کا ربّ ہے جو امر وخلق کے مرحلے میں خلافت محمدیہ ؐ کی حقیقت کے ساتھ ایک ہے۔(۸۸)

ولایت کی روحانی کیفیت

مقام غیبی کے لحاظ سے خلافت وولایت کی حقیقت جو کسی حد میں محدود نہیں ہوتی، کسی صفت سے موصوف نہیں ہوتی اور کسی آئینے میں ظاہر نہیں ہوتی، یہ ہے کہ یہ دونوں کسی روحانی ہیئت اور شکل کی حامل نہیں

۱۔ یعنی آیہ ﴿مالك يوم الدين﴾ تک۔

۲۔ ''خلافت'' سے مراد ''مرتبۂ جامعیت'' میں ظہور اور نشأہ علمیہ میں ''اسمائی صورتوں'' کا اظہار ہے۔ اس بات کی طرف مصباح الہدایہ نامی کتاب کے صفحہ ۳۵ میں اشارہ ہوا ہے۔

ہیں۔ لیکن اسماء وصفات کی شکلوں میں اور ان کے ظہور اور "تعینات" کے آئینوں میں ان دونوں کے نور کے انعکاس کے لحاظ سے یہ دونوں ایسے کرات کی مانند ہیں جن میں سے بعض، بعض پر محیط ہیں۔

روحانی کرات اور ظاہری کرات کے احاطہ کا فرق

البتہ خدائی اور روحانی کرات ظاہری کرات کے برعکس ہیں کیونکہ ظاہری کرات میں ان کا محیط ان کے مرکز کو احاطہ کرتا ہے لیکن الٰہی اور روحانی کرات میں ان کے مرکز کا ان کے محیط پر احاطہ ہوتا ہے بلکہ ان میں ایک لحاظ سے محیط عین مرکز ہوتا ہے۔ کرات الٰہی اور کرات روحانیہ کا یہ فرق ہے کہ کرات الٰہی اندر سے پر ہوتے ہیں جبکہ روحانی کرات امکانی خلاء کی وجہ سے اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ کرات الٰہی اندر سے خالی ہونے کے باوجود احاطہ شدہ کرات الٰہیہ اور نچلے کرات روحانی پر ان الٰہی کرات کا احاطہ کامل ہوتا ہے۔

تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ ان کرات کا احاطہ ظاہری کرات کے احاطہ کی طرح ہے یعنی ان میں سے کچھ دوسرے کے اندر واقع ہوتے ہیں اور بعض کی سطح دوسرے کی سطح سے ملتی ہے کیونکہ یہ توہم غلط اور یہ گمان باطل ہے۔ پس اس زندان سے نکل جاؤ اور حس وتوہم کے دائرے سے خارج ہو کر عالم روحانیت کی طرف پرواز کرو، نیز اپنے نفس کو اس قبرستان سے اٹھاؤ جس کے باسی تباہ شدہ اور جس کے ساکن ظالم ہیں۔

تو را ز کنگرہ عرش می زنند صفیر ندانمت کہ در این دامگہ چہ افتاد ست۔[۱](۸۹)

ولایت، خلافت کا باطن

ہمارے سابقہ بیانات وتوضیحات کی روشنی میں آپ مولی الموحدین، پیشوائے عارفین حضرت علی علیہ السلام کے کلام کو سمجھ سکتے ہیں جس میں آپؑ نے فرمایا ہے: "میں انبیاء کے ساتھ باطنی طور پر اور رسول اللہؐ کے ساتھ ظاہری طور پر رہا ہوں"[۲] کیونکہ آپؑ ولایت مطلقہ کلیہ کے حامل تھے اور ولایت، خلافت کا باطن ہے اور ولایت مطلقہ کلیہ ایسی خلافت کا باطن ہے۔ بنابریں حضرت علی علیہ السلام ولایت کلیہ کی بنا پر تمام نفوس اور ان کے اعمال کے ساتھ رہے ہیں۔ آپؑ تمام موجودات کے ہمراہ قیومی، ظلی اور الٰہی معیت کی صورت میں

۱۔ دیوان حافظ شیرازی"، غزل نمبر ۹۴۔

۲۔ چنانچہ کلمات مکنونہ، ص ۱۶۷ میں پیامبر اکرمؐ سے یوں مذکور ہے: ﴿وَبَعَثَ عَلِيّاً مَعَ كُلِّ نَبِيٍّ سِرّاً وَمَعِي جَهْراً﴾ یعنی اللہ نے علیؑ کو ہر نبی کے ساتھ پوشیدہ طریقے سے بھیجا ہے جبکہ میرے ساتھ اعلانیہ۔

موجود ہیں جو ہر حق اور الٰہی معیت قیومیہ ہے۔ البتہ چونکہ انبیاء میں ولایت زیادہ ہوتی ہے اس لئے حدیث میں بطور خاص ان کا نام لیا گیا ہے۔(۹۰)

تمام ذرات عالم پر ولایت کے احاطے کا راز

موصوف (قدس سرّہ) کے قول: ﴿بل بصنعه تصوّرت...﴾ ''بلکہ اس کی تخلیق کی وجہ سے صورت پذیر ہوئی...'' کی وضاحت:

معصومین علیہم السلام ''اطلاق مشیت''[۱] اور باقی مخلوقات ''تعینات مشیت'' کے مقام کے حامل ہیں۔ ''مقید'' مخلوقات مشیت مطلقہ کی تنزلی شکل اور ان کے مظاہر ہیں جیسا کہ معصومین ؑ سے منقول ہے: ''خداوند نے عرش، کرسی، بہشت، جہنم، سورج اور چاند کو ہمارے نور سے خلق فرمایا''[۲] نیز زیارت جامعہ میں مذکور ہے: ''اللہ نے خلقت کا آغاز آپ لوگوں سے کیا اور آپ لوگوں پر ہی ختم فرمائے گا''۔

۱۔ امام صادق ؑ سے مروی ہے: ''...اور آپ نے یہ تلاوت بھی فرمائی:

﴿وَلَو أنَّ ما في الأرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أقلامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ ما نَفِدَتْ كَلِماتُ اللّهِ إنّ اللّهَ عَزيزٌ حَكيمٌ﴾ (لقمان/۲۷)

يا جابِرُ! إثْباتُ التَّوحِيدِ وَمَعْرِفَةُ الْمَعاني ... وَأمّا الْمَعاني فَنَحْنُ مَعانيهِ وَمَظاهِرُهُ فِيكُم اِخْتَرَعَنا مِن نُورِ ذاتِهِ وَفَوَّضَ إلَينا أمُورَ عِبادِهِ فَنَحْنُ نَفْعَلُ بِإذْنِهِ ما نَشاءُ وَنَحْنُ إذا شِئْنا شاءَ اللّهُ وَإذا أرَدْنا أرادَ اللّهُ...الخ﴾۔

''زمین کے سارے درخت قلم ہو جائیں اور سات سمندروں کا پانی سیاہی کے طور پر مدد کریں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، بہ تحقیق اللہ عزیز و حکیم ہے''۔

اے جابر! جو میں نے پڑھا وہ اثبات توحید اور اس کے معانی کی شناخت سے مربوط ہے۔ رہے معانی تو جان لو کہ ہم توحید کے معانی اور تمہارے درمیان اللہ کے مظاہر ہیں اس نے ہمیں اپنی ذات کے نور سے خلق فرمایا اور اپنے بندوں کے امور ہمارے سپرد کئے۔ پس ہم اس کے اذن سے جو چاہیں کرتے ہیں۔ جب ہم کوئی چیز چاہتے ہیں تو اللہ بھی چاہتا ہے اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو اللہ بھی ارادہ فرماتا ہے...

(بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۱۴، کتاب الامامہ، باب ۱۴، ح ۲)۔

۲۔ تفسیر برہان، ج ۱، ص ۳۹۲، ح ۵ (سورۂ نساء کی ۶۹ ویں آیت کے بارے میں)؛ نیز بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۴۳؛ نیز تاریخ امیر المومنین ؑ، باب ۹۱، ح ۸۱۔

معصومینؑ کی قیومیت کی وجہ

بنابریں جس نے بھی جام وجود کونوش کیا ہو وہ ولایت مطلقہ کے مقام میں داخل ہے خواہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہو یا شہود سے، نیز خواہ وہ شقی ہو یا سعید۔ چنانچہ رسول اکرمؐ سے منقول ہے: ''آدمؑ وغیرہ میرے پرچم تلے ہیں''۱ جو کوئی بھی سیر وسلوک کے ذریعے ولایت مطلقہ میں داخل ہو وہ سعادتمندوں میں شامل ہے کیونکہ ولایت ایک مضبوط قلعہ اور عذاب سے نجات دینے والی طاقت ہے اگرچہ ہر سالک کی برگشت خواہ ناخواہ ولایت مطلقہ کی طرف ہوتی ہے خواہ وہ سالک شقی ہو یا سعید، نیز وہ برحق ہو یا باطل، پھر ولایت مطلقہ کے ذریعے اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اب اگر وہ مومن اور خوشبخت ہو تو اس کی برگشت ''رحمٰن ورحیم'' کی طرف اور اگر وہ ظالم و بدبخت ہو تو اس کی برگشت ''منتقم ومضل'' کی طرف ہوگی۔ یوں سب اللہ کے جامع نام کی طرف رواں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ''جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح تم واپس اسی کی طرف لوٹو گے''۲ نیز ''بے شک ہم سب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں''۳

پس مقام مطلقہ الٰہی اسم اعظم ''اللہ'' کا مظہر ہے نیز وجود کا سرچشمہ اس کی ابتدا اور اس کی انتہا ہے۔ وجود کے مختلف مراتب ومراحل کے اندر ولایت مطلقہ کی حیثیت ایک متحرک نقطے کی طرح ہے جو نقطۂ آغاز بھی ہے اور نقطۂ برگشت بھی۔ معصومؑ کا فرمان ﴿نَحنُ صَنائِعُ اللهِ وَالْخَلْقُ صَنائِعٌ لَنا﴾ ''ہمیں اللہ نے بنایا ہے اور دیگر مخلوقات کو ہم نے''۴ حرف ''لام'' کی وجہ سے غایت پر بھی دلالت کرتا ہے لیکن یہاں غایت اور فاعل ایک ہیں۔ خاص کر وہ فاعل جو مادہ اور مادیات کی آلودگی سے منزہ ہو جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت ہے، نیز حکمت متعالیہ۵ کے پیروکاروں کے ہاں ثابت شدہ امر ہے۔

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج۱، ص۲۱۴؛ نیز عوالی اللئالی، ج۴، ص۱۲۱ و۱۹۸؛ نیز مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۲۸۱، اور کشف الخفاء، ج۱، ص۱۶، ح۱۱۔

۲۔ سورۂ اعراف، آیت/۲۹۔ ۳۔ سورۂ بقرہ، آیت/۱۵۶۔

۴۔ بحار الانوار، ج۵۳، ص۱۷۸؛ نیز تاریخ الامام الثانی عشر، باب ماخرج من توقیعاتہ، توقیع۹۔

۵۔ اسفار اربعہ، ج۲، ص۲۷۰، سفر اول، مرحلہ پنجم، فصل۲۳ فی الفرق بین الخیر والجود۔

پس جب یہ ہستیاں علیہم السلام مشیت مطلقہ کی حامل ہیں اور باقی لوگ اس مشیت مطلقہ کے "تعینات" ہیں تو نتیجتاً انہیں لوگوں پر برتری اور سرپرستی حاصل ہے۔(۹۱)

توحید کے اقرار کے ساتھ ولایت کے اقرار کا تعلق

﴿... وفاء بالعهد الازلي﴾ "...اور عہد ازلی کو پورا کرنا ہے" جو عہد مقام علمی میں اعیان ثابتہ کے حساب سے عمل میں آیا تھا اور اس کے بعد مقام مشیت مطلقہ کلیہ میں، پھر عالم عقل کے تعین اولی پھر تعین ثانوی میں یہاں تک کہ تعینات ملکوتیہ جو ملکوت علیا و سفلی کو شامل ہے یعنی نفوس کلیۂ الٰہی اور عالم مثال مطلق یعنی عالم ذر میں یہ عہد ہوا تھا۔ یہ عہد یعنی توحید حقیقی اور ولایت کبرائے مطلقہ جو توحید کا لازمہ ہے کا اقرار صرف اولیا و عرفاء سے مختص نہیں تھا بلکہ اس عہد میں سعید و شقی سب شریک تھے کیونکہ ان عوالم میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا۔ حجاب تو اس عالم دنیا میں آنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ پس جب کوئی شخص فنائے کامل کی منزل پر پہنچ کر اپنے سابقہ عہد کو پورا کرتا ہے تو وہ بقاء باللہ کی نعمت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ بصورت دیگر وہ خسارے کا شکار ہو کر ظلمت کے تہہ بہ تہہ حجابوں میں پھنس کر رہ جائے گا۔ "عصر کی قسم، بے شک انسان خسارے میں ہے"[۱] یعنی مادی عالم کے حجابات والے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ولایت مطلقہ کلیہ اور توحید حقیقی پر ایمان لے آئیں۔(۹۲)

ولایت یعنی تکمیل دین اور اتمام نعمت

کسی چیز کے کمال سے مراد وہ امر ہے جس کی بدولت وہ چیز کامل ہوتی ہے اور اس کے نواقص برطرف ہوتے ہیں۔ پس صورت کمال "ہیولا" ہے اور فصل کمال جنس ہے۔ اسی لئے "نفس" مادی اور "آلی" جسم کے پہلے کمال کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔[۲] کیونکہ نفس ایک لحاظ سے ہیولا کے کمال اور دوسرے لحاظ سے جنس کے کمال سے عبارت ہے۔ نیز اسی بنا پر ولایت علویؑ (اللہ ہمیں اس پر ہمیشہ ثابت قدم رکھے) کمال دین اور اتمام نعمت ہے جیسا کہ اللہ نے سورۂ مائدہ، آیت/۳ میں فرمایا: "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے

۱۔ سورۂ والعصر، آیت/۱۔۳۔

۲۔ ملاحظہ ہو: شرح الاشارات والتنبیہات، ج۲، ص۲۹۰، النمط الثالث، فی النفس الارضیۃ والسماویۃ؛ نیز دیکھئے: الاسفار الاربعۃ، ج۸، ص۳ تا۱۸، السفر الرابع، الباب الاول، الفصل الاول، فی تحدید النفس۔

دین کو کامل کیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا ہے"۔

حضرت ابو جعفر (امام باقرؑ) نے اصول کافی کی ایک لمبی حدیث میں فرمایا ہے: "پھر ولایت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن صحرائے عرفات میں وقوع پذیر ہوا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام" دین کا کمال حضرت علیؑ کی ولایت کے باعث تھا"۔[۱]

پس تمام عبادات بلکہ عقائد و ملکات ہیولا کی طرح ہیں اور ولایت اس کی "صورت" ہے یا وہ ظاہر ہیں اور ولایت ان کا باطن ہے اسی لئے جو کوئی امامؑ کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت، کفر، نفاق اور ضلالت کی موت مرتا ہے جیسا کہ کافی میں مروی ہے۔[۲] اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہ اور ہیولا "صورت" اور "فعلیت" کے بغیر موجود نہیں ہوتے بلکہ اصولی طور پر عالم آخرت میں ان کا وجود نہیں ہوتا کیونکہ آخرت زندہ ہے[۳] اور فصل کی کٹائی کا دن ہے[۴] جبکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جس میں فصل بوئی جاتی ہے۔[۵] (۹۳)

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۲۹۰، کتاب الحجۃ، باب ما نص اللہ عز و جل و رسولہ علی الائمۃ علیہم السلام واحداً فواحداً، ح ۶۔

۲۔ عن الحارث بن المغيرة قال: قلت لابي عبدالله ؑ: ﴿قال رسول الله ﷺ: من مات ولا يعرف امامه مات ميتة الجاهلية؟ قال: نعم. قلت: جاهلية جهلاء او جاهلية من لا يعرف امامه؟ قال: جاهلية كفر ونفاق وضلال﴾ "حارث بن مغیرہ کہتا ہے: میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "جو کوئی اپنے زمانے کے امام کو پہچانے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے"؟ امامؑ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: کیا اس کی جاہلیت نادانوں والی جاہلیت ہے یا اپنے امام کو نہ پہچاننے والوں کی جاہلیت؟ فرمایا: اس کی جاہلیت کفر و نفاق اور گمراہی والی جاہلیت ہے"۔ (اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷۷، کتاب الحجۃ، باب من مات ولیس لہ امام من ائمۃ الہدیٰ، حدیث ۳،۱،۲)۔

۳۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴ سے ماخوذ۔

۴۔ ﴿قد علم أرباب القلوب أنّ الدنيا مزرعة الآخرة... والقلب المستغرق بالدنيا كالارض السبخة التي لا ينمو فيها البذر ويوم القيامة الحصاد...﴾ "صاحبان دل جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دنیا پرست دل کی مثال شورہ زار زمین کی سی ہے جس میں بیج نہیں اگتے، نیز یہ کہ آخرت فصل کی کٹائی کا دن ہے"

(بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۳۵۳، باب ۵۹، ح ۱)۔

۵۔ علم الیقین، ج ۱، ص ۳۴۷؛ نیز بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۲۷، باب ۱۲۲، ح ۱۶؛ نیز ص ۱۴۸، باب ۱۲۴، ح ۱۔

ولایت اور ولایت میں فرق

کچھ لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ولایت دیگر واجبات کی طرح ایک واجب ہے جو ان واجبات کا ہم مرتبہ ہے یا ان سے کچھ اہم ہے۔ اس گمان کی وجہ یہ حدیث ہے: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر استوار کی گئی ہے جن میں سے ایک ولایت ہے''[۱] ہمارے استاد عارف کامل، جناب شاہ آبادی (دام ظلہ) ارشاد فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں مذکور لفظ ولایت کو زبر کے ساتھ وَلایت پڑھنا چاہئے جس سے مراد ہے محبت۔ جبکہ وہ ولایت جو دین کا ایک رکن بلکہ اس کی جڑ اور اس کا مایۂ کمال ہے وہ وِلایت ہے جو کسرہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے''۔ غور وفکر سے کام لو۔ (منہ عفی عنہ)۔ (۹۴)

ولایت، روح قرآن

صورت و معنیٰ، ظاہر و باطن، نیز چھلکے اور مغز کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں یعنی کتاب خدا اور اپنی آل ؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے حضور حاضر ہوں گے''۔ پس ولایت کتاب کی روح اور اس کا باطن ہے جبکہ کتاب ولایت کا ظہور ہے۔ واضح ہے کہ ظہور اس وقت تک ظاہر نہیں ہوگا جب تک اس کا کوئی باطن نہ ہو۔ (۹۵)

ولایت کی خلعت

جان لو کہ جو بندہ عبودیت کے قدموں سے اللہ کی طرف رواں دواں ہوتا ہے وہ جب عالم رنگ و بو سے اللہ کی طرف ہجرت کی خاطر خارج ہوتا ہے اور محبت کے پوشیدہ اور ازلی جذبات اس کو مجذوب بنا لیتے ہیں، نیز وہ اپنے نفس کی محدودیتوں کو اسمائے اللہ کے درخت سے بھڑ کنے والی آگ کے انگاروں سے جلا ڈالتا ہے تو پھر حق اپنی نوری یا ناری یا جامع برزخی تجلی جو فعلی ہوتی ہے کے ذریعے اس پر متجلی ہوتا ہے البتہ مقام

۱۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے: ﴿بني الاسلام علىٰ خمس: على الصلاة والزكاة والصوم والحج والولاية ولم يناد بشيء كما نودي بالولاية﴾ ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر استوار کی گئی ہے: نماز، زکات، روزہ، حج اور ولایت پر۔ ان میں سے ولایت کی طرف جس طرح دعوت دی گئی ہے اس قسم کی دعوت کسی چیز کی طرف نہیں دی گئی''۔
اصول کافی، ج ۲، ص ۱۸ تا ۲۱، کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام، ح ۱، ۳، ۵، ۷، ۸۔

فیض اقدس میں اس کے مقام و مرتبے کے حساب سے۔ پس اس تجلی کے دوران وہ مشاہدے کی آنکھوں سے عرش شہود کی انتہائی حدود سے لے کر غیب الوجود کی دور ترین حدود تک کا مشاہدہ حق کی تجلیات فعلی کے پردوں کے پیچھے سے کرتا ہے۔ پس تجلی ظہوری کے لحاظ سے پورا عالم اس کی نگاہوں میں فانی ہوتا ہے۔ پس جب وہ اپنے مقام پر متمکن اور مستقر ہوتا ہے اور اس کی رنگ آمیزی جاتی رہتی ہے تو ہر وہ چیز جو پہلے اس کیلئے شہودی تھی اب تحقق پذیر ہوجاتی ہے۔ اس لئے اللہ اس کا کان، آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔[1] یہ مقام قرب نوافل والا مقام ہے۔ پس بندہ خلعت ولایت سے سرافراز اور مخلوق کی صورت میں حق بن جاتا ہے۔

اولیاء کے مرتبوں میں اختلاف کا راز

یوں باطن ربوبیت جو ہی کنہ عبودیت ہے اس کے اندر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ ولایت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اس مقام اور دیگر مقامات میں اولیا کے مراتب کا اختلاف ان اسماء کے اختلاف کی وجہ سے ہے جن پر وہ متجلی ہوتا ہے۔ بنابریں ولی مطلق وہ ہے جو بارگاہ ذات سے مقام جمعی کے مطابق اور اسم اعظم جو تمام اسماء و اعیان کا ربّ ہے سے ظہور پائے پس ولایت احمدیؐ جو احدیت و جمعیت کی صفت کی حامل ہے اسم احدی جمعی کی مظہر ہے اور دیگر اولیا اس کی ولایت کے مظہر اور تجلی گاہ ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ ولی مطلق

پس جس طرح ازل و ابد میں کوئی تجلی سوائے اسم اعظم کے جو محیط مطلق اور ازلی و ابدی اسم ہے، کی

---

[1] اشارہ اس روایت کی طرف: ﴿وانه ليتقرب اليّ بالنافلة حتى أحبّه فاذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ولسانه الذي ينطق به ويده التي يبطش بها۔ ان دعاني أجبته وان سألني أعطيته...﴾ ''اور بے شک وہ (میرا بندہ) نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے چاہنے لگوں۔ پھر جب میں اسے چاہتا ہوں تو میں اس کا کان بنتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بنتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بنتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اگر وہ مجھے پکارے تو میں اس کی سنتا ہوں اور اگر مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں...''

اصول کافی، ج ۲، ص ۳۵۲، کتاب الایمان والکفر، باب من اذی المسلمین واحتقرہم، حدیث ۷، ۸۔

جانب سے ہونے والی تجلی کے موجود نہ تھی اسی طرح کوئی نبوت، ولایت اور امامت بھی موجود نہ تھی سوائے اس کی نبوت، ولایت اور امامت کے۔ نیز دیگر اسماء، اسم اعظم ہی کے جلوے اور اس کے جلال و جمال کی تجلیات ہیں۔ اسی طرح دیگر اعیان، چشمہ احمدیؐ کے قطرات اور آپؐ کے نور جمال و جلال اور لطف و قہر کی تجلیاں ہیں۔ پس خداوند متعال ﴿ھو﴾ مطلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولی مطلق ہیں۔(۹۶)

باب اسماء و صفات (باب ولایت) کا کھلنا

بعد اس کے کہ اسماء و صفات کی تجلیات کے ذریعے عالم قلب کے آثار فانی ہو جائیں اور یہ تجلیات دل کی صفات اور کمالات کو فانی کر دیں "فتح مبین" کا مرحلہ آتا ہے اور اسماء و صفات کا دروازہ اس کے سامنے کھل جاتا ہے، نیز نفس اور قلب کے سابقہ آثار مٹ جاتے اور فانی ہوتے ہیں اور اسماء کی غفاریت وستاریت کے طفیل مغفور قرار پاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اِنّا فَتَحنا لَکَ فَتحاً مُبیناً لِیَغفِرَ لَکَ اللہُ ما تَقَدَّمَ مِن ذَنبِکَ وَما تَاَخَّرَ﴾[۱] اسی فتح کی طرف اشارہ ہے یعنی ہم نے عالم اسماء وصفات کو واضح طور پر تیرے لئے کھول دیا تاکہ اسماء الٰہیہ کی غفاریت کے سائے میں سابقہ نفسانی ذنوب اور دل کے آئندہ گناہ بخشے جائیں اور یہی ولایت کے دروازے کا کھلنا ہے۔(۹۷)

ولایت، امانت الٰہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنّا عَرَضنَا الأمانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالأرض...﴾[۲] اہل عرفان کے ہاں امانت "ولایت مطلقہ" سے عبارت ہے۔ انسان کے علاوہ اس امانت کا اہل اور کوئی مخلوق نہیں ہو سکتی۔ یہ ولایت مطلقہ وہی "فیض مقدس" ہے جس کی طرف قرآن شریف میں ان الفاظ میں اشارہ ہوا ہے: ﴿کُلُّ شَيءٍ هالِکٌ اِلّا وَجهَه﴾[۳]

اصول کافی شریف کی ایک حدیث میں حضرت امام باقر العلوم علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿نَحنُ وَجهُ اللہِ﴾ "ہم ہی وجہ اللہ ہے"۔ دعائے ندبہ میں مذکور ہے: ﴿أینَ وَجهُ اللہِ الَّذي یَتَوَجَّهُ اِلَیهِ الأولِیاءُ؟ أینَ

۱۔ ہم نے آپ کیلئے واضح کامیابی عطا کی ہے تاکہ اللہ آپ کی سابقہ و لاحقہ خطاؤں کو بخش دے۔ (سورۂ فتح ۱/۲)

۲۔ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین کے سامنے رکھا...(سورۂ احزاب ۷۲)

۳۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے وجہ اللہ کے۔ (سورۂ قصص ۸۸)

السَّبَبُ الْمُتَّصِلُ بَيْنَ أَهْلِ الأَرْضِ وَالسَّمآءِ؟﴾ ''کہاں ہے اللہ کا وہ چہرہ جس کی طرف اولیاء رخ کرتے ہیں؟ اہل زمین اور اہل آسمان کے مابین اتصال کا ذریعہ کہاں ہے؟''۔(۹۸)

امانت باطنی لحاظ سے ''حقیقت ولایت'' اور ظاہری لحاظ سے شریعت یا دین اسلام یا قرآن یا نماز سے عبارت ہے۔(۹۹)

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلىٰ أَهْلِهَا﴾ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگ امانتوں کو ان کے (حقدار) اہل تک پہنچادو''۔[۱] اللہ تعالیٰ امانتوں کو ان کے حقداروں تک لوٹانے کا حکم دیتا ہے۔ بعض حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ ''امانت'' سے مراد ہر قسم کی ''امانت خلق''، یعنی لوگوں کا مال ہے یا ''امانت خالق'' یعنی احکام شرعیہ ہیں، نیز امانتوں کو ان کے حقداروں کے پاس لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ احکام اسلام پر اسی طرح سے عمل کیا جائے جس طرح وہ ہیں۔[۲] کچھ اور حضرات کا یہ خیال ہے کہ امانت سے مراد ''امامت'' ہے۔[۳] حدیث میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت سے مراد ہم (ائمہ) ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء یعنی رسول اکرمؐ اور ائمہؑ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ولایت و امامت ان کے حقداروں کے حوالے کریں۔[۴] یعنی رسول اکرمؐ ولایت کو امیر المومنینؑ کے حوالے کریں اور امیر المومنینؑ اپنے جانشین کے حوالے کریں اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے۔(۱۰۰)

۱۔ سورۂ نساء/۵۸۔

۲۔ مجمع البیان، سورۂ نساء/آیت ۵۸ کی تشریح۔

۳۔ سابقہ مآخذ؛ نیز تفسیر برہان اور تفسیر الدر المنثور، مذکورہ آیت کے ذیل میں۔

۴۔ اصول کافی، ج۱، ص ۲۷۶ و ۲۷۷، کتاب الحجہ، باب ان الامامؑ یعرف الامام الذي یکون من بعدہ، حدیث ۱، ۲، ۳، ۴؛ نیز تفسیر مجمع البیان، تفسیر البرہان اور تفسیر نور الثقلین، مذکورہ آیت کے ذیل میں۔

یہاں بطور نمونہ اصول کافی کی حدیث ۳ کی طرف اشارہ ہوتا ہے: ابوالحسن الرضاؑ سے اللہ کے کلام ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلىٰ أَهْلِهَا﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿هُمُ الأَئمةُ، يُؤَدِّي الامامُ الى الامامِ مِن بَعدِهِ وَلا يَخُصُّ بِها غَيرَهُ وَلا يَزوِيها عنه﴾ ''ان سے مراد ائمہؑ ہیں۔ ہر امام اسے اپنے بعد والے امام کے حوالے کرتا ہے اسے کسی اور سے مخصوص نہیں کرتا اور اسے اس سے محروم نہیں کرتا''۔

پیغمبرﷺ اور ائمہ علیہم السلام کی وحدت

طینت اور معنوی مقامات میں وحدت

سب سے پہلی مخلوق اور سب سے پہلا ظہور

ان حضرات علیہم السلام کی ابتدائی خلقت اور ان کی ارواح کی طینت کے بارے میں، نیز اس بارے میں کہ سب سے پہلی مخلوق رسول اللہ اور حضرت علی (صلّی اللّٰہ علیہما و آلہما) کی ارواح یا حضرات معصومین علیہم السلام کی ارواح ہیں[1] جو احادیث مروی ہیں وہ ان کی روحانیت کے تعین کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو تعین عقلی کے لحاظ سے وہی مشیت مطلقہ اور رحمت واسعہ سے عبارت ہے کیونکہ سب سے پہلا ظہور ان معصومین ؑ کی ارواح سے عبارت ہے۔ ''خلق'' کا لفظ اس مقام کے مناسب ہے کیونکہ عالم مشیت کو ''خلق'' کہنا کسی صورت درست نہیں بلکہ وہ ''امر'' ہے جس کی طرف اللہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾[2] ''خبردار! خلق اور امر دونوں اسی کیلئے ہیں'' اگر چہ اسے کبھی ''خلق'' بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ائمہ ؑ سے مروی ہے: ''اللہ نے اشیاء کو مشیت کے ذریعے اور مشیت کو بذات خود خلق فرمایا۔

انوار کی خلقت، امام صادق ؑ کی حدیث میں

یہاں ہم بطور تبرک ایک حدیث نقل کر رہے ہیں جو ہمارے مقصود پر کاملاً دلالت کرتی ہے اور جس پر

۱۔ بصائر الدرجات، ص ۳۹، جزء اول، باب ۱۰؛ نیز کمال الدین، ص ۲۵۴، باب ۲۳، ح ۴؛ نیز معانی الاخبار، ص ۱۰۸، باب معنی الامانۃ التی....

۲۔ سورۂ اعراف/۵۴۔

ہم نے اللہ کے کرم سے برہان ذوقی قائم کی ہے۔کافی شریف میں احمد بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن علی ابن ابی طالبؑ حضرت امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ اس وقت بھی تھا جب ''تھا'' بھی نہ تھا۔ پس اس نے کون ومکان کو خلق فرمایا اور انوار کو نیز نورالانوار کو خلق فرمایا جس سے دیگر انوار روشن ہوئے۔ اللہ نے اس نورالانوار میں اپنے نور کو داخل کیا جس سے دیگر انوار منور ہوئے۔ یہ وہی نور ہے جس سے اللہ نے محمدؐ اور علیؑ کو خلق کیا۔ پس ان دونوں کو سب سے اولین نور کی حیثیت حاصل رہی کیونکہ ان دونوں سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں ہوئی۔ پس یہ دونوں نور طاہر ومطہر رہتے ہوئے پاکیزہ اصلاب میں مسلسل منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ پاک ترین صلب میں یعنی عبداللہ اور ابوطالب کے صلب میں جدا ہو گئے...
(صدق ولی اللہؑ)[۱]

یہاں نور خدا کہ جس سے دیگر انوار منور ہوئے ہیں، سے مراد ''فیض منبسط'' ہے۔ یہ نظریہ دو زاویوں سے عبارت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے:

پہلا زاویہ، ''خلق'' کو نورالانوار سے نسبت دینا ہے جس کے بارے میں ہم نے بارہا کہا ہے کہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے نہ کہ عالم خلق سے اگرچہ کبھی اسے عالم خلق سے بھی نسبت دی جاتی ہے جیسا کہ سابق الذکر حدیث میں ہوا ہے۔

دوسرا زاویہ، یہ کہ نور کو ذات خداوندی سے نسبت دی گئی ہے اسے خدا کا نور قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس جملے میں ارشاد ہوتا ہے: ''اور اس میں اپنے نور کو جاری کیا'' کیونکہ یہ اشارہ ہے ظاہر ومظہر کے اتحاد کی جانب، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر انوار کے نور کو بھی بعض پہلوؤں سے ذات الٰہی کی طرف نسبت دی جائے اور انہیں اللہ کا نور کہا جائے لیکن نورالانوار کی ذات خداوندی کی طرف اضافت مناسب تر ہے۔

نور الانوار کا مفہوم

یاد رہے کہ ''جاری کرنے'' سے اس کا عرفی معنی مراد نہ لیا جائے جس طرح حسی نور کسی نورانی چیز میں جاری ہوتا ہے بلکہ یہاں ''جاری کرنے'' سے مراد ''ظہور'' اور ''احاطہ قیومیہ'' ہے جیسا کہ نور سے مراد بھی حسی نور نہیں ہے۔

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبیؐ، حدیث ۹۔

پیغمبرؐ اور علیؑ کے نور کی حقیقت

اس جملے: ''یہ وہی نور ہے جس سے اللہ نے محمدؐ و علیؑ کو خلق فرمایا'' سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے مقدس نور کو نور الانوار سے خلق کیا اور نور الانوار عبارت ہے اس وجود منبسط سے جس کو آپ قبل ازیں جان چکے ہیں یعنی حقیقت محمدیہؐ و حقیقت علویہؑ البتہ وحدت اور عدم تعین کے نقطہ نظر سے۔ یہ نکتہ ہمارے بیان کی رو سے صریح ہے پس اس میں غور کرو تا کہ اسرار کا دروازہ تیرے لئے کھل جائے۔

نیز اس قول: ''پس ان دونوں کو سب سے پہلے نور کی حیثیت حاصل رہی کیونکہ ان دونوں سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں تھی'' سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کا نور جس کا سرچشمہ نور الٰہی ہے وہی عقل مجرد ہے جو ''عالم کون'' پر مقدم ہے۔

حقیقت محمدیؐ اور حقیقت علویؑ کا ظہور

اور یہ قول: ﴿فَلَمْ یَزالا...﴾ تا آخر، ایک اشارہ ہے عالم ادنیٰ میں اس نور کے ظہور سے۔ یہ عالم جبروت کے صلب سے عالم ملکوت علیا کے بطن میں پھر عالم ملکوت علیا کے صلب سے عالم ملکوت سفلیٰ کے بطن میں پھر عالم ملکوت سفلیٰ کے صلب سے عالم ملک کے بطن میں منتقل ہوا۔ اس کے بعد یہ نور تمام عوالم کے خلاصے اور ان کے نسخۂ جامع یعنی ''انسان'' جو ابوالبشر ہے میں ظاہر ہوا اور اس سے منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ یہ نور واحد عبداللہ اور ابوطالب علیہما السلام کے پاکیزہ ترین صلبوں میں تقسیم ہوگیا اور اس کے دو حصے ہو گئے۔ (۱۰۱)

محمدؐ اور علیؑ فیض مقدس کے جلوے

چونکہ ذات قیوم جس کا برہان پر شکوہ اور جس کی سلطنت پر عظمت ہے اپنی مقدس ذات کے اندر پوشیدہ حبّ کی بنا پر اس بات کا خواہاں تھا کہ پوشیدہ خزانوں کو عالم غیب سے نکال کر عالم شہود میں ظاہر کرے اور عالم جمع سے نکال کر عالم تفصیل میں لے آئے تا کہ خلقت کے آئینے میں اس کی ذات کا جلوہ نظر آئے نیز ''ظاہر مبدع'' کا شہود ''مظاہر مبدعیہ'' میں ہو اس لئے ''فیض مقدس اطلاقی'' اور ''اسم اعظم'' کے ذریعے تجلی فرمایا جس کا ایک نام ''مشیت مطلقہ'' دوسرا نام ''ولایت کلیہ'' تیسرا نام ''رحمت واسعہ'' چوتھا نام ''حقیقت محمدیہؐ'' پانچواں نام ''علویت علیؑ'' اور چھٹا نام ''نفس الرحمٰن'' اور ''مقام حضرت علمیہ'' ہے۔ علاوہ ازیں مختلف عوالم

اور مقامات کی مناسبت سے اسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ بقولے: ''ہماری تعبیریں مختلف ہیں جبکہ تیرا حسن ایک ہی ہے اور یہ ساری تعبیریں اسی ایک جمال بے مثال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔(۱۰۲)

پیغمبر ؐ اور اولیا کا نوری اتحاد

اولیا اللہ معنوی انوار اور حقائق الٰہیہ کے لحاظ سے اس ذات مقدس (نبوی ؐ) کی روحانیت کے ساتھ شریک ہیں اور تبعیت تامہ کی وجہ سے آنحضرت ؐ میں فانی ہوئے ہیں۔(۱۰۳)

رسول ؐ اور ائمہ ؑ کی افضلیت پر ایک جامع حدیث

صدوق الطائفہ ؒ[۱] نے عیون اخبار الرضا ؑ میں اپنی سند کے ساتھ ہمارے سید و مولا علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی ہے جسے آپ ؑ نے اپنے آباء سے اور انہوں نے علی ابن ابی طالب ؑ سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث ہماری سابقہ عرائض کی جانب آپ کی مکمل اور صحیح راہنمائی کرے گی۔ حدیث یہ ہے:

حضرت علی ؑ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا:

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ أَفْضَلَ مِنِّي وَلَا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنِّي...﴾

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے افضل اور مجھ سے بہتر کسی کو خلق نہیں فرمایا۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! تو کیا آپ افضل ہیں یا جبرئیل ؑ؟ فرمایا: اے علی! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بھیجے ہوئے انبیاء کو اپنے مقرب فرشتوں پر فضیلت دی ہے اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے۔ اے علیؑ! میرے بعد تم اور تمہارے بعد والے ائمہ ؑ افضل ہیں۔ فرشتے تو ہمارے اور ہمارے دوستداروں کے خادم ہیں۔ اے علیؑ! عرش کو اٹھانے والے فرشتے اور عرش کے اردگرد موجود فرشتے اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

اے علیؑ! اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نہ آدم ؑ کو خلق کرتا نہ حوا کو، نہ جنت کو نہ جہنم کو نہ آسمان کو اور نہ زمین کو۔ پس ہم فرشتوں سے بہتر کیوں نہ ہوں جبکہ ہم نے ان سے پہلے اپنے ربّ کو پہچانا، نیز ان سے پہلے اللہ کی

۱۔ اس سے مراد محمد بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ ہیں جن کی کنیت ابوجعفر ہے۔ وہ ابن بابویہ اور صدوق کے ناموں سے معروف ہیں (۳۸۱ھ)۔ ان کی تالیفات میں: الخصال، التوحید، عیون اخبار الرضا، الامالی، معانی الاخبار، علل الشرائع، الہدایہ اور المقنع وغیرہ شامل ہیں۔

تسبیح وتہلیل اور تقدیس کی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سب سے پہلے ہماری ارواح کو خلق کیا پس اپنی توحید وتمجید کو ان ارواح کی زبان پر جاری کیا اس کے بعد فرشتوں کو خلق فرمایا۔ پس انہوں نے ہماری ارواح کو ایک نور کی صورت میں دیکھا تو ہماری منزلت ومقام کی عظمت کے قائل ہوئے۔ پس ہم نے تسبیح بیان کی تاکہ فرشتے یہ جان لیں کہ ہم خلق شدہ موجودات ہیں اور یہ کہ اللہ ہماری مخلوقات کی صفات سے منزہ ہے۔ پس فرشتوں نے بھی ہماری تسبیح دیکھ کر تسبیح بیان کی اور اللہ کو ہماری مخلوقات کی صفات سے منزہ قرار دیا۔ جب فرشتوں نے ہماری عظمت کو دیکھا تو ہم نے اللہ کی تہلیل بیان کی ﴿لا الہ الا اللہ﴾ کہا تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ جان لیں کہ ہم معبود نہیں جن کی عبادت اللہ کے ساتھ یا اس سے الگ کی جائے بلکہ ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ یہ دیکھ کر فرشتوں نے بھی ﴿لا الــــہ الا اللہ﴾ کہا۔ پھر جب فرشتوں نے ہمارے مقام کی بزرگی کا مشاہدہ کیا تو ہم نے اللہ کی بڑائی بیان کی تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو کہ عظمت وبزرگی اس کے علاوہ کسی کیلئے سزاوار نہیں۔ جب فرشتوں نے ہماری خداداد عزت وقوت کا مشاہدہ کیا تو ہم نے ﴿لا حول ولا قوۃ الا باللہ﴾ کہا تاکہ فرشتے یہ جان لیں کہ ہمارے پاس کوئی طاقت اور قوت نہیں سوائے اس کے جو اللہ نے دی ہے۔ جب فرشتوں نے ہمارے اوپر اللہ کی نعمتوں اور ہماری اطاعت کے واجب کئے جانے کو دیکھا تو ہم نے ﴿الحــمــد للہ﴾ کہا تاکہ فرشتوں کو علم ہو کہ اللہ کی نعمتوں کی تعریف کو زبان پر لانا ہمارے اوپر اللہ کا حق ہے۔ پس فرشتوں نے ﴿الحمد للہ﴾ کہا۔ پس ہماری بدولت فرشتے اللہ عزوجل کی توحید، تسبیح تہلیل، تحمید، اور تمجید سے آگاہ ہوئے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدمؑ کو خلق کیا اور ہمیں آدمؑ کے صلب میں منتقل کیا اور ہماری تعظیم وتکریم کی خاطر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ فرشتوں کا سجدہ اللہ جل جلالہ کیلئے بطور عبودیت تھا اور آدمؑ کیلئے بطور تعظیم وطاعت کیونکہ ہم آدمؑ کے صلب میں موجود تھے۔ پس ہم فرشتوں سے افضل کیوں نہ ہوں جبکہ تمام کے تمام فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا تھا؟

جب اللہ تعالیٰ مجھے آسمان پر لے گیا تو جبرئیلؑ نے دو دو بار اذان دی اور دو دو بار اقامت کہی پھر مجھ سے کہا: اے محمد! آگے بڑھیے۔ میں نے کہا: اے جبرئیل! کیا آپ سے آگے بڑھوں! وہ بولے: ہاں! بے

شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اپنے تمام فرشتوں پر فضیلت دی ہے اور آپ کو تو خصوصی فضیلت دی ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: پس میں آگے بڑھا اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور میں اسے فخر وغرور کا باعث نہیں سمجھتا۔

جب میں نور کے پردوں کے پاس پہنچا تو جبرئیل نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ! آگے بڑھیئے اور وہ میرے پیچھے رہ گئے۔ پس میں نے کہا: اے جبرئیل! ایسے مقام پہ مجھ سے جدا ہوتے ہو؟ بولا: اے محمدؐ! یہ وہ آخری حد ہے جس کے اندر اللہ عز وجل نے مجھے رکھا ہے۔ اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو اللہ کے حدود کو پار کرنے کی وجہ سے میرے پر جل جائیں گے۔ پس اس نے مجھے نور کے حوالے کر دیا اور نور کے اندر پھینک دیا۔ یہاں تک کہ میں ملک خداوندی کی اس بلندی تک پہنچ گیا جہاں تک اللہ چاہتا تھا۔ پھر مجھے آواز دی گئی: اے محمدؐ! میں نے کہا: اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں تو برکت وعلو کا مالک ہے۔ پس مجھے ندا دی گئی: اے محمدؐ! تم میرے عبد ہو اور میں تیرا ربّ ہوں پس صرف میری عبادت کرو اور صرف مجھ پر بھروسہ کرو کیونکہ تم میرے بندوں میں میرا نور ہو، میری مخلوق کی طرف میرے رسول ہو اور میری مخلوق پر میری حجت ہو۔ میں نے بہشت کو تیرے اور تیرے پیروکاروں کیلئے خلق کیا ہے، نیز تیرے مخالفوں کیلئے جہنم کو خلق کیا ہے۔ میں نے تیرے اوصیا کیلئے عزت وتکریم کو اور ان اوصیا کے شیعوں کیلئے ثواب کو لازم قرار دیا ہے۔ میں نے عرض کیا: اے میرے ربّ! میرے اوصیا کون ہیں؟ فرمایا: اے محمد! تیرے اوصیاء وہ ہیں جن کے نام ساق عرش پر مکتوب ہیں۔ پس میں نے اپنے ربّ جل جلالہ کی بارگاہ سے ساق عرش کو دیکھا تو مجھے بارہ نور نظر آئے جن میں سے ہر نور میں ایک سبز تحریر تھی جس میں میرے اوصیاء میں سے کسی نہ کسی وصی کا نام لکھا ہوا تھا۔ ان میں سب سے پہلا علی ابن ابی طالبؑ اور آخری میری امت کے مہدیؑ تھے۔ میں نے عرض کیا: اے میرے ربّ! کیا یہی میرے بعد میرے اوصیاء ہیں؟ پس مجھے ندا کی گئی: اے محمدؐ! یہی میرے اولیاء، میرے احباء، میرے برگزیدہ بندے اور تیرے بعد میرے بندوں پر میری حجت ہیں۔ تیرے بعد یہی تیرے اوصیاء تیرے خلفا اور میری مخلوقات میں سب سے بہترین ہستیاں ہیں۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی کہ میں ان کے ذریعے ضرور اپنے دین کو ظاہر کروں گا، انہی کے ذریعے اپنے کلمہ (حق) کو ضرور بلند کروں گا اور ان کے آخری فرد کے ذریعے اپنی زمین کو اپنے دشمنوں سے ضرور پاک کروں گا۔ میں اسے ضرور زمین کے مشارق

ومغارب کا مالک بنادوں گا، اس کیلئے ہواؤں کو یقیناً مسخر کروں گا، سخت بادلوں کو ضرور اس کا تابع بنادوں گا، اسے اسباب کی بلندیوں تک ضرور پہنچاؤں گا، اپنے لشکروں کے ذریعے اس کی یقینی طور پر مدد کروں گا اور اپنے فرشتوں کے ذریعے ضرور اس کی نصرت کروں گا یہاں تک کہ وہ میری دعوت کا اعلان کرے اور میری وحدانیت پر لوگوں کو یکجا کرے۔ پھر میں اس کی حکومت کو ضرور باقی رکھوں گا اور حکمرانی کے ایام کو قیامت تک اپنے اولیا کے درمیان گھماتا رکھوں گا"۔۱ (۱۰۴)

پیغمبر اکرمؐ کی نسبت ائمہؑ کا مرتبہ

حضرت علی علیہ السلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: ﴿والفضل بعدي لک وللأئمة من بعدک﴾ "میرے بعد مرتبہ ومنزلت تیرے اور تیرے بعد والے ائمہؑ کیلئے" اشارہ ہے ہمارے ان الفاظ کی طرف کہ علیؑ اور باقی ائمہؑ کے وجود کو نبی کریمؐ سے وہی نسبت حاصل ہے جو روح کو انسان کے نفس ناطقہ سے حاصل ہے۔ دیگر انبیاء واولیا کا رتبہ نفس ناطقہ سے پست تر قوتوں کے رتبے کی طرح ہے جبکہ دیگر عام لوگوں کا رتبہ ان کے مراتب ودرجات کے مطابق، جزئی اور کم مرتبہ قوتوں کی طرح ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ انسانیت کی قلمرو میں جس قدر فضل وکمال اور شرف ممکن ہے وہ "مرتبہ روحیہ" کیلئے ثابت ہے اور وہاں سے دیگر قوتوں اور مراحل کو یہ فیض حاصل ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام ظاہری وباطنی قوتیں "حقیقت روح" کا ظہور ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ اور انبیاءؑ کے ساتھ علیؑ کی معیت

اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: ﴿کُنْتُ مَعَ الأَنْبِیاءِ سِرّاً وَمَعَ رَسُولِ اللهِ جَهْراً﴾۲ "میں تمام انبیاء کے ساتھ پوشیدہ طور پر اور رسول اللہؐ کے ساتھ بطور آشکار موجود رہا ہوں"۔ دیگر انبیاءؑ کے ساتھ آپؑ کی یہ موجودگی "معیت قیومی" ہے جبکہ رسول اللہؐ کے ساتھ آپؑ کی موجودگی "معیت تقومی" ہے۔ (۱۰۵)

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ، ج۱، ص۲۰۴، باب السادس والعشرون، ح۲۲۔

۲۔ الکلمات المکنونہ، ص۱۶۷۔

خلافت محمدیؐ اور ولایت علویؑ کی وحدت

امامت ونبوّت، ولایت کی تجلّی

یہ دونوں بزرگ ہستیاں عوالم غیب میں ساتھ اور متحد تھیں لیکن اس عالم شہود میں ان میں سے ایک اس غیب مطلق کی مظہر ہے بعثت میں اور دوسرے اس غیب مطلق کی مظہر ہے امامت میں۔ امامت و بعثت دو چیزیں ہیں جو اس عظیم اور مطلق معنویت کے ظہور کا نتیجہ ہیں جسے ولایت کہتے ہیں۔

عالم غیب اور عالم شهود کی معیّت

یہ دونوں بزرگ ہستیاں جس طرح عالم غیب اور غیب الغیب میں ایک ساتھ اور متحد تھیں اسی طرح جب اس عالم شہود میں آئیں تو بھی ان میں اخوت، برادری اور اتحاد کا رشتہ قائم تھا۔ ہم دو عیدوں کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ ہم جن دو ہستیوں کی عید منا رہے ہیں وہ دونوں تمام عوالم میں ایک ساتھ تھیں اور وہ دونوں اس عالم میں بھی ایک دوسرے کے بھائی تھے...

وہ دونوں اپنی زندگی بھر اس عالم میں ہر وقت ساتھ تھے اور ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ ان میں سے ایک ہستی نے دوسری ہستی کی متابعت میں اپنے تمام امور کو اس کے سپرد کر دیا اور تمام امور اس کی متابعت میں انجام دئے۔ وہ تمام امور میں اس ہستی کے ساتھی اور بھائی تھے۔(۱۰۶)

نبوّت، خلافت وولایت کا ظهور

مطلق اور حقیقی نبوت عبارت ہے غیب الغیوب میں موجود امر کو مقام واحدیت میں ظاہر کرنے سے۔ البتہ یہ اظہار مظاہر کی صلاحیت واہلیت ''تعلیم حقیقی'' اور ''اخبار ذاتی'' کے مطابق ہوتا ہے۔ پس نبوت خلافت وولایت کا مرحلہ ظہور ہے اور یہ دونوں (خلافت وولایت) نبوت کا باطن ہیں۔(۱۰۷)

توحید کی شهادت، رسالت وولایت سے وابسته هونا

الاحتجاج کی حدیث میں مذکور ہے کہ قاسم بن معاویہ نے کہا کہ میں نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا: ''اہل سنّت معراج کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب رسولؐ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے عرش پر ﴿لا اله الا الله، محمد رسول الله، ابو بکر الصدیق﴾ دیکھا! فرمایا: سبحان اللہ! لوگوں نے ہر چیز کو بدل ڈالا یہاں تک کہ اس کو بھی! میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: جب اللہ عزوجل نے

عرش کو بنایا تو اس پر یہ لکھا: ﴿لا اله الا الله، محمد رسول الله، علی أمیر المؤمنین﴾ پھر آپ نے پانی، کرسی لوح، اسرافیل کی پیشانی، جبرئیل کے دو پروں، آسمانوں اور زمینوں کے کندھوں، پہاڑوں کی چوٹیوں اور شمس وقمر پر ان کلمات کے لکھے جانے کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی ﴿لا الـــه الا الله، محمد رسول الله﴾ کہے تو ﴿علي أمیر المؤمنین﴾ بھی کہے۔

عرش علا سے لے کر زمینوں کی انتہا تک تمام موجودات پر ان کلمات کو لکھنے کا عرفانی نکتہ یہ ہے کہ حقیقت خلافت وولایت ''الوہیت کا جلوہ'' ہے جو وجود کا اصل اور اس کا کمال ہے اور جو بھی چیز وجود سے بہرہ مند ہو وہ حقیقت الوہیت اور اس کے ظہور سے بھی بہرہ مند ہے جو خلافت وولایت کی حقیقت ہے۔

یہ الٰہی حقیقت پوری کائنات میں عوالم غیب سے لے کر عالم شہود کی انتہا تک ہر چیز کی پیشانی پر ثبت ہے۔ یہ الٰہی حقیقت عبارت ہے ''وجود منبسط'' ''نفس الرحمٰن'' اور ''حق مخلوق بہ'' کی حقیقت سے جو ہو بہو خلافت ختمی مرتبت اور ولایت مطلقہ علویہ کے باطن سے عبارت ہے۔ اسی لئے شیخ عارف شاہ آبادی (دام ظلہ) فرماتے تھے کہ ولایت کی شہادت رسالت کی شہادت میں لپٹی ہوئی ہے کیونکہ ولایت، رسالت کا باطن ہے۔ راقم کہتا ہے کہ الوہیت کی شہادت کے اندر شہادتین باہم لپٹی ہوئی ہیں۔ اسی طرح رسالت کی شہادت میں مذکورہ دونوں شہادتیں پوشیدہ ہیں جس طرح ولایت کی شہادت دوسری دونوں شہادتوں پر محیط ہے۔(۱۰۸)

ائمہؑ میں ولایت کا ظہور اور نبوت کا بطون

حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کی آلؑ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعے خلقت کی ابتدا فرمائی۔ انہی کی شناخت کے ذریعے اللہ کی شناخت ہوتی ہے۔ الٰہی آسمان اور مخلوقات ارضیہ کے درمیان رابطے کا ذریعہ وہی ہیں۔ انہی کے اندر ولایت کا ظہور ہوا ہے اور نبوت ورسالت انہی کے اندر پنہاں ہیں۔ وہ ہدایت تکوینی کی طرف باطن میں اور ہدایت تشریعی کی طرف ظاہر میں رہنمائی کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ کی کامل ترین نشانیاں اور درخشندہ انوار ہیں۔(۱۰۹)

اولیا کی مقام تشریع تک رسائی کی کیفیت

ہمارے استاد عارف کامل جناب شاہ آبادی (مدظلہ) فرماتے ہیں: ''وہ سالک جو معرفت کے ساتھ

اللہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے جب اپنے تیسرے سفر کو ختم کرتا ہے اور عالم وجود کے تمام مراحل کو اپنے جامع وجود کے ساتھ طے کر لیتا ہے تو وہ بندوں کے تمام مصالح کا نظارہ چشم بصیرت سے کرتا ہے۔ اس طرح وہ ان کی ابتدا و انتہا نیز انہیں اللہ سے قریب کرنے والے اسباب کا مشاہدہ کرتا ہے، نیز یہ کہ ہر کوئی اللہ تک رسائی کیلئے اپنا ایک مخصوص راستہ رکھتا ہے۔ اس مقام تک رسائی حاصل کرنے والا سالک تشریع کی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ مقام ہمارے مولا، قلب الموحدین امیر المومنین کو نیز آپ کے بعد آنے والے ائمہ معصومین کو حاصل ہوا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ کو ان ہستیوں پر بلحاظ زمانہ تقدم حاصل ہوا اور آپ اس مقام تشریع کے حامل تھے اس لئے آنحضرت نے شریعت کو ظاہر فرمایا۔ چونکہ حضور کی شریعت مکمل اور جامع تھی اس لئے کسی اور کیلئے تشریع کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ بنابریں حضور کے بعد والے اولیا کیلئے آپ کی متابعت ضروری ہے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ امیر المومنین کو آنحضرت پر بلحاظ زمانہ تقدم حاصل ہوتا تو امیر المومنین ہی شریعت کو ظاہر فرماتے اور امر رسالت و نبوت کے حامل ہوتے اور رسول پر لازم ہوتا کہ امیر المومنین کے بعد میں آنے کی صورت میں ان کی متابعت فرماتے۔ لیکن اللہ کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ شریعت حضرت رسول کے ہاتھوں ظاہر ہو۔ (آیۃ اللہ حسن زادہ آملی، ...)(۱۱۰)

آغاز خلقت سے امامت و نبوت کے نور کا باہم ہونا

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نبوت کا نور اور امامت کا نور تخلیق کی ابتدا ہی سے ایک ساتھ رہا ہے اور آخر تک یونہی رہے گا۔ (۱۱۱)

امامت، ولایت رسول کی کڑی

رمضان کا مہینہ اس لئے مبارک ہے کیونکہ اس ماہ میں آنحضرت پر وحی کا نزول ہوا تھا۔ بعبارت دیگر رسول خدا کی معنویت نزول وحی کا باعث بنی۔ اسی طرح ماہ شعبان کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ شعبان ماہ رمضان کی معنوی خصوصیات کو جاری رکھنے سے عبارت ہے۔ رمضان کا یہ مبارک مہینہ لیلۃ القدر کا مظہر ہے جو تمام حقائق و معانی کو سمیٹے ہوئے ہے۔ شعبان ائمہ کا مہینہ ہے جو مذکورہ خصوصیتوں کو جاری رکھنے کا مہینہ ہے۔ رمضان المبارک میں رسول اکرم نے ولایت کلی الٰہی کے ذریعے تمام برکات کی بنیادوں کو اس عالم میں پھیلایا ہے۔ اسی طرح شعبان کا مہینہ جو اماموں کا مہینہ ہے ولایت مطلقہ کے طفیل رسول اللہ کی

کو جاری رکھتا ہے۔ پس رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس نے تمام پردوں کو چاک کیا ہے اور اس ماہ میں جبرئیل امین ؑ رسول خدا ؐ پر نازل ہوئے ہیں۔ بالفاظ دیگر رسول اکرم ؐ نے جبرئیل ؑ کو دنیا میں نازل کیا ہے۔ اسی طرح شعبان ماہ ولایت ہے جو ان تمام معنوی خصوصیات کو جاری رکھتا ہے۔ ماہ رمضان اس لئے متبرک ہے کیونکہ آنحضرت ؐ پر قرآن نازل ہوا ہے اور شعبان کا مہینہ اس لئے مبارک ہے کہ ائمہ ؑ کی دعائیں اس ماہ میں ظاہر ہوئی ہیں۔

ماہ رمضان المبارک قرآن لے کر آیا ہے جو تمام علوم و معارف اور انسانی احتیاجات پر محیط ہے۔ اسی طرح ماہ شعبان جو اماموں کا مہینہ ہے اسی حقیقت کی کڑی اور تمام ادوار و مراحل میں انہی معنوی خصوصیات کو لیئے ہوئے ہے۔ (۱۱۲)

ختم ولایت

ختم نبوت اور ختم ولایت مطلقہ

... پس یہ محمدؐ کا پاک و پاکیزہ، بے مثال اور جامع الصفات قلب ہے جس پر حق تعالیٰ نے ذات وصفات اور اسماو افعال کی تمام خصوصیات کے ساتھ تجلی فرماتی ہے۔ یہی ختم نبوت اور ختم ولایت مطلقہ کا حامل ہے۔(۱۱۳)

تمام ولایتوں کا نقطہ باز گشت

... وہ دائرۂ کمال کا آخری نقطہ، نیز ولایت مطلقہ اور نبوت مطلقہ کا جامع ہے۔ وہ تمام نبوتوں کا خاتم اور جملہ ولایتوں کا نقطۂ باز گشت ہے۔(۱۱۴)

حضرت بقیۃ اللہ خاتم ولایت

اللہ کا درود وسلام ہو اس کے پیغمبروں پر خصوصاً خاتم الانبیاء، افضل الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نیز اللہ کے عظیم المرتبت ائمہ واولیا خصوصاً خاتم الاولیا، بقیۃ اللہ فی الوریٰ، مہدی منتظرؑ پر جس کے قدموں پر ہماری جانیں قرباں ہوں۔(۱۱۵)

ولایت کلی کا اصلی خاتم اور تبعی خاتم

جس طرح رسول اکرمؐ برحق طور پر تمام موجودات کے حاکم ہیں اسی طرح حضرت مہدیؑ بھی تمام موجودات کے حاکم ہیں۔ وہ خاتم رسل ہیں اور یہ خاتم ولایت۔ وہ ولایت کلی کے اصلی خاتم ہیں اور یہ ولایت کلی کے تبعی وفرعی خاتم ہیں۔(۱۱۶)

ختم ولایت ختم رسالت کا مظہر

... پس خاتم رسل ؐ کی خاتم ولایت سے وہی نسبت ہے جو خاتم کی دیگر انبیاء سے۔ اس نسبت میں کوئی تفاضل نہیں ہے کیونکہ وہ باطن میں اس مرتبے کا حامل ہے اور خاتم ظاہر میں اس مرتبے کا مظہر ہے۔ تفاضل نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ خاتم ولایت کو خاتم رسالت پر کوئی تفاضل حاصل نہیں ہے کیونکہ ختم ولایت عالم ظاہر میں ختم رسالت کا ایک مظہر ہے۔ پس اس نے اپنے مظہر سے لیا ہے اور وہ اسی مظہر میں جمال حق کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح حق انسان کامل کے آئینے میں اپنے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (۱۱۷)

سلسلہ رسالت کا ختم ہونا اور امامت کا جاری رہنا

چونکہ ولایت عمومی حیثیت کی حامل اور تمام انبیاء و اولیا کو شامل ہے اس لئے اس کا سلسلہ قطع نہیں ہوتا یعنی جب تک دنیا باقی رہے ولایت بھی باقی رہے گی۔

﴿وَلِکَونَ الولایَةِ عامّة...﴾ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں راقم عرض کرتا ہے: رسالت کا دارومدار عالم ملک سے مربوط (انسانی) احتیاجات سے ہے یعنی اجتماعی امور و تدابیر، باہمی معاملات اور عبادات وغیرہ سے۔ جبکہ یہ وجودی امور ہیں جو اس عالم کے خاتمے کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ بنابریں رسالت بھی لامحالہ ختم ہو جائے گی اگر چہ رسالت تمام انسانی احتیاجات (کے حل) پر مشتمل جامع شریعت کی حامل ہو جس طرح ہمارے نبی ؐ کی شریعت۔ اس کے برخلاف ولایت کا حصول قرب الٰہی سے ہوتا ہے بلکہ ولایت خود اسی قرب تام سے عبارت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ قرب تام ختم ہونے والی چیز نہیں۔ (۱۱۸)

حصۂ سوم

ولائیت تکوینی

پھلی فصل:

کائنات اور معنوی درجات میں ائمہؑ کا مقام

دوسری فصل:

کائنات پر ائمہؑ کا تسلّط

تیسری فصل:

ائمہؑ کا علمی مقام

چوتھی فصل:

ائمہؑ کا سورۂ قدر اور لیلة القدر ھونا

کائنات اور معنوی درجات میں ائمہ ؑ کا مقام

ائمہ ؑ کا روحانی مقام اور ان کی تسبیح و تحمید

اللہ کی جانب معنوی سفر کے لحاظ سے اہل بیت عصمت وطہارت (علیہم الصلاۃ والسلام) عظیم روحانی مقامات کے حامل ہیں۔ ان مقامات کا علمی ادراک بشری طاقت سے خارج، نیز صاحبان عقول کی عقلوں اور ارباب عرفان کے شہود سے ماورا ہے۔ احادیث شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ روحانی مرتبے میں رسول اکرم ؐ کے ساتھ شریک ہیں، نیز عالمین کی تخلیق سے پہلے ان کے انوار پاک کی تخلیق عمل میں آئی تھی اور وہ ذات مقدس کی تسبیح وتقدیس میں مشغول تھے۔

كافي باسناده عن محمّد بن سنان قال: ﴿كُنْتُ عِنْدَ أبي جعفرٍ الثّاني علیه السلام فَأجْرَيْتُ اخْتِلافَ الشّيعَةِ فَقالَ: يامُحَمَّدُ! إنَّ اللهَ تَبارَكَ وَتَعالىٰ لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّداً بِوَحْدانِيَّتِهِ، ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّداً وَعَلِيّاً وَفاطِمَةَ فَمَكَثُوا ألْفَ دَهْرٍ، ثُمَّ خَلَقَ جَميعَ الأشْياءِ فَأشْهَدَهُمْ خَلْقَها وَأجْرىٰ طاعَتَهُمْ عَلَيْها وَفَوَّضَ اُمُورَها إلَيْهِم، فَهُمْ يُحِلُّونَ ما يَشاؤُونَ وَيُحَرِّمُونَ ما يَشاؤُونَ وَلَنْ يَشاؤُوا إلّا أنْ يَشاءَ اللهُ تَعالىٰ.

ثُمَّ قالَ: يامُحَمَّدُ! هٰذِهِ الدِّيانَةُ الَّتي مَنْ تَقَدَّمَها مَرَقَ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْها مُحِقَ وَمَنْ لَزِمَها لَحِقَ، خُذْها إلَيْكَ يامُحَمَّدُ﴾ [1]

۱۔ کافی میں محمد بن سنان سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام محمد تقی ؑ کے پاس شیعوں کے اختلاف کا ذکر کیا۔ امام ؑ نے فرمایا: ''اے محمد! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی وحدانیت میں ہمیشہ بے مثل ہے۔ اس نے ابتدا میں محمد، علی اور فاطمہ کو خلق کیا۔ وہ ایک ہزار دہر تک اکیلے رہے پھر اللہ نے دیگر تمام اشیاء کو خلق فرمایا اور ان تین ہستیوں کو ان اشیاء پر گواہ ٹھہرایا اور ان ہستیوں کی اطاعت ان اشیاء پر لازم قرار دی، نیز ان اشیاء کے امور کو ان ہستیوں کے حوالے کیا۔ پس وہ جسے چاہیں -->

وَباسناده عن المُفضَّل، قال: قُلتُ لأبي عَبدِاللهِ عليه السلام: ﴿كَيفَ كُنتُم حَيثُ كُنتُم في الأظِلَّةِ؟ فقالَ: يا مُفضَّلُ! كُنّا عِندَ رَبِّنا لَيسَ عِندَهُ احَدٌ غَيرُنا في ظِلَّةٍ خَضراء، نُسَبِّحُهُ وَنُقَدِّسُهُ وَنُهَلِّلُهُ وَنُمَجِّدُهُ، وَما مِن مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلا ذِي رُوحٍ غَيرُنا حَتّىٰ بَدا لَهُ في خَلقِ الأشياءِ فَخَلَقَ ما شآءَ كَيفَ شآءَ مِنَ المَلائِكَةِ وَغَيرِهِم، ثُمَّ أنهىٰ عَلمَ ذٰلِكَ إلَينا﴾[۱]

اسم اعظم اور غیبی علوم کا عطا

ان کے اجسام کی طینت، ان کی ارواح وقلوب کی تخلیق، ان کو عطا شدہ اسم اعظم اور اللہ کے خزانہ غیب سے انہیں حاصل شدہ علوم (خواہ ان کا تعلق علوم انبیاء سے ہو یا علوم ملائکہ سے یا ہمارے وہم وگمان سے خارج امور سے) سے مربوط احادیث، نیز وہ احادیث جو معتبر کتابوں خاص کر اصول کافی کے مختلف ابواب میں، ان ہستیوں کے فضائل کے بارے میں مروی ہیں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان احادیث کے اسرار وحقائق سے صرف ان ذوات مقدسہ کے علاوہ کسی کو آگاہی کا یارا نہیں ہوسکتا۔(۱۱۹)

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہؑ کا بلند نورانی مقام

جان لو کہ انبیائے عظام خاص کر جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز اولیا معصومین علیہم السلام کے روحانی مقام اور ان کی عظمت کی معرفت غور وفکر اور عالم آفاق وانفس کی سیر کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بزرگ ہستیاں اللہ کے غیبی نور، نیز اس کے جلال و جمال کے مظہر کامل اور واضح نشانی ہیں۔ وہ معنوی

<--- حلال قرار دیتے ہیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیتے ہیں البتہ وہ صرف وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے۔
اس کے بعد فرمایا: اے محمدؐ! یہ وہ آئین ہے جس سے آگے بڑھنے والا دین سے خارج ہوتا ہے اور جو اس سے پیچھے رہتا ہے وہ تباہ ہوتا ہے اور جو اس کے ساتھ رہے وہ حق تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اے محمد! جو بات میں نے کہی ہے اسے غنیمت شمار کرو۔ (اصول کافی، ج۱، ص۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبیؐ ووفاتہ، ح۵)۔

۱۔ کافی میں مفضل سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: جب آپ حضرات سایوں میں تھے تو کیسے تھے؟ فرمایا: اے مفضل! ہم اپنے ربّ کے پاس تھے ایک سبز سائے میں۔ اس کے ہاں ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ وہاں ہم اس کے تسبیح، تقدیس، تہلیل اور تمجید میں مصروف رہتے تھے۔ ہمارے علاوہ کوئی مقرب فرشتہ اور ذی روح نہ تھا یہاں تک کہ اس نے اشیاء کو خلق کرنے کی ٹھانی پس اس نے فرشتوں اور دیگر مخلوقات میں سے جسے اور جس طرح چاہا خلق کیا پھر ان کا علم ہم تک پہنچایا۔ (اصول کافی، ج۱، ص۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبیؐ ووفاتہ، ح۷)۔

درجات اور اللہ کی طرف سفر میں فنائے ذات کی آخری حد تک اور ﴿قاب قوسین أو أدنیٰ﴾ کے بالاترین نقطے تک پہنچے ہوئے ہیں اگر چہ اصلی مقام ومرتبہ تو نبی ختمی مرتبت ؐ کا ہے اور دیگر سالکین کا عروج آنحضرت ؐ کے طفیل ہے۔ یہاں ہم آنحضرت ؐ کی ذات مقدس کے سیر کی کیفیت بیان کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی دیگر انبیاء و اولیا علیہم السلام کے معراج اور نبی کریم ؐ کے معراج روحانی کے فرق کو بیان کریں گے، یہاں ہم ایک حدیث کے ذکر پر اکتفا کریں گے جو ان ہستیوں کی نورانی کیفیت کے بارے میں منقول ہے کیونکہ ان کی نورانیت کا ادراک بھی نور باطن اور جذبۂ الٰہی کا متقاضی ہے۔

کافی باسناده عن جابر، عن أبي جعفر علیہ السلام قال: ﴿سَألتُهُ عَنْ عِلْمِ الْعالِمِ. فقالَ لي: يـاجابِرُ! إنَّ في الأنْبِياءِ وَالأوصِياء، خَمْسَةَ أرْواحٍ: رُوحَ الْقُدُسِ وَرُوحَ الأيمانِ وَرُوحَ الْحيوٰةِ وَرُوحَ الْقُوَّةِ وَرُوحَ الشَّهْوَة. فَبِرُوحِ الْقُدُسِ ياجابِرُ! عَرَفُوا ما تَحْتَ الْعَرْشِ اِلىٰ ما تَحْتَ الثَّرىٰ. ثُمَّ قال: ياجابِرُ! إنَّ هٰذِهِ الأرْبَعَةَ أرْواحٍ يُصِيبُهَا الْحِدثانُ اِلّا رُوحَ الْقُدُسِ فَاِنَّها لا تَلْهُو وَلا تَلْعَبُ﴾ ۱

وباسناده عن أبي بصير قال: ﴿سَألْتُ أبا عَبْدِاللهِ علیہ السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبارَكَ وَتَعالىٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ أوْحَيْنا اِلَيْكَ رُوحاً مِنْ أمْرِنا ما كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتابُ وَلا الايمانُ﴾ ۲ قال: خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ تَبارَكَ وَتَعالىٰ أعْظَمُ مِنْ جَبْرَئيلَ وَميكائِيلَ، كانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُخْبِرُهُ وَيُسَدِّدُهُ وَهُوَ مَعَ الأئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهِ (صَلَواتُ اللهِ عَلَيْهِم)﴾ ۳

۱۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: اے جابر! بہ تحقیق انبیاء واوصیاء میں پانچ ارواح ہوتی ہیں یعنی روح القدس، روح ایمان، روح زندگی، روح قوت اور خواہشات کی روح۔ اے جابر! وہ روح القدس کی بدولت تحت عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کی سب چیزوں سے آگاہ ہوئے۔ پھر فرمایا: اے جابر! ان چار ارواح کو آفتیں لاحق ہوتی ہیں سوائے روح القدس کے کیونکہ وہ لہو ولعب سے دور ہے۔

(اصول کافی، ج۱، ص۲۷۲، کتاب الحجہ، باب فیہ ذکر والارواح التی فی الائمہ، ح۲)۔

۲۔ سورۂ شوریٰ/۵۲۔

۳۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے اللہ کے کلام ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح کو آپ کی طرف بھیجا تجھے معلوم نہیں تھا کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہیں'' کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا: روح اللہ تبارک وتعالیٰ ←

روح القدس کے مرتبے پر فائز ہونا

پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء واوصیاء علیہم السلام ایک عظیم روحانی مقام کے حامل ہیں جسے روح القدس کہتے ہیں۔ وہ اس مقام کی بدولت کائنات کے تمام ذرات پر علمی اور قیومی احاطہ رکھتے ہیں۔ یہ روح غفلت، نیند، سہو، نسیان اور دیگر حوادث امکانیہ اور تغیرات ونقائص ملکیہ سے مبرا ہوتی ہے بلکہ اس کا تعلق غیب مجرد اور جبروت اعظم کی دنیا سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامل اور مجرد روح جبرائیل ومیکائیل جو مقام قرب جبروت کے سب سے بڑے مکین ہیں، سے بھی عظیم تر ہے۔

جی ہاں! جن اولیا کی خمیر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دست جمال اور دست جلال سے تیار کی ہو، نیز تجلی ذاتی اولی میں تمام اسماء وصفات اور مقام احدیت جمع کے ساتھ جن کے کامل آئینے میں ظہور فرمایا ہو خلوت گہ غیب ہویت میں انہیں اسماء وصفات کی حقیقتوں سے آگاہ کیا ہو ان کے جلال و جمال کے دامن کبریا تک صاحبان معرفت کا دست آمال نہیں پہنچ سکتا، نیز ارباب قلوب ان کے کمال کی انتہا کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حدیث نبوی ؐ میں مذکور ہے: ﴿عليٌ ممسوسٌ في ذات الله تعالىٰ﴾[1] (۱۲۰)

رحمت رحمانیہ ورحیمیہ کا مظہر

قولہ ؑ: ﴿لو لا نحن، ما خلق الله آدم ...﴾ ''اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ آدم کو خلق نہ فرماتا...'' اس بات کی رو سے ہے کہ یہ معصومین علیہم السلام ذات حق اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہیں، نیز عالم وحدت محض کو کثرت تفصیلی سے مربوط کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حدیث کے اس حصے میں اس بات کا بیان ہوا ہے کہ یہ ہستیاں اصل وجود کے لحاظ سے واسطہ اور وسیلہ ہیں، نیز وہ اس رحمت رحمانیہ کے مظہر ہیں جو اصل وجود کے افاضہ کی علت ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقام ولایت کے حساب سے وہ خود رحمت رحمانیہ ہیں بلکہ وہ خود اسم

<- کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جو جبرئیل ومیکائیل سے بھی عظیم ہے۔ وہ رسول اللہ ؐ کے ساتھ تھی۔ وہ آپ کو باخبر کرتی اور سیدھی راہ پر رکھتی تھی۔ رسول ؐ کے بعد وہ ائمہ کے ساتھ ہے۔

(اصول کافی، ج۱، ص۲۷۳، کتاب الحجہ، باب الروح التی یسدد اللہ بہ الائمہ ؑ، ح۱)۔

۱۔ قال النبي صلى الله عليه وآله: ﴿لا تَسُبُّوا عليّاً فَإِنَّهُ مَمْسُوسٌ في ذاتِ اللّٰهِ﴾

(بحار الانوار، ج۳۹، ص۳۱۲، تاریخ امیر المومنین ؑ، باب۸۸، ح۵)۔

اعظم ہیں اور رحمٰن ورحیم اس اسم اعظم کے تابع ہیں جیسا کہ حدیث کا دوسرا حصہ یعنی حضورؐ کا یہ قول: "ہم فرشتوں سے بہتر کیوں نہ ہوں" اس بات کو بیان کر رہا ہے کہ یہ معصومینؑ کمال وجود کے لحاظ سے واسطہ ہیں اور یہ کہ وہ اس رحمت رحیمیہ کے مظہر ہیں جس کی بدولت کمال وجود کا ظہور ہوتا ہے۔ بنابریں ان کے طفیل دائرہ وجود کامل ہوا ہے اور غیب وشہود کا ظہور ہوا ہے اور وجود کے ارتقا ونزول کے لحاظ سے فیض الٰہی جاری وساری ہوتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں کہا ہے: ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ کے ذریعے وجود کا ظہور ہوا۔ پس یہ باور کر لینا چاہئے کہ پورا دائرۂ وجود ان تین اسماء کے تسلّط اور احاطے میں ہے البتہ پہلے اسم یعنی اللہ میں جمع واجمال کی صورت میں اور دوسرے دو اسماء یعنی رحمٰن ورحیم میں تفصیلی طور پر۔ (۱۲۱)

فرشتوں کے وجود اور کمالات کا وسیلہ

اللہ کی شناخت اور اس کی تسبیح وتحمید میں سبقت کی وجہ وجود میں سبقت کی وجہ سے ہے۔ یہ سبقت وہی سبقت دہری ہے جو زمان ومکان سے منزہ اس بلند مقام سے مناسبت رکھتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سبقت وہی "علت وحقیقت" والی سبقت ہے جو مراتب وجود اور حقائق غیب وشہود میں ثابت شدہ ہے۔

سبقت کے بارے میں ذکر شدہ بیان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ معصومینؑ اصل وجود کے لحاظ سے فرشتوں کی تخلیق کا وسیلہ ہیں جیسا کہ یہ ہستیاں (اس کے علاوہ) ان کے وجود کے کمالات کا بھی واسطہ ہیں۔ (۱۲۲)

مقام مشیّت مطلقہ کے حامل

عین مقام مشیت جس میں تمام موجودات خاص اور تعینات فعلی مستہلک ہیں وہی عالم تدلّی (تقرب) ہے جس کا ذکر آیت ﴿ثُمَّ دَنىٰ فَتَدَلّىٰ﴾[۱] میں ہوا ہے۔ پس جو بذات خود متدلّی (متقرب) ہے وہ تدلّی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ ایک ایسی ذات ہو جس کی صفت تدلی ہو یعنی صفت اس پر عارض ہوئی ہو، نیز فقر جو فخر مطلق سے عبارت ہے وہی مشیت مطلقہ ہے جسے فیض مقدس، رحمت واسعہ، اسم اعظم، ولایت

۱۔ سورۂ نجم/۸۔

مطلقہ محمدیہ ؐ اور مقام علوی ؑ سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہی پرچم ہے جس کے نیچے آدم اور دوسرے جمع ہیں۔ رسول اکرم ؐ کے کلام میں اس کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے: ﴿کُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ﴾ ۱ یا ﴿بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ﴾ ۲ ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور کیچڑ کے درمیان یا روح وبدن کے درمیان موجود تھے''، یعنی جب نہ کوئی روح تھی نہ جسم تھا۔ ذات کے ساتھ تدلی وتقرب رکھنے والا وہی عروۃ الوثقیٰ یعنی آسمان الوہیت کو مخلوقات کی زمینوں سے مربوط ومتصل کرنے والی رسی ہے۔ دعائے ندبہ میں ارشاد ہوتا ہے: ''کہاں ہے اللہ کا وہ دروازہ جہاں سے گزر کر لوگ اللہ کے پاس جاتے ہیں؟ کہاں ہے وہ آئینہ الٰہی جس کی طرف بندے رخ کرتے ہیں؟ کہاں ہے وہ ذریعہ جو زمین وآسمان کے درمیان باعث اتصال ہے؟ ۳

اصول کافی میں مفضل سے مروی ہے: ''میں نے امام صادق ؑ سے عرض کیا: جب آپ حضرات سایوں میں تھے تو اس وقت آپ لوگ کیسے تھے؟ فرمایا: اے مفضل! ہم اپنے پروردگار کے ہاں تھے۔ اس کے پاس ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ ہم سبز رنگ کے سائے میں تسبیح وتقدیس وتہلیل وتمجید الٰہی میں مشغول تھے۔ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی ذی روح ہمارے علاوہ موجود نہ تھا یہاں تک کہ اللہ نے موجودات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔ پس حق تعالیٰ نے جو چاہا اور جس طرح چاہا فرشتے اور دیگر مخلوقات خلق فرمائے۔ پھر ان کا علم ہم تک پہنچایا۔ ۴ اہل بیت ؑ سے مروی اس مضمون کی احادیث وافر مقدار میں موجود ہیں۔ ۵ (۱۲۳)

عالم امر یا روحانیت محمدیہ ؐ وعلویہ ؑ

عالم امر عبارت ہے فیض منبسط، نفس الرحمٰن، وجود مطلق، برزخیت کبریٰ، اضافہ اشراقیہ اور روحانیت

۱۔ اسرار الشریعہ واطوار الطریقہ وانوار الحقیقہ، ص ۴۶ و ۹۲؛ ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۹، الباب الاول، فی سبق نور رسول اللہ ؐ۔

۲۔ ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۹، الباب الاول، فی سبق نور رسول اللہ ؐ۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۰۴، کتاب المزار، باب زیارۃ الحجۃ بن الحسن ؑ۔

۴۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبی ؐ ووفاتہ، ح ۷۔

۵۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۱؛

نیز بحار الانوار، ج ۵، ص ۲۳۴، ۲۵۹ و ۲۶۱، کتاب العدل والمعاد، باب الطینۃ والمیثاق، حدیث ۷، ۶۶ و ۶۷۔

محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلویہ علیہ السلام سے۔عالم امر ہر قسم کے حدود وقیود سے مبرا ہے اور اس کا موازنہ کسی چیز سے نہیں ہوسکتا۔اسے مخلوق نہیں کہا جاسکتا مگر مجازاً۔(۱۲۴)

جسم کل، روح کل اور نفس کل

ہم ہر مرتبے کی عینیت اور ہر موجودگی کی حقیقت میں اس کے نفس اور روح کے جاری وساری ہونے کو صرف حلول اور علم وشہود کی صورت میں ہی نہیں دیکھ سکتے (بلکہ) اچھی طرح سمجھنے کے بعد موجودات کی تسبیح کو اس نور کی روشنی میں دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔جیسا کہ حق تعالیٰ خود ان مراتب وحقائق میں سریان رکھتا ہے۔ چنانچہ عبداابن مسعود کہتے ہیں: ''ہم طعام کی تسبیح کو سنتے تھے''۔''سریان'' کے ذکر سے مراد'' قرب فرائض'' ہے جس کے نتیجے میں بندہ ذاتی ،صفاتی اور فعلی فنا کی منزل پر فائز ہو کر بقا بعد الفنا کا لباس زیب تن کرتا ہے اور اپنے وجود خلقی کو دور پھینکنے کے بعد مکمل طور پر وجود حقانی کا حامل بن جاتا ہے۔اس طرح اس کا جسم، جسم کل، اس کا نفس، نفس کل اور اس کی روح، روح کل بن جاتی ہیں۔زیارت جامعہ میں بھی اس بات کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے: ''آپ حضراتؑ کے اجسام جسموں میں، آپ کی ارواح روحوں میں اور آپ کے نفوس نفسوں میں موجود ہیں''۔اس مقام پر پہنچ کر بندہ چشم حق، گوش حق اور دست حق بن جاتا ہے جیسا کہ مولی الموالی حضرت علی علیہ السلام کو اللہ کا سننے والا کان، دیکھنے والی آنکھ اور اللہ کا ہاتھ وغیرہ کہا گیا ہے پس اللہ ایسے بندے کے ذریعے سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔(۱۲۵)

اولیا عقل کل، روح کل اور جسم کل کے حامل ھیں

﴿الْھیمانُ﴾ سے مراد وہ زبردست حیرت ہے جو جمال کے جلال کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ معشوق کے اچانک نمودار ہونے سے حاصل ہوتی ہے یا اسماء جلالیہ قہریہ کی تجلی سے ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالک کی ''انیت'' کا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور مجذوب مدہوش ہو جاتا ہے۔چنانچہ بعض سالکین اپنی حیرت ومحبت کی حد سے زیادہ شدت یا بے لیاقتی کی وجہ سے یا مزاج کی کمزوری کے باعث اپنے وجود سے مکمل طور پر بیگانہ ہوتے ہیں اور مجذوبیت وعشق کی مدہوشی میں پڑے رہتے ہیں۔اس حالت میں وہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں پہچانتے اور انہیں بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔بعض اوقات جب ان کی ''بہولیت'' ظاہر ہوتی ہے تو ایسا ہوتا ہے۔ارشاد باری ہے: ﴿أَوْلِيَائِي تَحْتَ قِبَابِي لاَ يَعْرِفُهُم

غَيْرِي﴾ ا ''میرے اولیا میرے گنبدوں کے نیچے ہوتے ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا''۔ لیکن کبھی کبھار عنایت خداوندی ان سالکین میں سے بعض کے شامل حال ہو جاتی ہے اور انہیں فیض اقدس کی جانب سے صلاحیت عطا ہوتی ہے۔ یوں وہ انہیں اپنے وجود کی قلمرو میں واپس لے آتا ہے جبکہ وہ اس تجارت سے فائدہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں کیونکہ عقل کل ان کی عقل بن چکی ہوتی ہے ان کی روح، روح کل بن جاتی ہے اور ان کا جسم، جسم کل بن چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے: ﴿أَرْوَاحُكُمْ فِي الْأَرْوَاحِ، وَأَنْفُسُكُمْ فِي النُّفُوسِ﴾ ۲ ''آپ کی ارواح دیگر ارواح میں اور آپ کے نفوس دیگر نفوس میں (جاری وساری) ہیں''۔

قرب فرائض کے ثمرات کا حصول

پس عالم ارواح واشباح کے سارے ساکنین ان ہستیوں کے تربیت یافتہ اور ان کی تدبیر کے تابع ہیں۔ وہ جس طرح سے چاہیں اس عالم میں تصرف کر سکتے ہیں۔ البتہ یہ بلند مقام قرب، فرائض کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ قرب نوافل کا نتیجہ اخلاق خداوندی سے اتصاف اور فنائے صفاتی تک رسائی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں اس بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے: ''میں اس کا کان اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں'' جبکہ ''قرب فرائض'' کی بدولت بندہ اللہ کا سننے والا کان اور اللہ کی چشم بینا بن جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دیکھتا ہے اس کے ذریعے سنتا ہے اور اس کے ذریعے گرفت کرتا ہے۔ (۱۲۶)

قرب نافلہ اور قرب فریضہ

جب بندہ حق تعالیٰ میں فانی ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا کان، اس کی آنکھ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہے پھر بندے کا اپنا کوئی کان نہیں ہوتا اور نہ اس کی اپنی کوئی آنکھ ہوتی ہے۔ یہ وہی قرب نوافل ہے جو سالک مجذوب کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا اشارہ حدیث قدسی میں یوں ہوا ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ﴾۔

پس اگر اللہ کی توفیق اس کے شامل حال رہے اور وہ بقاء اللہ کے ساتھ باقی بن جائے تب بندہ اللہ کا کان اور اس کی آنکھ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سنتا اور دیکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی قلمرو میں لوٹنے

۱۔ اسرار الشریعہ واطوار الطریقہ وانوار الحقیقہ، ص ۱۹۷؛ نیز مصباح الہدایۃ ومفتاح الکفایۃ، ص ۳۸۷۔

۲۔ زیارت جامعہ کبیرہ، من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۳۷۰۔۳۷۴۔

کے بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت ظاہری کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور یہ وہی قرب فرائض ہے جو سالک مجذوب کو حاصل ہوتا ہے اور جس کی طرف معصومؑ نے یوں اشارہ فرمایا ہے: ﴿رِضَـى اللهِ رِضَـانَـا أَهْلُ الْبَيْـتِ﴾[۱] ''اللہ وہی چاہتا ہے جو ہم اہل بیتؑ چاہتے ہیں''۔ نیز قول معصومؑ ہے: ﴿أَنَـا يَـدُ اللهِ وَعَيْنُ اللهِ﴾[۲] ''میں اللہ کا ہاتھ اور اللہ کی آنکھ ہوں''... مولانا روم نے مثنوی معنوی میں پہلے مقام کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: ﴿از عبادت می توان الله شد﴾ اور دوسرے مقام کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: ﴿نی توان موسی کلیم الله شد﴾۔(۱۲۷)

ہر چیز کے ہمراہ اللہ کا مشاہدہ

تمام اشیاء میں جملہ صفات کمال پر محیط حقیقت وجودی اور ہویت الٰہی کا جاری و ساری ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ تمام اشیاء عملاً مذکورہ تمام صفات کی حامل ہوں، اگر چہ محجوب ان کا ادراک نہ کر سکے، بلکہ انسان کامل کے ہاں ہر موجود چیز اسم اعظم ہے۔ اسی لئے امیر المومنینؑ یا حضرت صادقؑ سے مروی ہے: ﴿مَا رَأَيْتُ شَيْئاً اِلَّا وَرَأَيْتُ اللهَ قَبْلَهُ وَمَعَهُ﴾[۴] ''میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس سے پہلے اور اس کے ساتھ اللہ کو دیکھا ہے''۔ ''اللہ'' ہی وہ اسم ہے جو تمام اسماء صفات کا جامع ہے۔ اس مقام پر ہر چیز کے ساتھ اللہ کی موجودگی کے لحاظ سے تمام موجودات یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔(۱۲۸)

۱۔ اللھوف، ص۳۳۔

۲۔ محمد بن يحيى عن... قال: حدثني هاشم بن أبي عمارة الجنبي قال: سمعت أمير المومنينؑ يقول: ﴿انا عين الله و انا يد الله و انا جنب الله و انا باب الله﴾ ''امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں اللہ کی آنکھ ہوں میں اللہ کا ہاتھ ہوں میں اللہ کا پہلو ہوں اور میں اللہ کا دروازہ ہوں''۔

(اصول کافی، ج۱، ص۱۴۵، کتاب التوحید، باب النوادر؛ نیز معانی الاخبار، ص۱۷، ح۱۴؛ نیز توحید، ص۶۵، ح۲)۔

۳۔ جلال الدین محمد بن محمد (۶۰۴ تا ۶۷۴ ھ ق) بزرگ صوفی شاعر تھے۔ ان کی کتابوں میں مثنوی معنوی، کلیات شمس تبریزی، فیہ مافیہ، مجالس سبعہ اور مکتوبات وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ علم الیقین، ج۱، ص۴۹، مقصد اول، باب۳؛ نیز اسفار اربعہ، ج۱، ص۱۱۷، سفر اول، منہج دوم، فصل سوم، (مختصر تفاوت کے ساتھ)؛ نیز کلمات مکنونہ، ص۳۔

اپنے اور تمام موجودات کے فنا کا مشاہدہ

یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''میرے اولیاء میرے گنبدوں کے نیچے ہیں اور میرے علاوہ کوئی ان کو نہیں پہچانتا''۔ اللہ کے گنبدوں کے نیچے موجود اولیا سے مراد وہ نہیں جن کا ذکر شارح نے کیا ہے کیونکہ وہ ان مستغرق فرشتوں کی طرح جن کی طرف اللہ یوں اشارہ فرماتا ہے: ﴿ن ☆ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ ۱ ظلمانی حجابوں میں پوشیدہ نہیں اور وہ اپنے نفوس کو نہیں پہچانتے کیونکہ جو کوئی اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے الگ تشخص، انیت وانانیت کا قائل ہو وہ اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا اور نہ قبۂ الٰہی کے نیچے ساکن ہوسکتا ہے بلکہ وہ تو اپنے نفس کا ولی اور اسی کے قبہ کے نیچے ساکن ہوگا۔ پس ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو فنا ہوتے ہیں لیکن اپنے نفس کی طرف توجہ کے باعث اپنے فنا سے فانی نہیں ہو پاتے۔ اسی لئے ان کے حق میں دعا ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے سے بھی فانی ہو جائیں یہاں تک کہ وہ ''محمدیوں'' کی طرح وجہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کریں جیسا کہ ان (محمدیوں) کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ ۲ ''ہر چیز فانی ہے سوائے وجہ اللہ کے''۔ (۱۲۹)

کثرت اور وحدت کا ایک ساتھ مشاہدہ

جو شخص حجاب وحدت کے بغیر کثرت کا مشاہدہ کرے اور کثرت سے غافل ہوئے بغیر وحدت کا نظارہ کرے وہ ہر صاحب حق کا حق ادا کرتا ہے اور وہ اسم ''الحکم العدل'' کا مظہر ہوتا ہے جو نہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور نہ بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ بنابریں وہ گاہے یہ کہتا ہے کہ وحدت ثابت اور موجود ہے اور گاہے یہ کہتا ہے کہ وحدت کا ظہور ہی کثرت ہے۔ چنانچہ صاحب برزخیت کبریٰ اور بارگاہ مولی کے محتاج کل جو ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ ۳ کے رتبے پر فائز ہوئے یعنی حضور اکرمؐ جو مصطفیٰ بھی ہیں مرتضیٰ بھی اور مجتبیٰ بھی سے ایک امامؑ نے نقل فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہمارے اللہ کے ساتھ کچھ حالات ہوتے ہیں جن کے رو سے وہ وہ ہے اور ہم ہم ہیں جبکہ وہ ہم ہیں اور ہم وہ''۔ ۴ (۱۳۰)

۱۔ سورۂ قلم/۱۔

۲۔ سورۂ قصص/۸۸۔ ۳۔ سورۂ نجم/۹۔

۴۔ الکلمات المکنونہ، ص ۱۰۱، (معمولی فرق کے ساتھ)۔

جمع وتفصیل اور وحدت وکثرت کے مقام کا حصول

حفظ مراتب ومقامات نیز مقام جمع وتفصیل اور مقام وحدت وکثرت پر فائز ہونا انسانیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ اور سیر وسلوک کا کامل ترین مرحلہ ہے۔ کسی صاحب سیر وسلوک یا صاحب معرفت کیلئے یہ حقیقت حاصل نہیں ہوئی سوائے ہمارے نبی اکرم رسول مکرم ؐ اور آپؐ کے اولیا کے جنہوں نے آنحضرتؐ کے چراغ سے علم ومعرفت کا نور حاصل کیا، نیز سلوک وطریقت کو آنحضرتؐ کی ذات وصفات کے چراغ سے اخذ کیا۔(۱۳۱)

جلوہ خداوندی کا مشاہدہ

انبیاء اور ان جیسے اولیا جو ہو بہو انبیاء کی سیرت پر چلتے ہیں اپنی زندگی میں ہر اس چیز کو توڑ دیتے ہیں جو ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان حجاب بنے۔ یوں انہیں "صعق" حاصل ہوتا ہے اور وہ اختیاری موت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر تجلی فرماتا ہے اور انہیں عقلی، باطنی، روحانی، وعرفانی نگاہ سے نوازتا ہے۔ یوں وہ جلوہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔(۱۳۲)

حقائق عالم کا شہودی ادراک

اولیا اور انبیاء کا قدم "برہانی" قدم نہیں ہوتا تھا وہ برہان کو جانتے تھے لیکن مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ واجب الوجود کو برہان سے ثابت کریں ﴿مَتیٰ غِبتَ؟﴾ [۱] یعنی تو کب غائب تھا؟ حضرت سید الشہداء علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿عَمِيَتْ عَيْنٌ لاَ تَرَاكَ عَلَيْهَا رَقِيبًا﴾ [۲] یعنی اندھی ہو جائے وہ آنکھ جو تجھے اپنے اوپر حاظر وناظر اور مراقب نہ پائے"۔ بے شک وہ اندھی ہی ہے۔(۱۳۳)

توحید مطلق کا ادراک فلاح مطلق تک رسائی

عالم تکوین میں عقل کا دخول ایک صحیح وسالم یا اس سے قریب دخول ہے۔ اس دخول کا مقصد حکم کی اطاعت اور اس کا نفاذ ہے۔ عقل کل جمال جمیل کو تفصیلی آئینے میں دیکھتی ہے وہ تکثیر کو جلوۂ توحید کی توسیع کے طور پر دیکھتی ہے اور تکثیر کو توحید کی طرف پلٹاتی ہے۔ اس لحاظ سے فلاح مطلق اور مطلق فلاح کلمہ ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ﴾ میں ہے۔ البتہ حقائق توحید اور کلمہ ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ﴾ کے بہت سے مدارج ومراحل ہیں بلکہ

۱-۲۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی دعائے عرفہ۔ (اقبال الاعمال، ص ۳۴۹ میں)۔

یہ کہنا چاہئے کہ خلائق کی سانسوں کی تعداد کے برابر مدارج ہیں۔ پس توحید مطلق جس کی کامل ترین شکل ﴿لا الٰہ الا اللہ﴾ ہے فلاح مطلق ہے جو کثرت (شجرۂ خبیثہ کی جڑ) سے نجات ہے۔ یہ کلمہ اس لحاظ سے کسی چیز کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں مذکور ہے۔ اس کے برخلاف "توحیدات مقیدہ" جو اہل ایمان اور متوسطین کی توحید ہیں میں فلاح مقید اور محدود ہے، نیز ان کی سلامتی بھی محدود و مقید ہے۔

نورانی حجابوں کے پیچھے جمال حق کی رؤیت

توحید کامل کے حامل افراد اس عالم تکوین سے احتراز اور فرار اختیار کرتے ہیں جیسا کہ اولیا خدا کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے مخلوقات کے آئینے میں جمال جمیل کے مشاہدے اور دوسری طرف سے تمام آئینوں کو توڑ کر ظلمانی و نورانی حجابوں کے پیچھے سے جمال مطلق کا مشاہدہ کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ اللہ کے ولی مطلق حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام مناجات شعبانیہ میں اللہ کے حضور یوں عرض کرتے ہیں:

﴿وَأَنِرْ أَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا إِلَيْكَ حَتَّىٰ تَخْرِقَ أَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ إِلَىٰ مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ﴾[1]

سلوک ولایتی کے ذریعے نورانی حجابوں کا خاتمہ

امیر المومنین ؑ کیلئے سارے حجاب نورانی ہیں کیونکہ ظلمانی پردے کی برگشت عالم مادہ و خلقت اور اس کے لوازم کی طرف ہوتی ہے جبکہ آپ ؑ اور آپ کی معصوم اولاد ؑ اس عالم تکوین و طبیعت کے گرد و غبار اور حجابوں سے مبرا تھے بلکہ اس عالم اور اس کی محدودیتیں ان ہستیوں کیلئے نورانی حجاب ہیں کیونکہ ان کی قلبی توجہات ہمیشہ موجودات عالم کے غیبی والٰہی زاویے کی طرف مرکوز رہی ہیں اور یہ عالم غیر اللہ ہونے کے زاویے سے ان کے پیش نظر نہیں رہا یعنی عالم پر اس کی الگ حیثیت میں نظر نہیں کی۔ پس وہ حضور دائمی کے حامل ہیں لیکن چونکہ وہ عالم ظاہر میں اس مادی جہان میں واقع ہوئے ہیں اس لئے تفصیلی آئینے ان کیلئے

۱۔ اور ہمارے دلوں کی آنکھوں کو اپنے دیدار کی روشنی سے منور فرما یہاں تک کہ ہمارے دلوں کی آنکھیں نور کے پردوں کو چاک کریں اور معدن عظمت تک پہنچ جائیں۔ (اقبال الاعمال، ج ۳، ص ۲۹۹، اعمال ماہ شعبان، مناجات شعبانیہ؛ نیز مصباح المتہجد و سلاح المتعبد، ص ۳۷۴)۔

نورانی حجاب ہیں یہاں تک کہ سلوک ولایتی کے باعث وہ ان حجابوں کو توڑ کر عالم قدس وطہارت کی طرف لوٹتے ہیں اور حق اپنی حقیقت تقدیس، حقیقت توحید، حقیقت تفرید اور حقیقت تجرید کے ساتھ ان کے باطن پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یوں وہ ﴿لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوم﴾ ا کی حقیقت کو پالیتے ہیں۔ اسی طرح اس عالم میں ہی ان کی قیامت کبریٰ برپا ہوتی ہے، آفتاب قیامت ان کے سامنے طلوع ہوتا ہے اور انہیں معدن عظمت تک رسائی جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے حاصل ہوجاتی ہے، ان کی ارواح عظمت قدس کے ساتھ ملحق ہوجاتی ہیں اور حق تعالیٰ ان کی توجہ غیر اللہ سے ہٹادیتا ہے۔ ﴿رَزَقَنَا اللّٰہُ وَاِیّاکُمْ جَذْوَۃً اَوْ قَبَساً مِنْ نَارِھِمْ وَنُورِھِم﴾۔ (۱۳۴)

اسم اعلیٰ مقام ظہور میں

حدیث ہے: ﴿نَحْنُ اَسْمَآءُ الْحُسْنیٰ﴾ "ہم ہی اسماء حسنیٰ ہیں"۔ مقام ظہور میں اسم اعلیٰ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ ہیں یعنی وہ ہستیاں جو نقص سے کمال کی طرف سیر وحرکت کے مرحلے میں ایسے مقام تک پہنچے ہیں جہاں وہ ہر قسم کی مادیات سے منزہ ہوچکے ہیں۔ وہ ہماری طرح نہیں جو کنویں کے اندر ہیں۔ (۱۳۵)

اسم اعظم کے ذریعے اللہ کی تجلی کا مقام

جان لو کہ قلوب کے اندر تجلیات حق کے ظہور کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض قلوب عشق اور ذوقیات کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لئے اللہ ان میں جمال وحسن کے ذریعے تجلی فرماتا ہے۔ بعض قلوب خوف سے متصف ہوتے ہیں جن میں اللہ جلال وعظمت اور کبریائی وہیبت کے ذریعے متجلی ہوتا ہے۔ کچھ دل دونوں صفات (عشق وخوف) کے حامل ہوتے ہیں جن میں وہ جلال وجمال اور متقابل صفات نیز اسم اعظم جامع کے ذریعے تجلی فرماتا ہے۔ اس مقام اسم اعظم جامع کی تجلی گاہ ہونا خاتم الانبیاءؐ اور آپؐ کے جانشینوںؑ کے ساتھ مخصوص ہے اور انہی کا خاصہ ہے۔ (۱۳۶)

اسم اعظم پر ائمہؑ کا احاطے کی حد

ہمارے ائمہؑ سے مروی ہے کہ آصف (بن برخیا) کے پاس اسم اعظم کے حروف میں سے ایک

ا۔ آج حکومت کس کی ہے؟ (سورۂ غافر/۱۶)۔

حرف تھا۔انہوں نے اس حرف کو زبان پر جاری کیا تو اس کے باعث ان کے اور ملک سبا کے درمیان زمین شگافتہ ہوگئی اور تخت بلقیس پر انہیں دسترسی مل گئی اور اسے سلیمان کی طرف بھیج دیا۔ اس کے بعد زمین پلک جھپکنے سے پہلے دوبارہ پھیل گئی اور اپنی پہلی حالت پر آ گئی۔ یہ اسم اعظم تہتر حروف (حصوں) پر مشتمل ہے جن میں سے بہتر حروف ان بزرگوار ہستیوں ؑ کے پاس ہیں اور ایک حرف اللہ کے علم غیب میں پوشیدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہے اور انہیں عطا نہیں کیا۔ا(۱۳۷)

مقام ذکر کی حامل ھستیاں

رسول اکرم ﷺ اور علی بن ابی طالب علیہ السلام کو "ذکر" کہا گیا ہے۔اور ائمہ ہدیٰ ؑ کو "اسمائے حسنیٰ" کہا گیا ہے۔اسی طرح ان بزرگ ہستیوں کو "آیت اللہ" کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔وہ اللہ کی نشانیاں، اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور اللہ کا ذکر اکبر ہیں۔مقام "ذکر" وہ عظیم مقام ومرتبہ ہے جسے تحریر وتقریر کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا۔(۱۳۸)

مکمل قرآن اور الله کی عظیم ترین نشانی

بعض حاملین قرآن ایسے ہیں جن کی ذات کا باطن اللہ کے جامع کلام کی حقیقت سے عبارت ہے، نیز وہ خود مکمل قرآن اور فرقان قاطع ہیں جیسے علی بن ابی طالب ؑ اور آپ کی پاکیزہ ومعصوم اولاد ؑ جو اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کا سراپا ہیں۔وہ اللہ کی عظیم ترین نشانیاں اور مکمل قرآن ہیں۔(۱۳۹)

مطھرین، حقیقت قرآن کو مس کرنے والے

اللہ تعالیٰ عظیم قسم کے بعد فرماتا ہے: ﴿إِنَّهُ لَقُرآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾۲ ان میں سرفہرست وہ ہیں جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے۔(۱۴۰)

قرآن کے شارحین ومفسرین

قرآن کی تشریح وتفسیر کرنے والی وہ معصوم ہستیاں ؑ ہیں جن کی ابتدا رسول کریم ؐ سے ہوتی ہے اور ان کا آخری حجت عصر (امام زمانہ (عج)) ہیں۔ یہ ہستیاں عالم وجود کی چابیاں، مخازن کبریا، حکمت ووحی کے

ا۔اصول کافی، ج ا، ص ۲۳۰، کتاب الحجہ، باب ما اعطی الائمہ ؑ من الاسم الاعظم، حدیث ۱،۲و۳۔

۲۔ بے تحقیق یہ گرانقدر قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب میں ہے اسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔(واقعہ/۷۷۔۷۹)

معادن، علوم ومعارف کی بنیادیں، نیز مقام ''جمع وتفصیل'' کے حامل ہیں۔ (۱۴۱)

ہر قسم کے تنزل سے پہلے حقیقت قرآن کو پانے والا

قرآن شریف کی حقیقت، منازل خلقیہ میں نزول اور عوالم فعلیہ سے متصف ہونے سے پہلے بارگاہ واحدیت کے عوالم ذاتی اور حقائق علمی کا حصہ تھی۔ یہ حقیقت مرسوم علوم، معارف قلبی اور مکاشفہ غیبی کے ذریعے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ البتہ مکاشفۂ تامۂ الٰہیہ کے ذریعے حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ﴿قاب قوسین﴾ کی محفل انس بلکہ مقام ﴿أو أدنیٰ﴾ کی خلوتگاہ سرّ میں اس حقیقت کو پا سکتی ہے۔ بنی آدم کا دست آرزو اس کے دامن کو چھو نہیں سکتا سوائے اللہ کے خالص ترین اولیا کے جو معنوی انوار اور حقائق الٰہیہ کی رو سے اس ذات مقدس کی روحانیت کے ساتھ شریک اور تبعیت تامہ کی بدولت اس کے اندر فانی ہو چکے ہوں۔ یہ ہستیاں مکاشفاتی علوم کو وراثتاً آنحضرتؐ سے حاصل کرتی ہیں۔ قرآن کی حقیقت جس نورانیت وکمال کے ساتھ آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر متجلی ہوتی ہے اسی طرح اس کے قلوب میں بھی بغیر کسی تغیر وتبدل اور تنزل کے جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ تحریف وتغییر سے پاک قرآن ہے۔ وحی خداوندی کی کتاب سے جو اس قرآن کا متحمل ہو سکتا ہے وہ اللہ کے ولی مطلق علی بن ابی طالب علیہ السلام کا وجود شریف ہے۔ دیگر لوگ اس حقیقت کو نہیں پا سکتے مگر مقام غیب سے عالم شہود میں تنزل اور عالم ملک کے رنگ میں رنگے جانے، نیز دنیوی الفاظ وحروف کے سانچے میں ڈھلنے کے بعد۔ (۱۴۲)

حقیقت قرآن کا ادراک کرنے اور اس کا تعارف کروانے والے

پیغمبر اکرمؐ قرآن سے جو استفادہ کرتے تھے وہ اس سے مختلف ہے جو دوسرے لوگ کرتے تھے ﴿إنّما یَعرِفُ القُرآنَ مَنْ خُوطِبَ بِه﴾ [۱] دوسروں کو اس کا علم نہیں۔ ہمارے پس ایک ذرّہ، ایک تصور اور چند خیالات کے علاوہ کچھ نہیں۔ جس پر قرآن نازل ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ قرآن کیا ہے، کیسے نازل ہوا ہے، نزول کی کیفیت کیا ہے، نزول کا مقصد کیا ہے قرآن کے مضامین کیا ہیں اور اس امر کی غایت کیا ہے۔ انہیں وہ جانتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کی تربیت اس کی ہدایت کے ذریعے ہوئی ہے وہ اس کی تربیت کی وجہ سے

۱۔ قرآن کو صرف وہی پہچانتا ہے جو قرآن کا مخاطب ہے۔

(بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۴۹، تاریخ الامام محمد باقرؑ، باب ۲۰، ح ۲)۔

واپس آتے ہیں۔ یہ صبر کا مشکل ترین مرحلہ ہے۔ سالکین کے مولا، کاملین کے پیشوا اور مومنین کے سردار حضرت علی علیہ السلام نے دعائے کمیل شریف میں اس مرحلے کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے: ﴿فَهَبْنِي يَا الٰهِي وَسَيِّدِي وَمَوْلايَ! صَبَرْتُ عَلىٰ عَذابِكَ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلىٰ فِراقِكَ؟﴾ا

مروی ہے کہ محبین میں سے ایک جوان نے شبلی سے صبر کے بارے میں پوچھا کہ کون سا صبر سب سے سخت ہے؟ شبلی نے کہا: اللہ کیلئے صبر۔ جوان نے کہا: نہیں! شبلی بولے: اللہ کے ذریعے صبر۔ جوان بولا: نہیں! بولے: اللہ پر صبر۔ بولا: نہیں! کہا: اللہ میں صبر۔ بولا: نہیں! بولے: اللہ کے ساتھ صبر۔ بولا: نہیں! شبلی بولے: وائے ہم تم پر! پھر کون سا صبر؟ جوان نے کہا: اللہ سے صبر۔ پس شبلی نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔٢

دوسرا درجہ ﴿صبر باللہ﴾ کا ہے۔ یہ اہل تمکین و استقامت کا درجہ ہے۔ یہ مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے جب وہ حالت صحو و بیداری اور بقاء باللہ، نیز اخلاق اللہ سے مزین و متصف ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ درجہ صرف کاملین کو نصیب ہوتا ہے۔ (۱۴۷)

عالم وحدت سے عالم کثرت کی طرف رجوع

حیرت میں ہوں کہ حضرت امیر المومنینؑ کے بارے میں کہاں سے شروع کروں؟! یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ انسان اسے نہیں سمجھ سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ آپؑ اس قدر نالہ و فریاد کرتے تھے؟ کنویں کے اندر اپنا سر داخل کر کے روتے تھے؟ جہاں پہنچتے وہاں آہ و نالہ کرتے تھے؟ آپؑ سے مروی دعاؤں میں اس قدر گریہ و نالہ کیوں؟ کیا امیر المومنینؑ اس لئے نالہ و گریہ فرماتے تھے کیونکہ آپؑ کی توجہ دنیا کی طرف اور آپ مقام وحدت کو چھوڑ کر کثرت کے مقام پر اتر آئے تھے؟ آپ کے اس قدر نالہ و فریاد کی وجہ کیا عالم کثرت کی طرف توجہ تھی؟ کیا رات کے وقت آپؑ کا نالہ و فریاد، کنوؤں کے اندر آپ کا گریہ اور خدا کے ساتھ راز و نیاز کے دوران آپ کی آہ و بکاء کا مقصد یہ تھا؟ مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! تو نے مجھے اپنے جوار سے نکال کر عالم کثرت میں ڈال دیا ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ سے مروی ہے: ﴿لَيُغانُ عَلىٰ قَلْبِي وَاِنِّي

ا۔ اے میرے آقا و مولا! میں تیرے عذاب پر صبر کر بھی لوں لیکن تیرے فراق کو کیونکر برداشت کروں گا؟۔
مصباح المتہجد و سلاح المتعبد، ص ۵۸۷، اعمال نیمہ شعبان؛ مفاتیح الجنان، دعائے کمیل۔

۲۔ شرح منازل السائرین، ص ۸۸، باب الصبر۔

لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾[۱] یہاں ﴿يُغَانُ عَلىٰ قَلْبِي﴾ سے مراد کیا یہ ہے کہ ویسے ہی ایک غبار سا چھا جاتا تھا یا اس سے مراد عالم کثرت کی طرف رجوع ہے؟ اگر چہ یہ عالم طبیعیات ان کی نظر میں جلوۂ خدا ہے لیکن اس کے باوجود اس غیر اللہ کی طرف توجہ باطنی کی وجہ سے وہ نالہ وفریا کرتے ہیں۔

ہم اس مسئلے کو درک نہیں کر سکتے۔ ہم صرف تصور اور خیال کر سکتے ہیں کہ یہ چیزیں جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں، عرفائے علمی بیان کرتے ہیں اور حکما کہتے ہیں اس قسم کے مسائل ہیں اور یہ ان امور میں سے ہیں جو اللہ کے ولی اعظم اور عظیم اولیا کو حاصل ہوئے ہیں۔ یہ علمی مسائل ہیں، یہ عرفان علمی، فلسفہ علمی اور حکمت علمی ہے۔ یہ علمی مسائل ہیں اور وہ چیز نہیں جو اصل مقصود ہے۔

کسی چیز کو درک کرنا اور پانا ایک ابتدائی مرحلہ ہے جبکہ ان مسائل میں غرق ہو جانا اس سے بلندتر مرحلہ ہے پھر تمام امور میں محو ہونا اس سے بھی بلند مرتبہ ہے۔ انہیں، صعق (بے ہوشی) کی کیفیت حاصل ہوتی تھی۔ بلندتر مرتبے سے یہ نزول ورجوع ان پر سخت اور شاق گزرتا تھا۔ ان کیلئے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور سخت مرحلہ اور کوئی نہیں تھا کہ وہ عالم غیب اور لقاء الٰہی کی دنیا کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہوں یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہو جائیں اور یہاں سے اس عالم کی طرف لوٹ آئیں۔ واضح ہے کہ یہ ان کیلئے نہایت سخت ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر رسول اکرمؐ تک یہ مسئلہ تمام اولیائے خدا کیلئے رہا ہے۔ ہم لوگ اس مسئلے کی حقیقت کو درک نہیں کر سکتے۔ ہم تو اسی عالم سے مربوط امور کو درک کر سکتے ہیں جن کا تعلّق سو فیصد طبیعیات و مادیات سے ہے یہاں تک کہ ہمارے عرفان کا تعلّق بھی عالم طبیعیات سے ہے، اسی طرح حکمت وفلسفہ کا بھی۔ یہ سب مادی اور طبیعیاتی عالم سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ہم اسی دائرے میں سوچتے ہیں۔ عارفین کی امیدوں کی منزل یہی رہی ہے یعنی علمی ونظری عارفین کی منزل۔ یہ وہ نہیں جس کا ادراک وہ ہستیاں کرتی تھیں۔ ہم اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ پھر جب وہ عالم کثرت کی طرف لوٹتے تھے تب بھی ان پر اور مسلمانوں پر کمر شکن مصیبتیں نازل ہوتی تھیں۔ وہ سب مصائب سے روبرو تھے البتہ ان کے معنوی

۱۔ میرے دل پر غبار سا چھا جاتا ہے اور بہ تحقیق میں روزانہ ستر بار اللہ سے طلب مغفرت کرتا ہوں۔
مستدرک الوسائل، ج ۵، ص ۳۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۲۔

مصائب دیگر تمام چیزوں پر غالب تھے۔ عالم صعق سے ان کی واپسی اور عالم محو سے عالم بیداری کی طرف رجوع ان کیلئے شاق اور دردناک تھا، لیکن جب واپس لوٹتے ہیں تو چونکہ وہ رحمت خداوندی کے مظہر ہیں اس لئے ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ سارے لوگ کامیاب اور خوشبخت ہوں۔ لیکن جب وہ لوگوں کی یہ حالت دیکھتے ہیں کہ وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف جا رہے ہیں اور اپنے لئے گروہ در گروہ جہنم تیار کر رہے ہیں تو انہیں اس بات سے دکھ اور تکلیف ہوتی ہے یہاں تک کہ کافروں کے جہنم جانے کا بھی انہیں دکھ ہوتا ہے کیونکہ وہ رحمت ہیں۔ جب وہ عادلانہ حکومت قائم کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس عادلانہ نظام حکومت کیلئے زبردست تکلیف اٹھاتے ہیں اور انہیں تھپڑ کھانے پڑتے ہیں۔ اس میں بھی تکلیف اور مصیبت ہے لیکن اپنی خاطر نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں کو عدل سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں لیکن لوگ اسے قبول نہیں کرتے۔ (۱۴۸)

عالم ملک وملکوت کے حجابوں سے منزہ ہونا

محبین اور مجذوبین کیلئے عالم کثرت وظہور میں آمد اور مادی و دنیوی امور میں مشغول ہونا یہاں تک کہ ملکوتی تائیدات بھی ایک طرح سے رنج والم کا باعث ہیں جس کا تصور ہم نہیں کر سکتے۔ اولیا کا گریہ زیادہ تر فراق یار، نیز محبوب اور اس کی تکریم سے جدائی کی خاطر ہوتا ہے جیسا کہ اپنی مناجاتوں میں انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے[۱] اگرچہ وہ عالم ملک وملکوت کے حجابوں سے عاری ہیں اور عالم طبیعیات کے جہنم کو پار کر چکے ہیں اور یہ جہنم بجھا ہوا ہے اور شعلہ ور نہیں[۲] نیز وہ دنیوی خواہشات سے مبرا ہیں اور مادی خطاؤں سے ان کے قلوب عاری ہیں لیکن اس کے باوجود اس عالم مادہ میں انسان کا واقع ہونا بجائے خود اس عالم مادہ سے مستفید ہونے کے مترادف ہے اور عالم ملک میں خواہ ناخواہ حاصل ہونے والی یہ لذتیں ان کیلئے حجاب کا باعث بنتی ہیں اگرچہ اس کی مقدار نہایت کم ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ فرماتے تھے: ﴿لَيُغَانُ عَلَىٰ قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي كُلِّ يَومٍ سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ ''میرا دل غبار

۱۔ دیکھئے دعائے کمیل، مناجات خمس عشرۃ و...

۲۔ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف ﴿ولهذا لما سُئل بعض أئمتنا من عموم الآية المذكورة (أي سورة مريم ۱۷) قال: جُزنا وهي خامدة﴾ ''اسی لئے جب ہمارے کسی امامؑ سے مذکورہ آیت کے بارے میں سوال ہوا تو جواباً فرمایا: ہم وہاں (جہنم) سے گزرے جبکہ وہ بجھا ہوا اور خاموش تھا''۔ (علم الیقین، ج ۲، ص ۹۷۱)۔

آلودہ ہوتا ہے اور بہ تحقیق میں روزانہ ستر بار اللہ سے طلب مغفرت کرتا ہوں"۔

شاید ابوالبشر حضرت آدمؑ کی خطا گندم اور دیگر طبیعی امور کی لامحالہ ضرورت اور دنیوی امور کی طرف فطری توجہ تھی۔ اولیا خدا اور مجذوبین کے حق میں یہ امر خطا شمار ہوتا ہے۔ اگر آدمؑ اسی الٰہی جذبے کے تحت باقی رہتے اور عالم ملک میں وارد نہ ہوتے تو دنیا وآخرت کی اس قدر بڑی بساط رحمت نہ بچھتی۔ (۱۴۹)

واردات قلبی پر تسلط کامل

لیکن مقام ولایت وہ مقام ہے جس کے زیر سایہ قلبی واردات کا وقوع عمل میں آتا ہے۔ اگر پورا جہاں ولی کامل کو دے دیا جائے یا ہر چیز اس سے لے لی جائے تب بھی اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوگا اور قلبی واردات و کیفیات میں تبدیلی کا موجب نہ ہوگا۔ (۱۵۰)

اخلاق کے مراتب

اس کا ایک مرحلہ عمل کی تطہیر ہے خواہ عمل قلبی ہو یا جسمانی یعنی عمل کو مخلوق کی رضا اور ان کی خوشنودی کیلئے انجام نہ دینا۔

دوسرا مرحلہ عمل کو دنیوی اغراض اور فانی وزائل مقاصد سے پاک کرنا ہے اگرچہ مقصد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے طفیل کوئی عنایت فرمائے مثلاً رزق میں اضافہ کیلئے نماز شب پڑھنا اور مہینے کی پہلی تاریخ والی نماز کو اس ماہ کی آفات سے محفوظ رہنے کیلئے انجام دینا، نیز صحت وسلامتی اور دیگر دنیوی مقاصد کیلئے صدقہ دینا۔

تیسرا مرحلہ اسے مادی جنتوں، حور وقصور اور اس طرح کی دیگر جسمانی لذات سے پاک کرنا ہے۔ اس کے مقابلے میں مزدوروں کی عبادت ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں مذکور ہے۔

چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ عمل کو جسمانی عذاب وعقاب کے خوف سے مبرا رکھا جائے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں غلاموں کی عبادت ہے۔

پانچواں مرحلہ عمل کو ان عقلی کامیابیوں اور روحانی لذتوں کی خواہش سے پاک رکھنا ہے جو دائمی، ازلی اور ابدی ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کے حلقے میں شامل ہونے، نیز عقول قادسہ اور ملائکہ مقربین میں شمار ہونے کی تمنا سے عمل کو پاک رکھنا ہے۔ اس کے برعکس وہ عمل ہے جو ان مقاصد کیلئے انجام دیا جائے۔

اس کے بعد چھٹا مرحلہ ہے وہ یہ کہ عمل کو مذکورہ لذات اور کامیابیوں تک نہ پہنچنے کے خوف سے پاک کیا جائے۔اس کے مقابلے میں وہ اعمال ہیں جو مذکورہ خوف کی وجہ سے انجام دئے جائیں اگر چہ یہ بھی ایک عالی مرتبہ مرحلہ ہے اور راقم جیسے لوگوں کیلئے قابل ہضم نہیں لیکن اہل اللہ کی نظر میں یہ بھی غلاموں والی عبادت ہے جو بے غرض نہیں۔

ساتواں مرحلہ یہ ہے کہ عبادت کو جمال الٰہی کی لذتوں تک رسائی اور لامتناہی انوار سبحات کی مسرتوں جو لقاء کی جنت سے عبارت ہے سے منزہ رکھا جائے۔یہ مرحلہ یعنی ملاقات کی جنت والا مرتبہ اہل معرفت اور ارباب قلوب کے عظیم مقاصد میں سے ایک ہے اور لوگوں کی امیدوں کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔اس مرتبے تک صرف غیر معمولی اہل معرفت پہنچ سکتے ہیں۔حب وجذبہ کے مقام پر فائز کامل بندگان الٰہی اہل اللہ اور خاصان خدا یہ شرف حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہ کمال، کامل ترین اہل اللہ کا مرتبہ نہیں بلکہ ان کیلئے ایک عام مرتبہ ہے۔مناجات شعبانیہ جیسی دعاؤں میں حضرت امیر المومنین ؑ اور آپ ؑ کی اولاد طاہرہ ؑ نے اس مرتبے کی جو تمنا کی ہے یا اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان معصومین ؑ کے مقامات اسی مرتبے تک محدود ہیں۔چنانچہ آٹھواں مرحلہ جو ساتویں مرحلے کے مقابلے میں ہے اور جو اس بات سے عبارت ہے کہ عمل کو خوف فراق سے ماورا رکھا جائے۔یہ بھی کامل اولیا کا آخری مقام نہیں۔امیر المومنین ؑ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿کَیْفَ أَصْبِرُ عَلَیٰ فِرَاقِکَ﴾ ''میں تیرے فراق کو کیسے برداشت کروں'' وہ آپ ؑ اور آپ جیسی ہستیوں کیلئے ایک عام مرتبہ و مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عمل کو ان دو مراحل و مراتب سے مبرا رکھنا بھی اہل اللہ کے ہاں ضروری ہے اور ان کی موجودگی میں عمل اغراض و مقاصد نفسانیہ سے خارج نہیں ہوتا۔یہ خلوص کا کمال ہے اور اس کے بعد کچھ دیگر مراحل و مراتب ہیں جو خلوص کی حدود سے خارج اور توحید و تجرید اور ولایت کے زمرے میں آتے ہیں۔ان مراحل کا بیان کرنا یہاں مناسب نہیں۔(۱۵۱)

حقیقت روح اور باطن قلب کا خالص ہونا

وہ خلوص جو شیطانی تسلّط سے خارج ہونے کا موجب ہے وہ یہ ہے کہ حقیقت روح اور قلب کا باطن، اللہ کیلئے خالص ہو جائیں۔مناجات شعبانیہ میں حضرت امیر المومنین ؑ کا کلام خلوص کے اسی مرتبے کی طرف

اشارہ ہے: ﴿اِلٰھِي! ھَبْ لِي کَمَالَ الْاَنْقِطَاعِ اِلَیْکَ﴾[1] جب دل اخلاص کے اس مرتبے تک پہنچا جائے اور غیر اللہ سے مکمل طور پر رابطہ توڑ لے اور اس کے وجود کی قلمرو میں حق کے علاوہ کسی کا عمل دخل نہ رہے تب شیطان جو ناحق راستوں سے انسان پر مسلّط ہوتا ہے اس پر تسلّط حاصل نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی پناہ میں لیتا ہے۔ یوں وہ اللہ کے مضبوط قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد معصومؑ ہے: ﴿کَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي آمَنَ مِنْ عَذَابِي﴾[2] ﴿لا الٰه الا اللّٰه﴾ کے قلعے میں دخول کے کئی مراتب و مدارج ہیں جس طرح عذاب سے نجات کے بھی کئی مدارج ہیں۔ پس جو کوئی ظاہر و باطن اور قلب و جسم سب کے ساتھ اللہ کے قلعے میں پناہ لے وہ عذاب کے جملہ مراحل و مدارج سے محفوظ ہوتا ہے، جن میں سب سے سخت مرحلہ جمال حق سے محرومی اور وصال محبوب (جل وعلا) سے محرومیت کا مرحلہ ہے۔ مولا علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: ﴿فَهَبْنِي صَبَرْتُ عَلٰى عَذَابِکَ فَکَیْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِرَاقِکَ﴾۔ ہماری رسائی اس مقام تک نہیں۔ جو اس مقام تک رسائی حاصل کرے وہ اللہ کا حقیقی بندہ ہے اور وہ ربوبی گنبدوں کے تحت زندگی گذارتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اس کے وجود کی قلمرو میں خود تصرف فرماتا ہے۔ یوں وہ طاغوت کے قبضے سے نکل جاتا ہے۔ یہ مقام اولیا کا سب سے اعلیٰ مقام اور اصفیا کا سب سے خاص درجہ ہے۔ دیگر لوگوں کو اس مقام تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ اس کامل مرتبے کا خلوص، کامل ترین اولیا و اصفیا (علیہم الصلاۃ والسلام) کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس مرحلے کا آخری درجہ ذاتی طور پر نبی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خالص، نورانی، لاثانی اور جامع الصفات دل کے ساتھ مخصوص ہے اور آپؐ کے طفیل آپؐ کے کامل ترین اور خالص ترین اہل بیتؑ کو بھی یہ مقام حاصل ہے۔ (۱۵۲)

۱۔ اے میرے معبود! مجھے ہر چیز سے کٹ کر تیری طرف راغب ہونے کی توفیق عطا فرما۔
(مناجات شعبانیہ، اقبال الاعمال، ج ۳، ص ۲۹۹)۔

۲۔ کلمہ ﴿لا الٰه الا اللّٰه﴾ میرا مضبوط قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو جائے وہ میرے عذاب سے محفوظ ہے۔
(التوحید، ص ۲۵، ح ۲۲، باب ثواب الموحدین والعارفین؛ نیز بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۳؛ نیز کتاب التوحید، باب اول، حدیث ۲۷)۔

اولیائے خدا کا خوف

خوف عظمت وجلال کے مشاہدے سے لاحق ہوتا ہے۔ خواہ یہ مشاہدہ تجلیات افعالی کا ہو یا تجلیات صفاتی کا جو عظمت وجلال کا آخری مرتبہ ہے۔ ہم نے تجلیات صفاتی کو آخری درجہ اس لئے قرار دیا ہے کیونکہ تجلیات ذاتی خوف کے فنا اور اس کے زائل ہونے کا مقام ہے۔ قرآنی آیت: ﴿الاَ اِنَّ اَوْلِیَـــــآءَ اللّٰہِ لاَ خَوفٌ عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُونَ﴾۱ میں بھی شاید اولیائے مطلق کا ذکر ہے جو فنائے کامل کے مرتبے پر فائز ہو چکے ہوں اور اپنے علاوہ خوف کے تمام مدارج سے بیگانہ ہو چکے ہوں۔

کبھی حجاب کی حالت میں خوف لاحق ہوتا ہے۔ اس حالت میں جو خوف لاحق ہوتا ہے وہ نفس اور ابلیس کے تصرفات کا اثر ہے جو حق کے مقابلے میں گستاخی ہے کیونکہ غیر حق کیلئے غیر حق کا خوف برحق نہیں ہوسکتا۔ بنابریں کامل ترین انبیاء اور عظیم اولیا کو لاحق ہونے والے خوف جو "صحو" اور ہوش کے بعد انہیں لاحق ہوتا ہے اور دوسروں (محتجبین) کے خوف میں فرق واضح ہو جاتا ہے، نیز ان کی اور دوسروں کی رغبت اور خوف کا فرق بھی عیاں ہوتا ہے۔ (۱۵۳)

حقیقی خوف کے مقام تک رسائی

بطور کلی یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ خوف کے درجات: عبادت گزاروں اور سالکین الی اللہ کے درجات میں اختلاف، نیز معرفت کے درجات میں اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ پس خوف کا پہلا درجہ عقاب وعذاب کا خوف ہے۔ یہ عام لوگوں کا خوف ہے۔

دوسرا درجہ خاص لوگوں کا خوف ہے جو خوف عقاب سے عبارت ہے۔ یہ لوگ اس بات سے خوف کھاتے ہیں کہ مبادا بارگاہ مولا سے دھتکارے جائیں اور اللہ کی طرف سے عتاب و بے توجہی کے شکار ہو جائیں۔ یہ لوگ لذات حیوانی اور خواہشات نفسانی و مادی سے دور ہیں لیکن معنوی لذات ان کی روح کے ذائقے میں جاگزین ہوتی ہیں اور وہ قرب منزلت ومقام کے طالب ہوتے ہیں اور جب تک یہ ذاتی خواہش موجود ہے انسان نفسانیت اور رنگ شیطانی سے پاک اور مبرا نہیں ہوسکتا۔

خوف کا تیسرا درجہ "اخص خواص" لوگوں کا خوف ہے۔ یہ احتجاب کا خوف ہے۔ یہ لوگ عطائے الٰہی پر

۱۔ آگاہ رہو کہ اولیا خدا نے خوف کھاتے ہیں اور نہ حزن وغم کا شکار ہوتے ہیں۔ (سورۂ یونس/۶۲)

نظر نہیں رکھتے بلکہ بارگاہ محبوب میں حاضری کے شوق ولذت کے باعث وہ دو جہاں سے بیگانہ ہوتے ہیں لیکن جب تک ان میں نفسانیت اور انانیت کا کوئی رمق باقی ہو اور اپنی خاطر مشاہدہ وحضور کی خواہش موجود ہو اسے اللہ کی حقیقت محبت اور حقیقی خلوص شمار کرنا درست نہیں اگر چہ یہ بذات خود ایمان کا ایک بلند درجہ ہے جس تک صرف خالص ترین صاحبان معرفت کو رسائی ہو سکتی ہے۔ ہم جیسے محجوب لوگوں کی رسائی نہ اس مرتبے تک ہو سکتی ہے نہ اس سے کمتر مقام تک۔

چوتھا درجہ اولیا کا خوف ہے۔ یہ لوگ انیت اور انانیت کے غبار سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ کے رنگ میں رنگے جا چکے ہوتے ہیں: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً...﴾[۱] ان لوگوں کے صاف وشفاف دلوں پر جمال وجلال کے جو جلوے ہوتے ہیں ان کی وجہ سے ان پر خوف طاری ہوتی ہے۔ حقیقت خوف اسی آخری مرحلے سے عبارت ہے جہاں نفسانیت اور انانیت کو دخل حاصل نہیں ہوتا۔ (۱۵۴)

تواضع کے کامل ترین مقام پر فائز لوگ

پہلا درجہ کامل اولیا اور انبیائے عظام ؑ کا تواضع ہے۔ یہ ہستیاں اپنے دلوں پر ہونے والی ذاتی، اسمائی، صفاتی اور افعالی تجلیات کی بدولت اللہ کے حضور نیز اللہ کے مظاہر جلال و جمال کے آگے متواضع ہوتی ہیں۔ ربوبیت کا کمال اور ان کی عبودیت کی ذلت کا مشاہدہ ان کے دلوں میں انتہائی تواضع اور تذلل پیدا کر دیتا ہے۔ انکے اندر یہ دونوں زاویے اور مشاہدے جس قدر کامل ہوں اسی حساب سے تواضع کی حقیقت بھی ان کے اندر کامل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ عارف ترین بندہ خدا اور عابد ترین عبد پروردگار حضرت خاتم النبیین ؐ تمام موجودات میں اللہ کے حضور سب سے زیادہ متواضع ہستی ہیں کیونکہ آپ ؐ کمال ربوبیت اور نقص عبودیت کا مشاہدہ تمام موجودات کی بہ نسبت کامل ترین صورت میں فرماتے تھے۔

متواضعین کا یہ گروہ جس طرح حق جل وعلا کے آگے متواضع ہوتا ہے اسی طرح اس کے جلال و جمال کے مظاہر کے سامنے بھی اس کی خاطر فروتن ہوتا ہے۔ ان کے سامنے تواضع حق کے آگے تواضع کا لازمہ اور نتیجہ ہے۔ یہ حضرات تواضع کے علاوہ محبت کے مقام پر بھی فائز ہوتے ہیں اور اللہ کی محبت کی متابعت میں مظاہر حق سے بھی محبت کرتے ہیں۔ یہ تواضع جس کے ساتھ محبت بھی ملی ہوئی ہوتی ہے تواضع کا

۱۔ خدائی رنگ اختیار کرو اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے؟ اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔ (بقرہ/۱۳۸)

کامل ترین مرتبہ ہے۔(۱۵۵)

شکر کے جملہ مراتب کی ادائیگی

جو لوگ اسباب ظاہری اور اسباب باطنی کو الگ سمجھتے ہیں اور اسباب و مسبّبات اور وسائط کو جداگانہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو حق اور خلق کے روابط سے باخبر ہیں اور مراتب وجود کی ابتدا و انتہا کو حق کی طرف لوٹاتے ہیں، نیز مسبّب الاسباب کے جلوے کو نورانی و ظلمانی پردوں کے پیچھے سے نور قلبی کی بدولت دیکھ لیتے ہیں۔

وجود کی پہلی تجلی اور وجود کی نعمت کے حصول سے لے کر جلوۂ قبضی کے ذریعے ہونے والی آخری تجلی جو مالکیت و قہاریت کی بساط پر جلوہ گر ہوتی ہے، تک اللہ کی نعمتوں کے جملہ مراتب کا شکر ادا ہو جائے تو سالک کے دل میں ''مشاہدۂ حضوریہ'' واقع ہوتا ہے بلکہ سالک کا دل بذات خود، رحمانی، رحیمی، مالکی اور قہاری جلوے کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ حقیقت سوائے کامل ترین اولیا کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت صرف حضرت ختمی مرتبت ﷺ اصالۃً اور اولیائے کامل تبعاً اس حقیقت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات مقدس کا ارشاد ہے: ﴿وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾[۱] (۱۵۶)

شکر کے جملہ مراتب کی ادائیگی

چونکہ صرف تھوڑے بندوں کو نعمتوں کے جملہ مراتب حاصل ہوتے ہیں اس لئے شکر کے جملہ مراتب کی بجا آوری بھی تھوڑے بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے خالص ترین اولیا ہیں جو تمام عوالم اور برزخ البرازخ کے جامع ہوتے ہیں، نیز جملہ ظاہر و باطنی مراتب کے حافظ ہوتے ہیں۔ بنابریں ان کا شکر تمام ظاہری و باطنی اور پوشیدہ زبانوں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔

شکر کے بارے میں اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق مقامات عامہ سے ہے کیونکہ اس میں منعم کی نعمت کا بدلہ چکانے کا دعویٰ بھی ہوتا ہے جو بے ادبی شمار ہوتا ہے لیکن یہ دعویٰ غیر اولیا سے مربوط ہے نہ کہ اولیا سے، خاص کر اولیائے کامل سے جو جامع عوالم اور مقام وحدت و کثرت کے حافظ ہیں۔(۱۵۷)

۱۔ میرے بندوں میں سے تھوڑے لوگ شکر گزار ہیں۔(سورۂ سبا/۱۳)

نفسانی سفر کے بغیر ربانی سفر

اگر سفر نفسانی مراتب کے درمیان اور نفسانی کمالات تک رسائی کیلئے ہو تو وہ سفر اللہ کی جانب سفر نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ سفر نفس سے نفس تک کا سفر ہے لیکن سالک کیلئے اللہ کی طرف سفر کی خاطر خواہ ناخواہ یہ سفر درپیش ہوگا اور سوائے اولیائے کامل ؑ کے کوئی فرد نفسانی سفر کے بغیر ربانی سفر نہیں کر سکتا۔ یہ خصوصیت صرف کامل اولیا کو حاصل ہے۔ آیت شریفہ: ﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾[۱] شاید اشارہ ہو اس نجات کی طرف جو تصرفات شیطانی ونفسانی سے مادیت کی تاریک راتوں میں سیر وسلوک کے جملہ مراتب میں حاصل ہوتی ہے۔ یہ اولیائے کامل کیلئے لیلۃ القدر ہے روز قیامت کے طلوع فجر تک اور جمال احدیت کا مشاہدہ ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ سیر وسلوک کے جملہ مراحل میں محفوظ وسالم نہیں رہتے بلکہ ابتدائی مراحل میں کوئی سالک شیطانی تصرفات سے محفوظ نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ اخلاص کا یہ مرتبہ جو سیر الی اللہ کی ابتدا سے لے کر آخری مراحل تک جو حقیقی موت سے عبارت ہے بلکہ ثانوی اور حقانی حیات جو صحو بعد المحو کے بعد تک سلامتی سے عبارت ہے ہر سالک اور عام ارباب معرفت وریاضت کو حاصل نہیں ہوتا۔ (۱۵۸)

ائمہؑ صراط مستقیم ہیں

احادیث شریف میں اس آیت شریفہ ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي ...﴾[۲] کی بحث میں ﴿... صراط مستقیم﴾ کا مصداق حضرت امیر المومنین اور ائمہ معصومین (علیہم السلام) کو قرار دیا گیا ہے:

عن الكافي باسناده عن أبي الحسن الماضي ؑ قال: ﴿قلتُ: ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمْ مَنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلَىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ قال: إنَّ اللهَ ضَرَبَ مَثَلاً مَنْ حادَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيٍّ ؑ كَمَنْ يَمْشِي عَلَىٰ وَجْهِهِ لا يَهْتَدِي لِأَمْرِهِ وَجَعَلَ مَنْ تَبِعَهُ سَوِيّاً عَلَىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ وَالصِّراطُ الْمُسْتَقِيمُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ؑ﴾[۳] فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک مثال

۱۔ یہ شب باعث سلامتی وبرکت ہے طلوع فجر تک۔ (سورۂ قدر/۵)

۲۔ سورۂ ملک/۲۲۔

۳۔ اصول کافی، ج۱، ص۴۳۲، کتاب الحجہ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایہ، ح۹۱۔

دی ہے وہ مثال ان لوگوں کی ہے جو امیر المومنین ؑ کی ولایت سے روگرداں ہیں گویا یہ لوگ اپنے منہ کے بل چلتے ہیں اور ہدایت نہیں پاتے اور جن لوگوں نے آپ کی پیروی کی انہیں راہ راست پر رکھا ہے اور صراط مستقیم امیر المومنین ؑ ہیں۔(۱۵۹)

ولایت ہی صراط کی حقیقت

صراط کی حقیقت، ولایت کی باطنی صورت سے عبارت ہے۔ چنانچہ احادیث میں مذکور ہے کہ ''امیر المومنین ؑ صراط ہیں'' [۱] دوسری حدیث میں ہے: ''صراط مستقیم ہم ہیں'' [۲] اسی طرح زیارت جامعہ میں ہے: ﴿أنتُمُ السَّبِيلُ الأعْظَمُ وَالصِّراطُ الأقْوم﴾ [۳](۱۶۰)

خدا کو پانے کا نزدیک ترین راستہ

صراط مستقیم سے مراد ہے اللہ تک رسائی کا نزدیک ترین راستہ۔ یہ راستہ رسول اللہ ؐ اور آپ ؐ کا گھرانہ ہیں۔ چنانچہ احادیث میں ''صراط مستقیم'' سے مراد رسول خدا ؐ، ائمہ ہدیٰ ؑ اور امیر المومنین ؑ کو لیا گیا ہے، نیز احادیث میں مروی ہے کہ رسول اکرم ؐ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے ارد گرد مزید لکیریں کھینچیں پھر فرمایا: ''یہ درمیانی سیدھا راستہ میرا راستہ ہے'' [۴]

۱۔ امام صادق ؑ سے مروی ہے: ﴿الصراطُ المستقيمُ أمير المؤمنين علي ؑ﴾۔

معانی الاخبار، ج ۲، ص ۳۲، باب معنی الصراط، ح ۲؛ نیز اسی باب کی تیسری حدیث تفسیر علی بن ابراہیم، ص ۶۰۶۔

۲۔ عن سيد العابدين على بن الحسين ؑ قال: ﴿ليس بين الله وبين حجته حجابٌ فلا لله دون حجته ستر، نحن ابواب الله ونحن الصراط المستقيم ونحن عيبة علمه ونحن تراجمة وحيه ونحن أركان توحيده ونحن موضع سرّه﴾ امام سجاد ؑ سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے حجت کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ اللہ کیلئے اس کی حجت کے علاوہ کوئی پردہ نہیں۔ ہم ہی اللہ کے دروازے ہیں۔ ہم ہی صراط مستقیم ہیں۔ ہم ہی اس کے علم کا خزانہ ہیں۔ ہم ہی اس کی وحی کے ترجمان ہیں۔ ہم ہی اس کی توحید کی بنیاد اور اس کے سر کی جگہ ہیں''۔

(معانی الاخبار، ج ۲، ص ۳۵، باب معنی الصراط، ح ۵)

۳۔ آپ حضرات ہی عظیم ترین راستہ اور درست و محکم طریق ہیں۔

زیارت جامعہ کبیرہ، من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۳۷۲، مفاتیح الجنان باب زیارات)

۴۔ تقریباً یہی مفہوم علم الیقین، ج ۲، ص ۹۶۷ میں بھی مذکور ہے۔

شاید اللہ کے قول: ﴿جَعَلْناکُم اُمَّۃً وَسَطاً﴾ ۱؎ میں وسط سے مراد اس کا وسیع تر اور تمام معانی کو شامل جامع مفہوم ہو جن میں سے ایک روحانی معارف و کمالات کی وسطیت ہے۔ یہ برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کی منزل ہے۔ اسی لئے یہ مقام صرف کامل ترین اولیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی لئے حدیث میں مذکور ہے کہ اس آیت سے مراد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت امام باقرؑ برید بن معاویہ عجلی سے فرماتے ہیں: ''امت وسط ہم ہیں اور لوگوں پر اللہ کے گواہ ہم ہی ہیں'' ۲؎ دوسری حدیث میں فرمایا: ''غالی ہماری طرف رجوع کرتے ہیں اور مقصر ہم سے ملحق ہوتے ہیں'' ۳؎ اس حدیث میں مذکورہ نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (۱۶۱)

اولیا کی پیروی کی ضرورت

حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں میں اعلان کرو تا کہ وہ تیرے پاس آئیں ۴؎ اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ یہ راستہ وہ راستہ ہے جسے ولی اللہ کے ذریعے طے کیا جانا چاہئے۔ اسے اولیا اللہ کے ذریعے طے ہونا چاہئے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے زمانے کے ولی تھے۔ آپؑ تمام نسلوں کے ولی ہیں جبکہ رسول اکرمؐ ولی اعظم ہیں اور تمام جہانوں کے ولی ہیں۔ ان ہستیوں کے ذریعے مطلوب منزل تک رسائی ہو سکتی ہے۔ (۱۶۲)

۱۔ ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا۔ (سورۂ بقرہ/۱۴۳)

۲۔ عن برید العجلی قال: ﴿سألت أبا عبد الله عن قول الله عزّ وجلّ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْناكُم اُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَداءَ عَلَى النّاس﴾ قال: نحن الامة الوسطىٰ ونحن شهداء الله على خلقه وحججه في أرضه...﴾ ۔ برید عجلی کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے اللہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا: ''اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو'' آپؑ نے فرمایا: امت وسط ہم ہیں اور مخلوقات خدا پر اللہ کے گواہ ہم ہیں اور ہم ہی اللہ کی زمین میں اس کی حجت ہیں۔

اصول کافی، ج۱، ص۱۹۰، کتاب الحجہ، باب فی ان الائمہ شہداء اللہ عز و جل علی خلقہ، ح۲۔

۳۔ ﴿الينا يرجع العالي وبنا يلحق المقصّر﴾ ۔ تفسیر عیاشی، ج۱، ص۸۱ و ۸۲، ح۱۱۱؛ بحار الانوار، ج۲۳، ص۳۴۹؛ نیز کتاب الامامہ، باب عرض الاعمال علیہم وانہم الشہداء، ح۵۷۔

۴۔ اشارہ ہے آیت قرآنی: ﴿وَأَذِّنْ فِي النّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجالاً...﴾ کی طرف۔ ''لوگوں میں حج کیلئے اعلان کرو تا کہ لوگ دور دراز سے پیدل چل کر اور کمزور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں''۔ (سورۂ حج/۲۷)

اولیا اللہ، اللہ کی طرف جانے کا ذریعہ

اے ابراہیم! لوگوں کے درمیان پکار کر اعلان کر دو تاکہ وہ تیری طرف آئیں[۱] اور رسول خدا کی طرف آئیں جب رسول خدا موجود ہوں اور ولی خدا کی طرف آئیں جب ولی موجود ہو، اس کی طرف آئیں کیونکہ اس کی طرف آنا اللہ کی طرف جانے سے عبارت ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کی طرف آنا خدا کی طرف جانے کے منافی ہو اور خدا کے مقابلے میں ان کی طرف آئیں۔ اس کی طرف جانا ہو بہو اللہ کی طرف جانے سے عبارت ہے۔ بنابریں اللہ کی طرف جانے کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن اس کا راستہ اور طریقہ یہ ہے۔ (۱۶۳)

حق اور خلق کے درمیان روحانی وغیبی واسطے

یہ روحانی سفر اور ایمانی معراج[۲] اس شکستہ اور بے لگام پاؤں اس اندھی آنکھ اور اس تاریک دل کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ ﴿وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ﴾[۳] پس اس روحانی راستے کو طے کرنے اور اس عرفانی معراج تک رسائی کیلئے طرق معرفت کے ہادیوں اور انوار راہ ہدایت جو واصل الی اللہ اور عاکف علی اللہ ہیں کے روحانی مقام سے تمسک ضروری اور لازم ہے۔ اگر کوئی اپنی انانیت کے باعث ان کی ولایت سے تمسک کے بغیر اس راہ کو طے کرنا چاہے تو اس کا یہ سفر شیطان اور ہاویہ کی جانب سفر ہوگا۔

علمی اصطلاح میں بیان کیا جائے تو جس طرح حادث کو قدیم سے اور متغیر کو ثابت سے مربوط کرنے کیلئے کسی واسطے اور رابطے کی ضرورت ہوتی ہے جو ثبات و تغیر اور قِدم و حدوث کی خصوصیات کا حامل ہو کیونکہ اگر یہ واسطہ نہ ہو تو فیض قدیم و ثابت، قانون خداوندی کی رو سے کسی متغیر و حادث کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا یوں رابطۂ کونیۂ وجودیہ کا حصول ممکن نہ ہوگا اور ان دونوں کے درمیان رابطے کے معاملے میں برہانی علوم کے ماہرین کے نقطہ نظر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عرفانی طرز فکر کا تقاضا کچھ اور ہے جس کی تفصیل بیان

۱۔ اشارہ ہے آیت قرآنی: ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً...﴾ کی طرف۔ "لوگوں میں حج کیلئے اعلان کرو تاکہ لوگ دور دراز سے پیدل چل کر اور کمزور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں"۔ (سورۂ حج / ۲۷)

۲۔ اس سے مراد نماز ہے۔

۳۔ جس کیلئے اللہ کوئی نور قرار نہ دے اس کیلئے کوئی نور نہیں۔ (سورۂ نور / ۴۰)

کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اور ذوق عرفانی کی رو سے یہ واسطہ فیض مقدس اور وجود منبسط سے عبارت ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کے مقام کا حامل ہے جو بعینہ رسول ختمی مرتبت ؐ کی روحانیت وولایت جو ولایت مطلقہ علویہ کے ساتھ متحد ہے سے عبارت ہے، اسی طرح رابطہ روحانیۂ عروجیہ جو رابطہ کونیۂ نزولیہ کے برعکس ہے یعنی فیض وجود اور رجوع الی المبدأ ہے میں بھی واسطے کی ضرورت ہے جس کے بغیر رابطہ صورت پذیر نہیں ہوسکتا، نیز کمال مطلق کے ساتھ ناقص ومقید قلوب اور پست ومحدود ارواح کا رابطہ روحانی وغیبی واسطوں کے بغیر برقرار نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ حق تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ہر موجود کے ساتھ قیوم اور ہر شئے پر محیط ہے جیسا کہ آیت شریفہ: ﴿مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلاَّ هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ ۱؎ میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے، تو یہ مقامات میں خلط اور اعتبارات میں اشتباہ نیز کثرت مراتب وجود اور فنائے تعینات میں خلط سے عبارت ہے۔

خالق ومخلوق کے درمیان روحانی اور غیبی واسطے

خلاصہ یہ کہ اولیائے نعم جو معارج کی طرف پرواز کی راہ پا چکے ہیں اور اللہ کی طرف اپنے سفر کو مکمل کر چکے ہیں کے ساتھ تمسک سیر الی اللہ کیلئے ضروری ولازم ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں بھی اس کی طرف بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے چنانچہ وسائل الشیعہ میں ایک باب اس بارے میں مخصوص ہے کہ ائمہ ؑ کی ولایت اوران کی امامت پر اعتقاد کے بغیر عبادت باطل ہے اور کافی شریف کی حدیث وسائل میں محمد بن مسلم کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے حضرت امام باقر ؑ سے سنا: ''اے محمد! جان لو کہ ائمہ جور اوران کے پیروکار دین خدا سے خارج ہیں۔ وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے ہیں۔ ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جسے ایک طوفانی دن کی تیز ہوا اڑا لے'' ۲؎

۱۔ سورۂ ہود/۵۶۔

۲۔ ﴿واعلم يا محمد! انّ أئمة الجور وأتباعهم لمعزولون عن دين الله قد ضلّوا وأضلّوا فأعمالهم التي يعملونها كرماد اشتدّت به الريح في يوم عاصف لا يقدرون مما كسبوا علىٰ شيء ذلك هو الضلال البعيد﴾ (اصول کافی، ج۱، ص۱۸۳ و۱۸۴ کتاب الحجہ، باب معرفۃ الامام والرد الیہ، ح۸؛ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۰، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۲۹، ح۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنی راتیں عبادت میں بسر کرے، دنوں کو روزہ رکھے، اپنے تمام مال کو صدقہ دے اور زندگی بھر حج کرے لیکن اللہ کے ولی کی ولایت کو نہ پہچانے تا کہ اس سے موالات رکھے اور اپنے تمام اعمال اس کی رہنمائی میں انجام دے تو اللہ کے ہاں سے وہ کسی ثواب کا مستحق نہیں ہے اور وہ ایمان والوں میں سے نہیں'' ۱؎ (۱۶۴)

روحانی سفر اور معراج الٰہی کے رہنما

نجات کا محفوظ تر اور نزدیکتر راستہ یہ ہے کہ نمازی جملہ اقوال وافعال میں رسول اللہ ﷺ کی روحانیت یا ولایت یا امام عصر (سلام اللہ علیہ) کی پیروی کرے اور ان کی زبان سے حق کی ثنا خوانی کرے، نیز افعال میں بھی ان کے افعال واعمال سے متمسک رہے۔ ملائکہ اور جنود الٰہیہ کا امام خود بھی مقام رسالت وولایت کا ماموم ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس روحانی سفر کو طے کرتے وقت اور اس معراج الٰہی کی طرف عروج کرتے وقت جس طرح ان بزرگ ہستیوں کی رہنمائی لازم ہے اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ ان کی مکمل متابعت کی جائے اور ہر طرح سے ان کے آگے سر تسلیم خم رہا جائے۔(۱۶۵)

راہ بندگی کے رہنما اور اہل معرفت کے وسیلے

تشہد وسلام جو نماز کا اختتامیہ ہے کے اہم آداب میں سے ایک رسول اکرمؐ کی حرمت کی معرفت ہے۔ لہذا بندہ کو سالک یہ یقین کرنا چاہئے کہ اگر سرور کائنات کا ظہور تام نہ ہوتا تو کسی کیلئے ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ کی بندگی کرے یا مقام قرب اور معراج معرفت تک رسائی حاصل کرے۔ پس جس طرح نماز کی ابتدا میں راہ معرفت اور معراج حقیقت کے ہمسفر اور ساتھی آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ تھے اسی طرح اس سفر کی انتہا کے وقت بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہی ہستیاں ہمارے ولی نعمت ہیں، نیز وہ اہل معرفت کیلئے راہ وصول اور پروردگار جلت عظمتہ کی برکات کے نزول کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ ﴿لَولا هُمْ ما عُبِدَ الرَّحْمٰنُ وَما

۱۔ ﴿أما لو أنّ رجلاً قام ليله وصام نهاره وتصدّق بجميع ماله وحجّ جميع دهره ولم يعرف ولاية وليّ الله فيواليه ويكون جميع أعماله بدلالته اليه، ما كان على الله عزّوجلّ حقّ في ثوابه ولا كان من أهل الايمان﴾ (اصول کافی، ج۲، ص۱۸، کتاب الایمان والکفر، باب دعائم الاسلام، ح۵)۔

﴿عرف الرحمٰن﴾ ۱ جو شخص ولایت و رسالت کی معمولی شناخت بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اولیا علیہم السلام کو خلق کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ (۱۶۶)

بندگی، مطلق تک رسائی

جاننا چاہئے کہ عبودیت مطلقہ، کمال کا ایک عالی ترین مرتبہ اور انسانیت کا ایک بلند ترین مقام ہے۔ اس مرتبے تک رسائی کسی کیلئے ممکن نہیں سوائے کامل ترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنہیں بالاصالہ یہ شرف حاصل ہے؛ ثانیاً کامل ترین اولیا کے، جنہیں رسول اکرم ؐ کی وجہ سے یہ مقام حاصل ہے دوسرے لوگ عبودیت کی اس منزل تک پہنچنے سے قاصر ہیں اور انکی عبادت و بندگی اغراض و مقاصد کی تابع ہے۔ (۱۶۷)

عبادت کے دوران معصومین ؑ کی خاص حالت

عبادت کی حالت میں جو کیفیت امام صادق علیہ السلام کی ہوتی تھی وہ دوسروں کیلئے ممکن نہیں۔ چنانچہ سید ابن طاووس ؒ ۲ کی کتاب ''فلاح السائل'' سے منقول ہے:

رُوِيَ أنَّ مولانا جعفر بن محمدٍ الصادق علیہ السلام كانَ يَتلُوا القُرآنَ في صلاتِهِ فَغُشِيَ عَلَيْهِ فَلَمّا أفاقَ سُئِلَ مَا الَّذِي أوْجَبَ مَا انْتَهَتْ حالُكَ إلَيْهِ؟ فَقالَ ما معناه: مازِلْتُ أكَرِّرُ آياتِ القُرآنِ حَتّىٰ بَلَغْتُ إلىٰ حالٍ كأنَّني سَمِعْتُها مُشافَهَةً مِمَّنْ أنْزَلَها عَلَى المُكاشَفَةِ وَالعِيانِ فَلَمْ تَقُمِ القُوَّةُ البَشَرِيَّةُ بِمُكاشَفَةِ الجَلالِيَّةِ الالٰهِيَّةِ﴾ ۳

۱۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی اور نہ اس کی معرفت ہوتی۔ یہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جو برید عجلی سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے امام باقرؑ کو یہ فرماتے سنا: ﴿بِنا عُبِدَ اللّٰهُ وَبِنا عُرِفَ اللّٰهُ وَبِنا وُحِّدَ اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعالىٰ﴾ (اصول کافی، ج۱، ص۱۴۵، کتاب التوحید، باب النوادر، ح۱۰)۔

۲۔ رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر (۵۸۹ تا ۶۶۴ ھ) المعروف ''ابن طاووس'' غیبت صغریٰ کے دوران حضرت حجتؑ کے قریبی اصحاب میں سے ایک ہیں۔ تمام علوم میں ان کی گرانقدر کتابیں ہیں خاص کر اخلاقیات وعبادات میں، ان کتابوں میں: مہج الدعوات، اقبال الاعمال، جمال الاسبوع، کشف المحجۃ، الیقین اور فلاح السائل بھی شامل ہیں۔

۳۔ مروی ہے کہ امام صادقؑ اپنی نماز میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے تو آپؑ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو آپؑ سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔ فرمایا: میں آیات قرآن کو مسلسل دھراتا رہا یہاں تک کہ مجھے یہ محسوس ہونے لگا گویا یہ آیات اس کے نازل کرنے والے سے براہ راست سن رہا ہوں مکاشفہ و عیان کے طور پر۔ پس قوت انسانی اللہ کے مکاشفۂ -->

اسی طرح نماز میں رسول اکرمؐ کی جو حالت ہوتی تھی وہ کسی مخلوق کی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے: ﴿لِي مَعَ اللهِ حالٌ لا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ﴾ا یہاں میں ان باتوں کا ذکر کرنے سے گریز کرتا ہوں جن کی توفیق ہمیں حاصل نہیں سوائے الفاظ کے۔ (۱۶۸)

نماز کے دوران معصومینؑ کی حالت

ان بزرگ ہستیوں کے احوال، نیز عبادت و مناجات کے دوران ان کی کیفیت پر ذرا نظر کرو اگر چہ وہ معصومؑ تھے لیکن پھر بھی ان میں سے بعض کا رنگ نماز کے دوران متغیر ہو جاتا تھا اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں حکم خداوندی کی ادائیگی میں کوئی لغزش نہ ہو جائے۔۲

حضرت مولائے متقیان علیہ السلام کے بارے میں معروف ہے کہ آپؑ کے پیر میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا جسے باہر نکالنا آپؑ کیلئے نا قابل برداشت تھا۔ جب آپؑ نماز پڑھنے میں مشغول تھے تو یہ تیر نکالا گیا اور آپؑ کو بالکل محسوس نہیں ہوا۔۳ (۱۶۹)

حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو آپؑ کا بدن مضطرب ہو جاتا اور لرزتا تھا۔ پوچھا گیا: آپ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا: اللہ کی اس امانت کا وقت آ گیا ہے جسے اللہ نے آسمانوں اور زمین کے سامنے رکھا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔۴

<۔ جا الیہ کی تاب نہ لا سکا۔ (فلاح السائل، ص ۱۰۷ و ۱۰۸، ذکر ادب العبد فی قرائۃ القرآن فی الصلاۃ)۔

۱۔ اللہ کے سامنے مجھے ایسی حالت حاصل ہوتی ہے جسے کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل برداشت نہیں کر سکتا۔ اربعین مجلسی، ص ۷۷، شرح حدیث ۱۵۔ حدیث میں لفظ ''حالت'' کی جگہ لفظ ''وقت'' آیا ہے۔ کلمات مکنونہ، ص ۱۰۱ (عبارت میں معمولی تفاوت کے ساتھ)، نیز بصائر الدرجات، ص ۲۳، باب ۱۱۔

۲۔ دیکھئے: بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۸۰؛ نیز تاریخ سید الساجدین، باب ۵، ح ۷۵۔

۳۔ جامع السعادات، ج ۱، ص ۳۲۸۔

۴۔ اللؤلؤیات نامی کتاب کے مصنف باب الخشوع میں فرماتے ہیں: ﴿كانَ عَلِيُّ ابْنُ أبي طالِبٍؑ إذا حَضَرَ وَقْتُ الصَّلاةِ يَتَزَلْزَلُ وَيَتَلَوَّنُ فَيُقالُ لَهُ: ما لَكَ يا أميرَ المُؤمنينَ؟ فَيَقُولُ: جاءَ وَقْتُ أمانَةِ اللهِ الَّتي عَرَضَها عَلَى السَّماواتِ وَالأرْضِ فَأبَيْنَ أنْ يَحْمِلْنَها وَأشْفَقْنَ مِنْها وَحَمَلَها الإنْسانُ فَلا أدْري أحْسَنَ أداءَ ما حَمَلْتُ أمْ لا﴾۔ (مستدرک الوسائل، ج ۴، ص ۹۳، باب ۲، ح ۴۲۱۶؛ نیز ص ۹۹، ص ۴۲۲۵)۔

سید بن طاؤس "فلاح السائل" میں نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن ؑ وضو کرتے تھے تو آپ ؑ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ ؑ پر رعشہ طاری ہوتا تھا۔ جب آپ ؑ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: "جو شخص مالک عرش کے آگے کھڑا ہو جائے اس کیلئے سزاوار ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو جائے اور اس پر رعشہ طاری ہو"۔ اسی طرح حضرت امام حسن ؑ کے بارے میں اسی قسم کی بات منقول ہے۔[۱] حضرت امام سجاد ؑ سے مروی ہے کہ جب وضو کا وقت ہوتا تو آپ ؑ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ آپ ؑ سے اس کی پوچھی گئی کہ وضو کے وقت آپ کی یہ کیا حالت ہو جاتی ہے؟ تو امام ؑ نے فرمایا: "تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس کے آگے کھڑا ہوں"۔[۲] (۱۷۰)

محبت خداوندی میں کی جانے والی عبادت

احرار کی عبادت وہ ہے جس اہل عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس ذات پاک تک رسائی کیلئے انجام دیتے ہیں۔ وہ جہنم کے خوف اور بہشت کے شوق کی خاطر عبادت نہیں کرتے۔ یہ عبادت اولیا و احرار کا پہلا مقام ہے۔ (۱۷۱)

احرار کی عبادت اولیا کی عبادت کا پہلا مرحلہ

ائمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے: "ہماری عبادت احرار کی عبادت ہے جو صرف حبّ خدا کیلئے ہے، بہشت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے نہیں"۔[۲] عبادت کا یہ مرتبہ ولایت کا ایک عام درجہ اور پہلا مرحلہ ہے۔ ان کی عبادتوں کی کچھ کیفیتیں ایسی ہیں جو ہمارے اور آپ کے فہم سے بالاتر ہیں۔ (۱۷۲)

۱۔ فلاح السائل از کتاب لؤلؤیات: قال: ﴿كانَ الحَسَنُ بنُ عليٍّ ؑ إذا تَوَضَّأَ تَغَيَّرَ لَونُهُ وَارْتَعَدَتْ مَفاصِلُهُ، فَقِيلَ لَهُ في ذلكَ، فقالَ: حَقٌّ لِمَنْ وَقَفَ بَيْنَ يَدَيْ ذِي الْعَرْشِ أَنْ يَصْفَرَّ لَونُهُ وَتَرْتَعِدَ مَفاصِلُه﴾
بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۳۴۶، کتاب الطہارۃ، باب سنن الوضوء وآدابہ، ح ۳۰۔

۲۔ ارشاد معصوم ؑ ہے: ﴿العِبادَةُ ثَلاثَةٌ: قَومٌ عَبَدُوا اللهَ عَزَّوَجَلَّ خَوفاً، فَتِلْكَ عِبادَةُ الْعَبِيدِ، وَقَومٌ عَبَدُوا اللهَ تَبارَكَ وَتَعالىٰ طَلَبَ الثَّوابِ، فَتِلْكَ عِبادَةُ الأُجَراءِ، وَقَومٌ عَبَدُوا اللهَ عَزَّوَجَلَّ حُبّاً لَهُ، فَتِلْكَ عِبادَةُ الأَحْرارِ وَهِيَ أَفْضَلُ الْعِبادَةِ﴾
"عبادت کی تین قسمیں ہیں: کچھ لوگ اللہ کی عبادت ڈر کی وجہ سے کرتے ہیں، یہ غلاموں والی عبادت ہے۔ کچھ لوگ اللہ کی عبادت طلب ثواب کیلئے کرتے ہیں جو مزدوروں کی عبادت ہے اور کچھ لوگ اللہ کی عبادت اس کی محبت کے باعث کرتے ہیں۔ یہ احرار کی عبادت ہے جو تمام عبادتوں سے افضل ہے"۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱، ص ۴۵، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۹، ح ۱؛ نیز اصول کافی، ج ۲، ص ۸۴، کتاب الایمان والکفر، باب عبادت، ح ۵)۔

دعائیں، اللہ کے مضبوط قلعہ میں دخول کا ذریعہ

وحی و شریعت کے خزائن اور علم و حکمت کے حاملین (معصومینؑ) سے مروی دعائیں بندوں پر اللہ کی ایک عظیم ترین نعمت اور شہروں میں اللہ کی رحمت واسعہ ہے کیونکہ یہ دعائیں خالق و مخلوق کے درمیان معنوی ارتباط، نیز عاشق و معشوق کے درمیان اتصال کی رسی اور اللہ کے مضبوط قلعے میں داخل ہونے کا وسیلہ اور عروۃ الوثقیٰ اور حبل المتین سے تمسک کا ذریعہ ہیں۔(۱۷۳)

دعـائیں، قرآن صاعد

جو مسائل کتاب خدا میں مذکور ہیں وہی باتیں ائمہ ہدیٰؑ کی دعاؤں میں بھی موجود ہیں البتہ انداز بیان مختلف ہے۔ قرآن کا انداز بیان اور ہے وہ ایک خاص انداز میں بات کرتا ہے اور اس میں تمام باتیں مذکور ہیں۔ البتہ اس کی بہت سی باتیں رموز و اشارات پر مشتمل ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھتے جبکہ ائمہؑ کی دعائیں ایک اور انداز و کیفیت کی حامل ہیں۔ ہمارے استاد شیخ عارف کے بقول: ''دعائیں کتاب صاعد (اوپر اٹھنے والی کتاب) اور قرآن صاعد ہے''۔ وہ فرماتے تھے کہ ''قرآن کتاب نازل (نیچے اترنے والی کتاب) ہے جو اوپر سے اتری ہے جبکہ ائمہؑ کی دعائیں کتاب صاعد ہیں۔ یہ وہی قرآن ہیں جو اوپر کو جاتی ہیں اور تقریباً قرآن کا جواب ہیں''۔ جو کوئی ائمہؑ کے مقام کو پہچاننا چاہے اسے ان کے آثار کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ان ذوات مقدسہؑ کے آثار ان کی دعائیں ہیں۔ اہم ترین آثار ان کی دعائیں اور ان کے خطبے ہیں مثال کے طور پر مناجات شعبانیہ، نہج البلاغہ اور دعائے عرفہ وغیرہ انسان نہیں جانتا کہ ان کے بارے میں کیا کہنا چاہئے۔(۱۷۴)

دعا، معارف الٰہی کے بیان کا ذریعہ

ائمہ طاہرینؑ نے بہت سے امور کو دعاؤں کی زبان میں بیان کیا ہے۔ دعاؤں کی زبان ان معصومینؑ کی دیگر تعبیرات اور بیانات سے بہت مختلف ہے جن میں وہ احکام کو بیان فرماتے تھے۔ وہ عام طور پر روحانی مسائل، ماوراء الطبیعی امور، پیچیدہ الٰہیاتی مسائل، نیز معرفت خداوندی سے مربوط باتوں کو دعاؤں کی زبان میں بیان فرماتے تھے۔(۱۷۵)

ائمہ کا کلام جامع بھی، مختصر بھی

انبیاء واولیاء کا طرز بیان بلکہ قرآن شریف کا طرز بیان بھی عام مصنفین ومؤلفین کے طرز بیان کی طرح نہیں جو مفاہیم کلیہ کے بارے میں بحث وتحقیق اور جدال وتجس کے درپے ہوتے ہیں، نیز تشقیق شقوق، حصر اور اعداد وشمار کے خواہاں ہوتے ہیں کیونکہ یہ امور بذات خود "سیر الی اللہ" کی راہ میں دبیز پردے ہیں اور "باز دارد پیادہ را زسبیل" کے مترادف ہیں [۱] اسی لئے قرآن شریف اگرچہ تمام معارف اور جملہ حقائق اسماء وصفات کومحیط ہے، نیز کوئی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب قرآن کی طرح حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا تعارف پیش نہیں کرتی، علاوہ ازیں اخلاقیات، مبدأ ومعاد کی طرف دعوت، نیز زہد، ترک دنیا، ترک مادیت اور منزل حقیقت کی طرف سفر کی دعوت پر مشتمل ہے اور اس کے مثل کا تصور بھی ممکن نہیں لیکن اس کے باوجود قرآن دیگر تصنیفات کی طرح ابواب، فصول، مقدمہ اور اختتامیہ پر مشتمل نہیں ہے۔ یہ اس کتاب کے مالک کی قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے جو اپنے مقصد کی ادائیگی میں ان وسائل ووسائط کا محتاج نہیں ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن گاہے آدھی سطر میں ایک برہان کو غیر برہانی شکل میں بیان فرماتا ہے جبکہ حکماوفلاسفہ اسی برہان کو متعدد مقدمات وتمہیدات کی مدد سے بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو: ﴿لو كانَ فِيهِمٰا آلِهَةٌ اِلاَّ اللهُ لَفَسَدَتٰا﴾ [۲]

دوسری مثال: ﴿لَذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمٰا خَلَقَ وَلَعلا بَعْضُهُمْ عَلىٰ بَعْض﴾ [۳] یہ دونوں توحید کی مضبوط دلیل وبرہان ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک متعدد صفحات پر مشتمل بیان کی محتاج ہے جیسا کہ اس کے اہل حضرات جانتے ہیں اور نااہل کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں۔ اگرچہ جامع کلام ہونے کی وجہ سے ہر کوئی اپنی فہم ودانست کے مطابق اس سے کوئی نہ کوئی مفہوم اخذ کرتا ہے۔

۱۔ خواب نوشین بامداد رحیل   باز دارد پیادہ را زسبیل

سفر کی صبح کی میٹھی نیند مسافر کو راستہ طے کرنے سے روکتی ہے۔ (کلیات سعدی، ص ۷۱)

۲۔ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ (سورۂ انبیاء/۲۲)

۳۔ ہر معبود اپنی مخلوقات کو لے کر جدا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔ (سورۂ مومنون/۹۱)

تیسری مثال: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾۱

چوتھی مثال: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾۲

پانچویں مثال: ﴿أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ﴾۳

چھٹی مثال: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾۴

ساتویں مثال: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾۵

ان آیات میں سے ہرایک ماقبل الطبیعیاتی حکمت عالیہ کی طرف عرفانی انداز میں اشارہ کرتی ہے۔ جو شخص اہل بیت عصمت وطہارت کی احادیث شریفہ کی طرف رجوع کرے خاص کر اصول کافی شریف، شیخ صدوق کی کتاب ''التوحید''، نہج البلاغہ، نیز ان معصومین سے مروی دعاؤں خصوصاً صحیفۂ سجادیہ کی طرف تدبّر وتفکّر کے ساتھ رجوع کرے وہ دیکھ لے گا کہ یہ فرمودات علوم الٰہیہ، معارف ربانیہ، اسماء وصفات اور حق جلّ وعلا کی حکمتوں کے ذکر سے لبریز ہیں جبکہ یہ اصطلاحات کے پردوں اور مفہومات کی قیود سے عاری ہیں جن میں سے ہرایک حجاب روئے جانان ہے۔(۱۷۶)

معرفت عظمت الٰہی سے پیدا ہونے والا خوف

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ائمہ طاہرین کا گریہ یا حضرت سجاد کا نالہ دوسروں کی تعلیم کیلئے تھا؟ کیا وہ دوسروں کو سکھانا چاہتے تھے؟ وہ اپنی تمام تر معنویت اور عظیم مقام کے باوجود خوف خدا سے روتے تھے اور جانتے تھے کہ جو راستہ ان کے سامنے ہے اسے طے کرنا کس قدر مشکل اور خطرناک ہے۔ وہ صراط کی مشکلات، سختیوں اور ناہمواریوں سے آگاہ تھے۔ وہی صراط جس کے ایک طرف دنیا اور دوسری طرف آخرت ہے اور جو جہنم کے درمیان سے گزرتا ہے۔

۱۔ کیا خالق کرنے والا نہیں جانتا جبکہ وہ باریک بین اور آگاہ ہے۔ (سورۂ ملک ۱۴/)

۲۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (سورۂ حدید ۴/)

۳۔ تم جس طرح رخ کرو وہاں اللہ موجود ہے۔ (سورۂ بقرہ ۱۱۵/)

۴۔ وہی ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے۔ (سورۂ زخرف ۸۴/)

۵۔ وہ اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ (سورۂ حدید ۳/)

وہ قبر، برزخ اور قیامت کے مختلف حالات ومراحل سے آگاہ تھے، نیز قیامت کی ہولناک گھاٹیوں کو پہچانتے تھے۔ اسی لئے ان کو قرار وسکون میسر نہ تھا اور وہ آخرت کی شدید عقوبتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔(۱۷۷)

ائمہؑ کی دعائیں ان کے دلوں میں عظمت الٰہی کی تجلی کے مظاہر

ذرا حضرت علی بن الحسینؑ کے حالات میں غور وفکر کرو، نیز حق تعالیٰ کے ساتھ آپ کے راز ونیاز اور آپؑ کی لطیف دعاؤں میں تدبر کرو جو بندگان خدا کو آداب بندگی سکھاتی ہیں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ان بزرگ ہستیوں کی دعائیں اور مناجاتیں لوگوں کی تعلیم کیلئے تھیں کیونکہ یہ ایک کھوکھلا اور باطل دعویٰ ہے جو مقام ربوبیت اور معارف اہل بیتؑ سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ان ہستیوں کا خوف وخشیت ہر شخص کی بہ نسبت زیادہ تھا۔ اللہ کی عظمت وجلال کی تجلی تمام دوسرے لوگوں کی بہ نسبت ان کے دلوں پر زیادہ عمل اثر انداز ہوئی تھی لیکن یہ عرض کرتا ہوں کہ بندگان خدا کو بندگی اور ''سلوک الی اللہ'' کی کیفیت انہی سے سیکھنی چاہئے۔(۱۷۸)

عظمت حق کا احساس دعا وتضرع میں شدت کا باعث

انسان ائمہ علیہم السلام کی دعاؤں کو دیکھتا ہے تو اگر رحمت خداوندی سے مایوسی ممنوع نہ ہوتی تو ہمیں ان دعاؤں کو دیکھ کر مایوس ہونا چاہئے تھا۔ امام سجادؑ کی دعاؤں کو آپ دیکھتے ہیں۔ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ امامؑ گناہوں سے کس طرح ڈرتے ہیں۔ درحقیقت جو کچھ ہم سوچتے ہیں حقیقت اس سے کہیں بڑی ہے۔ ہمارے اذہان یا عقلاء کی عقلوں یا عارفوں کی عرفان میں جو باتیں آتی ہیں حقیقت ان سے مختلف ہے۔ اس حقیقت کو اولیا خدا ہی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بشری استطاعت کے مطابق سمجھ لیا ہے کہ مسئلہ کس قدر عظیم ہے اور ہم کس عظمت کے روبرو ہیں اور ہمارا سروکار کس کے ساتھ ہے۔

عظمت الٰہی کا ادراک، ائمہؑ کی دعاؤں کی شدت کا سبب

یہ دعائیں ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہیں البتہ ایسا نہیں ہے کہ دعائیں ہماری تعلیم کیلئے ہوں، ان کی دعائیں انہی کیلئے تھیں۔ وہ خود ڈرتے تھے، وہ صبح تک اپنی خطاؤں پر روتے تھے۔ رسول اکرمؐ سے لے کر امام زمانؑ تک سب گناہ سے ڈرتے تھے۔ ان کا گناہ ہمارے گناہوں جیسا نہیں۔ وہ ایک عظمت کا ادراک

کرتے تھے۔ان کی نظر میں عالم کثرت کی طرف توجہ گناہ کبیرہ ہے۔ایک روایت کی رو سے حضرت سجادؑ صبح تک یہ دعا کرتے رہے: ﴿اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّجَافِيَ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةَ اِلٰى دَارِ السُّرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادَ لِلْمَوْتِ قَبْلَ حُلُوْلِ الْفَوْت﴾ [۱] بات ایک اہم مسئلے کی ہے۔وہ جب عظمت خداوندی کے سامنے اپنا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔جب وہ عالم کثرت کی طرف نظر کرتے ہیں تو اسی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر چہ یہ نظر امر خداوندی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لئے رسول خداؐ سے منسوب ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ﴿لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي فَاِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ سَبْعِيْنَ مَرَّة﴾ مسئلہ وہ نہیں تھا جو ہمارے ہاں ہے بلکہ کچھ اور تھا۔وہ اللہ کے ہاں مدعو تھے بلکہ دعوت سے بھی مافوق حالت میں تھے۔وہ ضیافت میں تھے اور چونکہ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے باوجود لوگوں کو دعوت دے رہے تھے اسی وجہ سے غبار حاصل ہوتا تھا۔

عالم غیب سے عالم شہود کی طرف متوجہ ہونا اور مظاہر الٰہی پر توجہ دینا ان کی نظر میں گناہ ہے۔اگر چہ یہ سارے مظاہر الٰہی ہیں کیونکہ ان کیلئے سب کچھ الٰہی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو مطلوب غیب جو ﴿كَمَالُ الْاِنْقِطَاعِ اِلَيْک﴾ سے عبارت ہے کو چھوڑ کر مظاہر پر نظر کرتے ہیں تو یہ ان کی نظر میں ایک نا قابل بخشش اور بڑا گناہ ہے۔حضرت سجادؑ کی نظر میں یہ دار غرور فریب کی دنیا ہے،ملکوت کی طرف توجہ ہی دار غرور ہے۔اسی طرح مافوق ملکوت کی طرف توجہ بھی دار غرور ہے۔اللہ کی طرف ایسی توجہ جس میں مزید کسی دعوت کی ضرورت نہ ہو اولیائے کامل کے ساتھ مخصوص ہے۔اس منزل پر پہنچنے کے بعد اللہ کی دعوت درکار نہیں ہوتی۔[۲] (۱۷۹)

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اور انبیائے عظام اپنی دعاؤں میں فضل واحسان خداوندی کی تمنا فرماتے تھے جبکہ

۱۔اے اللہ! اس دار فریب سے دوری واجتناب، دار سرور کی طرف رجوع اور فرصت کے نکلنے سے پہلے موت کی تیاری کی توفیق عطا فرما۔(اقبال الاعمال،ص ۲۲۸)

۲۔امام خمینیؒ نے صحیفہ امام،ج ۲۰،ص ۲۶۶ تا ۲۶۸ میں اسی تقریر میں اللہ کی ضیافت،اس ضیافت میں شرکت کی منزلت نیز ضیافت اللہ میں شرکت سے بھی بلندتر مقام کی وضاحت کی ہے۔

عدل خداوندی اور حساب کی سختی سے خوف کھاتے تھے۔ خاصان درگاہ حق اور ائمہ معصومینؑ کی دعائیں اپنی خطاؤں اور بندگی کے حق کی ادائیگی میں اپنے عجز کے اعتراف سے لبریز ہیں۔ ۱

جب افضل موجودات اور اقرب الممکنات ﴿مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ﴾ ۲ کا اعلان فرماتے ہیں تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

عطائے الٰہی کی خواہش اور عبادت سے عاجزی کا اظہار

جی ہاں! وہ عظمت حق تعالیٰ سے آگاہ ہیں اور ممکن وواجب کی نسبت کو جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ اپنی پوری دنیوی زندگی عبادت، طاعت، تحمید اور تسبیح میں گزاریں تو بھی نعمت حق کا شکر ادا نہ کرسکیں گے کہاں یہ کہ وہ ذات وصفات حق کی ثنا کا حق ادا کریں۔

انہیں معلوم ہے کہ کسی مخلوق کے پاس کچھ نہیں۔ زندگی اور طاقت، علم وقوت اور باقی کمالات اس کے کمال سے ماخوذ ہیں، نیز ممکن الوجود محتاج بلکہ عین فقر واحتیاج ہے۔ ممکن الوجود کا اپنا کون سا ذاتی کمال ہے کہ وہ اپنے کمالات پر اترائے؟ اس کی کون سی طاقت ہے جو اپنا عمل جتائے؟ وہ عارف باللہ ہیں۔ وہ جلال وجمال حق کے شناسا ہیں۔ وہ شہود وعیان کے ذریعے اپنے نقص وعجز نیز واجب الوجود کے کمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (۱۸۰)

ذات خدا میں فنائے مطلق اور توجہ کامل

دعا کی تیسری قسم وہ ہے جو حکم کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔ یہ اصحاب معارف کی دعا ہے۔ وہ نفس کی غلامی

۱۔ امام سجادؑ فرماتے ہیں:

﴿وَلا یَبْلُغُ مَبْلَغاً مِنْ طاعَتِكَ وَاِنْ اجْتَهَدَ اِلَّا کانَ مُقَصِّراً دُونَ اسْتِحْقاقِكَ بِفَضْلِكَ فَاَشْکَرُ عِبادِكَ عاجِزٌ عَنْ شُکْرِكَ وَاَعْبَدُهُمْ مُقَصِّرٌ عَنْ طاعَتِكَ﴾ ''کوشش کے باوجود وہ تیری طاعت کے کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور تیرے فضل کے باعث تیرے استحقاق کے آگے قاصر رہتا ہے۔ تیرا شاکر ترین بندہ تیرے شکر سے عاجز ہے اور عابد ترین بندہ تیری عبادت سے قاصر ہے''۔

(صحیفۂ سجادیہ، دعا ر ۳۷؛ نیز امام سجادؑ کی مناجات عارفین از مناجات خمس عشرہ)

۲۔ ہم نے تجھے اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے اور ہم نے تیری ویسی عبادت نہیں کی جیسی عبادت کا تو حقدار ہے۔ (مرآۃ العقول، ج ۸، ص ۱۴۶، کتاب الایمان والکفر، باب الشکر، ح ۸)

سے آزاد ہیں۔ وہ نفسانی خواہشات اور ذاتی لذتوں کی خاطر دعا نہیں کرتے۔

من گروهی می شناسم ز اولیاء　　که زبانشان بسته باشد از دعا ۱

یہ لوگ حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے دعا کرتے ہیں چونکہ دعا حق کے ساتھ تخلیہ اور محبوب مطلق کے ساتھ گفتگو سے عبارت ہے اس لئے وہ دعا کرتے ہیں۔ ۲

یقیناً اگر انسان کا دل نور معرفت سے منور ہو جائے اور وہ ہماری طرح شہوتوں کا غلام اور مادیت کا اسیر نہ بنے تو اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز، اس کی طرف توجہ اور اس کے ذکر کو کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ قرار نہیں دے گا۔

اولیائے خدا کی نظر میں دعا، اللہ کے علاوہ ہر چیز کو بھول جانے کا نام ہے۔ وہ اللہ کو، اللہ کے ساتھ گفتگو کو اور اس کے ساتھ خلوت میں ملاقات کو خود پرستی اور دیگر خواہشات نفسانی کے حصول کا ذریعہ قرار نہیں دیتے بلکہ ان کی تمام خواہشات کا محور یہی ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کے ساتھ رابطے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر وہ کسی چیز کو پسند کرتے ہیں تو اس لئے ہے کہ وہ محبوب کی عطا ہے۔ دیکھو کہ محبّ حقیقی اور مجذوب مطلق علی بن ابی طالبؑ کیا فرماتے ہیں۔ دعائے کمیل میں اللہ سے عرض کرتے ہیں:

﴿فَهَبْنِي يَا اِلٰـهِي وَسَيِّدِي وَمَولاَيَ وَرَبِّي صَبَرْتُ عَلىٰ عَذابِكَ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلىٰ فِراقِكَ وَهَبْنِي يَا اِلٰـهِي صَبَرْتُ عَلىٰ حَرِّ نارِكَ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَنِ النَّظَرِ اِلىٰ كَرامَتِكَ﴾

وہ بہشت اور ہر چیز کو محبوب کی خاطر چاہتے ہیں اور ہر چیز کو محبوب تک رسائی، نیز اس کی معرفت اور اس کی گلی میں کھو جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ (۱۸۱)

۱۔ ملاحظہ ہو مثنوی معنوی مولوی، ص ۱۶۷، دفتر سوم۔

۲۔ شرح فصوص الحکم، ص ۹۹ فص شی۔

کائنات پر ائمہؑ کا تسلط واختیار

تمام ذرات عالم پر ولایت

امام کو کچھ معنوی مقامات بھی حاصل ہوتے ہیں جو حکومت کی ذمہ داری کے علاوہ ہیں اور وہ ''اللہ کی خلافت کلی'' ہے۔ ائمہؑ کے فرامین میں گاہے اس کا ذکر ہوا ہے۔ یہ ایک تکوینی خلافت ہے جس کی رو سے ''ولی امر'' کے آگے تمام ذرات مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں۔ (۱۸۲)

خلیفۂ الٰہی کا خزائن الٰہی پر تسلّط واختیار

عزائم میں نبی کی مدد آپ کی قطبیّت اور خلافت کی بدولت ہے۔ یہ مدد اللہ کے جود وکرم کا ایک خزانہ ہے۔ پس یہ خزانے اللہ کے ہیں اوران میں تصرف اس کا ولی کرتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے: ﴿فَالْخَزائِنُ للهِ وَالتَّصَرُّفُ لِخَلِيفَتِهِ﴾ ''خزائن اللہ کے ہیں اوران میں تصرف خلیفہ فرماتا ہے''۔ خلیفہ اس ہستی کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے جس نے اسے خلیفہ بنایا ہے۔ البتہ یہ خلافت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک حق تعالیٰ اس بندے میں ہر قسم کا تصرف نہ کرلے۔ یہ تصرف اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک بندہ افق فنا کی آخری حد کو چھو نہیں لیتا۔ پھر جب وہ ذات وصفات اور افعال کے لحاظ سے اپنے وجود سے گزر جاتا ہے تو اب کسی قسم کا تصرف، تصرف کنندہ اور تصرف شدہ باقی نہیں رہتا مگر اللہ کی طرف سے، اللہ کیلئے اور اللہ کی راہ میں۔ پھر جب اللہ اس بندے کو اس کی اپنی قلمرو میں واپس بھیجتا ہے تو اب وہ بندہ اللہ کے خزائن میں تصرف شروع کرتا ہے یوں مجازات الٰہیہ کا وقوع عمل میں آتا ہے۔ پس ایک لحاظ سے خزانے اللہ کے ہیں اور تصرف بندے کا، دوسرے لحاظ سے خزائن اور تصرف دونوں اللہ کے ہیں، تیسرے زاویے سے یہ دونوں بندے کے ہیں اور چوتھے زاویے سے تصرف اللہ کا ہے اور خزائن بندے کے ہیں۔ پس اس امر میں تدبّر کر۔ (۱۸۳)

ولی کامل کے آگے تمام عوالم کی اطاعت

سارے عوالم اس ولی کامل کے سامنے سر تسلیم خم ہیں جس کے پاس اسم اعظم کا کچھ حصہ ہے۔ ہمارے ائمہؑ سے منقول ہے کہ جناب آصف بن برخیا کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف موجود تھا۔ پس اس نے اسی کے ذریعے تکلم کیا جس کے نتیجے میں اس کی جگہ اور شہر سبا کے درمیان زمین شگافتہ ہوگئی پس اس نے تخت بلقیس اٹھا کر سلیمان کے آگے رکھدیا۔ پھر زمین پلک جھپکنے سے پہلے دوبارہ پھیل گئی اور پہلی حالت میں لوٹ آئی۔ نیز مروی ہے کہ اسم اعظم تہتر حروف پر مشتمل ہے اور معصومینؑ ان میں سے بہتر کو جانتے ہیں۔ ایک حرف اللہ کے پاس محفوظ ہے جسے اس نے اپنے علم غیب کے ساتھ مخصوص کرلیا ہے۔ (۱۸۴)

عالم امکان کے ہیولیٰ کی تسخیر

عالم امکان کا ہیولیٰ ولی امر کے سامنے مسخر اور مطیع ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہے بدلتا ہے اور اس میں تصرف کرتا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کا ذکر فرمایا جو دوسرے عالم کے بارے میں اللہ کی طرف سے آیا۔ اس میں اہل جنت سے خطاب ہوا ہے: ''زندہ اور نہ مرنے والی ہستی کی طرف سے زندہ اور نہ مرنے والے کے نام۔ امابعد: میں جس چیز سے کہتا ہوں: ہوجاؤ! وہ ہوجاتا ہے اور میں تیرے لئے بھی یہ اختیار قرار دیتا ہوں کہ جب تو کہے ہوجاؤ تو وہ ہوجائے''۔ پس حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''کوئی اہل بہشت کسی چیز سے ہوجاؤ! نہیں کہتا مگر یہ کہ وہ کام ہوجاتا ہے''۔[۱] (۱۸۵)

کائنات کے تمام اجزا اور قوتیں ولی کامل کی فرمانبردار

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَخُدَّامُنَا وَخُدَّامُ مُحِبِّينَا﴾[۲] ''فرشتے ہمارے اور ہمارے چاہنے والوں کے خادم ہیں''۔ یہ فرمان ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے کہ اس کائنات کے تمام اجزا و جزئیات خواہ وہ علمی ہوں یا عملی، ولی کامل کے قبضے میں ہے۔ کچھ فرشتے اس کے علمی ماتحت ہیں، مثلاً جبرئیلؑ اور اس کے ہم پلہ فرشتے جبکہ کچھ فرشتے اس کے عملی کارندے ہیں مثلاً عزرائیلؑ اور اس کے ہم پلہ فرشتے، نیز جس طرح زمین و آسمان کا نظام چلانے والے فرشتے۔ فرشتے ان ہستیوں کے چاہنے والوں کی

۱۔ علم الیقین، ج۲، ص۱۰۶۱ (مختصر اختلاف کے ساتھ)

۲۔ عیون اخبار الرضاؑ، ج۱، ص۲۰۴، باب ۲۶، ح۲۲۔

خدمت بھی ان معصومینؑ کے تصرف کی وجہ سے کرتے ہیں جس طرح انسانی بدن کے بعض اجزا نفس کے حکم وتصرف کے باعث دیگر اجزا کی مدد کرتے ہیں۔(۱۸۶)

تمام ممالک وجود کا مالک

بعض اہل ذوق کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت: ﴿يٰا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ [۱] کا مفہوم باطن کے لحاظ سے یہ ہے کہ چرنے والی مویشیوں کی حلیت اس بات پر موقوف ہے کہ عہد ولایت کو پورا کیا جائے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ پوری زمین امامؑ کی ہے اور غیر شیعہ زمین کے غاصب ہیں [۲]۔ اہل معرفت ولی امر کو تمام ممالک وجود اور مدارج غیب وشہود کا مالک سمجھتے ہیں اور امامؑ کی اجازت کے بغیر ان میں کسی کے تصرف کو جائز نہیں سمجھتے۔(۱۸۷)

امامؑ عالم میں تصرف کرنے والا اور ارادۂ خدا کا مظہر

چونکہ لیلۃ القدر ولی کامل کی مکمل توجہ کی رات ہے، نیز اس کی ملکوتی سلطنت کے ظہور کی رات ہے اور یہ ظہور ہر عصر کے امامؑ اور ہر زمانے کے قطب جو اس دور میں ہمارے آقا ومولا وامام وہادی بقیۃ اللہ فی الارضین حضرت حجۃ ابن الحسن العسکری (ارواحنا لمقدمہ الفداء) ہیں۔ پس وہ اس عالم طبیعت کی جس اکائی کو بھی چاہے اس کی حرکت کند کر دیتا ہے اور جسے چاہے اس کی حرکت تیز کر دیتا ہے۔ وہ جس رزق کو چاہے زیادہ کرتا ہے اور جسے چاہے تنگ کرتا ہے۔ یہ ارادۂ حق ہے۔ یہ اللہ کے ارادۂ ازلیہ کا پرتو اور قوانین الٰہیہ کا تابع ہے۔ اسی طرح اللہ کے فرشتے بھی ذاتی تصرفات کے مالک نہیں۔ درحقیقت ہر چیز کا تصرف بلکہ تمام ذرات وجود کا تصرف، خدائی تصرف ہے اور اللہ کے ارادۂ غیبی کا نتیجہ وتابع ہے۔(۱۸۸)

اولیاء الٰہی کے تسلط کا راز

یہ جان لینا ضروری ہے کہ تفویض محال ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور بندہ اپنی طاقت اور ارادے میں خود مختار ہے اور اس سلسلے میں بڑے اور چھوٹے امور میں کوئی فرق نہیں۔ بنابریں جس طرح کسی کو مارنے یا زندہ کرنے یا خلق کرنے یا فنا کرنے یا ایک چیز کو دوسری میں

۱۔ اے ایمان لانے والو! اپنے عہد وپیمان کو پورا کرو۔ تمہارے لئے چرنے والے مویشی حلال کئے گئے ہیں۔(مائدہ/۱)

۲۔ اصول کافی، ج۱، ص۴۰۷ تا ۴۱۰، کتاب الحجہ، باب الارض کلھا للامام، حدیث ۱، ۳ و ۴۔

تبدیل کرنے کا اختیار کسی مخلوق کو تفویض کرنا محال اور باطل ہے اسی طرح کسی تنکے کو ہلانے کے معاملے میں بھی تفویض باطل ہے اگر چہ وہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو۔ عقل مجردہ اور ساکنین جبروت اعلیٰ سے لے کر ہیولائے اولیٰ اور کائنات کے تمام ذرات اللہ کے ارادۂ کاملہ کے آگے مسخر اور سر تسلیم خم ہیں۔ یہ سب کسی بھی لحاظ سے اور کسی بھی امر میں خود مختار نہیں ہیں۔ یہ سب اپنے وجود، وجودی کمالات، حرکات وسکنات، ارادہ وطاقت اور دیگر معاملات میں محتاج وفقیر بلکہ فقر محض ہیں۔ اسی طرح قیومیت حق، بندوں کے خود مختار نہ ہونے اور اللہ کے ارادوں کے نافذ ومؤثر ہونے کے معاملے میں بھی بڑے اور چھوٹے امور میں کوئی فرق نہیں۔ بنابریں جس طرح ضعیف بندے چھوٹے کاموں مثلاً حرکت وسکون وغیرہ پر قادر ہیں اسی طرح اللہ کے خاص بندے اور مجرد فرشتے عظیم کاموں مثلاً زندہ کرنے، مارنے، رزق دینے، خلق کرنے اور فنا کرنے پر قادر ہیں۔ جس طرح حضرت ملک الموت لوگوں کو موت سے ہمکنار کرنے پر مامور ہیں اور ان کا مارنا قبولیت دعا کی طرح نہیں، نیز جناب اسرافیل زندہ کرنے پر مامور ہیں اور یہ دعا قبول کرنے کی طرح نہیں اور نہ ہی تفویض کے مانند ہے جو باطل اور محال ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ولی کمال اور کوئی طاہر وطاقتور نفس مثلاً نفوس انبیاء واولیاء اللہ ؑ کی قضا وقدر کے مطابق فنا کرنے، خلق کرنے، موت سے ہمکنار کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہو تو اسے تفویض کہنا درست نہیں جو باطل اور محال ہے۔

اگر اللہ اپنے بندوں کے امور کا اختیار ایسی کامل روح کے سپرد کر دے جس کی پسند اللہ کی پسند میں فانی ہو، جس کا ارادہ اللہ کے ارادے کا پرتو ہو اور جو اللہ کے ارادوں کے منافی کوئی ارادہ نہ کرنے، نیز اللہ کے کامل ترین نظام کے برخلاف کوئی حرکت نہ کرے خواہ اس کا تعلق تخلیق وایجاد سے ہو یا تشریع وتربیت سے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں بلکہ یہ برحق ہے۔ درحقیقت یہ تفویض نہیں۔ (۱۸۹)

فصل

ائمہ علیہم السلام کا علمی مقام

تمام کائنات پر علمی وقیومی احاطہ

جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا؛ آپ نے فرمایا:

"اے جابر! بہ تحقیق پیغمبروں اور اوصیاء میں پانچ ارواح ہوتی ہیں: روح القدس، روح الایمان، روح زندگی، روح قوت اور روح شہوت۔ اے جابر! روح القدس کے ذریعے وہ عرش کے نیچے کی اشیاء سے لے کر زمین کے نیچے کی اشیاء تک کو پہچان لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اے جابر! ان چار ارواح کو آفت لاحق ہوتی ہے مگر روح قدس کو نہیں کہ وہ لہو ولعب انجام نہیں دیتی۔"[1]

وباسناده عن أبي بصير قال: ﴿سَأَلْتُ أبا عَبْدِاللهِ علیہ السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبارَکَ وَتَعالیٰ: ﴿وَکَذٰلِکَ أوْحَينا اِلَيْکَ رُوحاً مِنْ أمْرِنا ما کُنْتَ تَدْرِي مَا الْکِتابُ وَلا الايمان﴾[2] قال: خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ تَبارَکَ وَتَعالیٰ أعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِيلَ وَمِيکائِيلَ، کانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُخْبِرُهُ وَيُسَدِّدُهُ وَهُوَ مَعَ الأئِمَّةِ مِنْ بَعْدِه﴾[3]

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص۲۷۲، کتاب الحجہ، باب فیہ ذکر الارواح التی فی الائمہ، ح۲۔

۲۔ سورۂ شوریٰ/۵۲۔

۳۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام صادق سے اللہ کے کلام "یوں ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو بھیجا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں" کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: روح اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ وہ جبرئیل میکائیل سے عظیم تر ہے۔ یہ روح رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ یہ آپ کو آگاہ کرتی اور حمایت کرتی تھی۔ رسول اکرم کے بعد یہ روح اماموں کے ساتھ ہے۔

اصول کافی، ج۱، ص۲۷۳، کتاب الحجہ، باب الروح التی یسدد اللہ بہا الائمہ، ح۱۔

پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء واوصیا علیہم السلام ایک عظیم روحانی مقام کے حامل ہیں جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔ اس روح کے ذریعے وہ کائنات کے تمام ذرات پر علمی وقیومی احاطہ رکھتے ہیں۔ یہ روح غفلت، خواب، سہو، نسیان، نیز دیگر حوادث امکانیہ اور تغیرات ونقائص ملکیہ سے خالی ومنزہ ہوتی ہے بلکہ اس کا تعلق غیب مجرد اور جبروت اعظم کے عالم سے ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجرد اور کامل روح جبرئیلؑ ومیکائیلؑ جو مقام قرب جبروت کے سب سے بڑے مکین ہیں سے بھی عظیم تر ہے۔ جی ہاں! وہ اولیا جن کی خمیر طینت حق تعالیٰ نے اپنی قدرت وجمال کے دونوں ہاتھوں سے تیار کی ہے، نیز پہلی تجلی ذاتی میں جملہ اسماء وصفات اور "مقام احدیت جمع" کے ساتھ ان کے کامل آئینے میں ظہور فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں غیب ہویت کی خلوت گاہ میں اسماء وصفات کے حقائق سے انہیں آگاہ کیا ہے ان کے جلال وجمال کے دامن تک اہل معرفت کی آرزوئیں نہیں پہنچ سکتیں، نیز اصحاب قلوب کی معرفت کے قدم اس کے اوج کمال تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

نبی کریمؐ کی حدیث میں مذکور ہے: ﴿عَلِيٌّ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللهِ تَعالىٰ﴾۔ (۱۹۰)

عوالم غیب کا حضوری مشاہدہ

جان لو کہ عقل وجہل اور ان کے لشکروں کی پہچان اللہ کے علوم غیبیہ اور معارف باطنیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے جملہ احوال، مدارج، مراتب اور اسرار وحقائق کی معرفت نہیں ہو سکتی مگر ارباب ولایت ویقین یا کسی غیر معمولی صاحب معارف وایمان کیلئے جو نور معرفت اور سیر وسلوک کے ذریعے حجاب بشریت سے خارج ہو چکا ہو، نیز عالم ملک اور عالم ملکوت کے پردوں کو چاک کر کے وجود کے سرچشموں اور غیب وشہود کے معادن تک پہنچ چکا ہو اور "مشاہدہ حضوریہ" کے ذریعے عوالم غیب کو پا چکا ہو۔ البتہ یہ مرتبہ صرف کامل اولیا ہی کو نصیب ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مشاہدہ حضوریہ جو عرفان کی حقیقت ہے اور علوم کلیۂ الٰہیہ جس کا شعبہ حکمت الٰہیہ اور دوسرا شعبہ علم العرفان ہے کے درمیان موجود نسبت اس نسبت کی طرح ہے جو خیال ورؤیت اور وہم وخیال کے درمیان موجود ہے۔ جس طرح رؤیت بصری میں بیداری کے وقت اور خواب میں نیند کے وقت ظاہری آنکھوں اور باطنی آنکھ سے جزئیت وشخصیت کے طور پر مشاہدہ عمل میں آتا ہے۔ وہم وخیال کے برعکس کہ جو

کسی چیز کی تصویر اور پس منظر کی روئیت ہے۔ یہی حال مشاہدات حضوریہ کا ہے جو عرفان کے حقائق و اسرار ہیں۔ یہاں بھی ان چیزوں کا ''جزئی و شخصی'' مشاہدہ ہوتا ہے جنہیں عقل برہان کے ذریعے بطور کلی حاصل کرتی ہے۔ بعبارت دیگر، جو عقلی مشاہدے کی آنکھ سے مجرد غیبی حقائق کی روئیت کا نام ہے جس طرح روئیت، نفس کی آنکھوں سے ظاہری امور کے مشاہدے کا نام ہے اور جب تک عقل مفاہیم وکلیات کی زنجیر میں بندھی ہوتی ہے وہ شہود و حضور سے محروم رہتی ہے اگرچہ مشاہدات کی بنیاد علوم ہیں لیکن ان علوم کے درمیان ہی ٹھہرے رہنا عین حجاب ہے جب تک دل کی زمین میں یہ بیج سڑ کر ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک دل مشاہدات کا سرچشمہ نہیں بن سکتا اور جب تک دل کے گودام میں ان کی الگ حیثیت برقرار رہے ان سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔

عوالم غیبیۂ ملکوتیہ کا احاطہ

خلاصہ یہ کہ غیبی وملکوتی عوالم کا احاطہ سوائے کُمّل اولیا کے جن کے علوم کا سرچشمہ وحی الٰہی اور افاضہ سبحانی ہے کسی اور کیلئے میسر نہیں خواہ وہ ملکوت اعلیٰ ہوں جن میں عقول کلیہ کے عوالم بھی شامل ہیں یا ملکوت سفلیٰ جن میں شیطان اور اس کے لشکر شامل ہیں، نیز عقول جزئیہ کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ (۱۹۱)

ولی خاص کے احکام کا سرچشمہ

ولی خاص احکام کو وہیں سے حاصل کرتا ہے جہاں سے پیغمبرؐ اخذ کرتا ہے، البتہ اس فرق کے ساتھ کہ ولی خاص کیلئے نبی کی وساطت سے احکام روشن ہوتے ہیں جبکہ نبی کیلئے براہ راست۔ (۱۹۲)

ائمہؑ کے کلام کی نورانیت اور اس کا سرچشمہ

جان لو کہ ہر متکلم کا کلام مقام ظہور کے لحاظ سے اس کی ذات کا جلوہ ہے اور الفاظ کے آئینے میں تراکیب الفاظ کی صلاحیت کے حساب سے باطنی ملکات کا ظہور ہے۔ بنابریں اگر کوئی دل عالم طبیعت کی آلائشوں اور غلاضتوں سے پاک ہو جائے تو اس کا کلام بھی نورانی بلکہ خود نور ہوگا اور دل کی وہی نورانیت الفاظ کے لباس میں جلوہ گر ہوگی چنانچہ ائمہ ہدیٰؑ کی شان میں مروی ہے: ﴿کلامُکُم نُورٌ﴾۱ (۱۹۳)

۱۔ عیون اخبار الرضاؑ، ج۲، ص۲۷۷، (زیارت جامعہ کبیرہ)

ائمہؑ کے کلام میں کلام حق کی تجلی

اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام جو رحمان کے خلفا اور بنی نوع انسان کا خلاصہ ہیں کی احادیث شریفہ میں وہ روحانی قوت اور نورانیت موجود ہے جو دیگر لوگوں کے کلام میں موجود نہیں کیونکہ ان معصومینؑ کا کلام علم رحمانی اور فیض سبحانی کے سرچشمے سے جاری ہوتا ہے۔ ہوا وہوس اور نفس امارہ کو اس تک رسائی حاصل نہیں ہوتی، نیز پلید دیو اور شیطان مردود اس علم میں خیانت پر قادر نہیں۔ ان بزرگان دین اور اولیائے یقین کے نفوس شریفہ کی نورانیت اور ان کی ارواح لطیفہ کی طہارت و پاکیزگی ان کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہے بلکہ کلام حق کا نور ان کی احادیث میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ (۱۹۴)

علم لدُنی کے سرچشمہ سے اتصال

ہمارے ائمہ علیہم السلام جو کچھ لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کیلئے بیان فرماتے تھے وہ رسولؐ کے کامل اور لدنی علم کے سرچشمے سے ماخوذ تھا جس کا ماخذ خود وحی الٰہی اور علم ربانی تھا۔ یہ علم شیطانی قیاسات واختراعات سے عاری اور مبریٰ ہے۔ جس طرح رسول اکرمؐ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ ۱ اسی طرح یہ بات ائمہ ہدیٰؑ کے کلام پر بھی صادق آتی ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ (۱۹۵)

وحی الٰہی اور کشف محمدیؐ سے ماخوذ علم

اہل بیت عصمت علیہم السلام معادن وحی ہیں۔ ان کے تمام فرامین اور علوم وحی الٰہی اور علوم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہیں۔ (۱۹۶)

اللہ کے خزانۂ غیب سے عطا شدہ علم

ان معصومینؑ کے ابدان کی طینت، نیز ان کی ارواح اور قلوب کی تخلیق کے بارے میں مروی احادیث، نیز انہیں عطا شدہ اسم اعظم، علم الٰہی کے خزانے سے انہیں عطا شدہ علوم خواہ وہ علوم انبیاء ہوں یا فرشتوں کے علوم یا اس سے بھی ماوراء علوم جو ہمارے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہیں، نیز ان کے دیگر فضائل کے بارے میں جو باتیں حدیث کی معتبر کتابوں کے مختلف ابواب خصوصاً اصول کافی میں موجود ہیں وہ اس

۱۔ وہ خواہشات کی بنیاد پر بات نہیں کرتا۔ اس کی باتیں تو نازل شدہ وحی ہیں۔ (سورۂ نجم ۳ و ۵)

قدر زیادہ ہیں جن سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ ان کے اسرار وحقائق سے کوئی آگاہ نہیں ہوسکتا سوائے خود ان کی مقدس ذوات کے۔(۱۹۷)

ائمہ، رسول اکرم کے مکاشفاتی علوم کے وارث

منازل خلقیہ میں تنزل اور صفات فعلیہ سے متصف ہونے سے پہلے قرآن شریف کی حقیقت بارگاہ واحدیت کے امور ذاتیہ اور حقائق علمیہ میں سے ہے۔ یہ حقیقت کلام نفسی سے عبارت ہے۔ یہ حقیقت نہ رائج علوم کے ذریعے کسی کو حاصل ہوسکتی ہے نہ معارف قلبیہ کے ذریعے اور نہ مکاشفۂ غیبیہ کے ذریعے۔ البتہ ﴿قاب قوسین﴾ کی محفل انس بلکہ ﴿او ادنیٰ﴾ کی خلوت گاہ راز میں نبی ختمی مرتبت کی ذات مبارک کیلئے اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والے مکاشفۂ تامہ کے ذریعے اس حقیقت تک رسائی ہوسکتی ہے۔ بنی آدم کی خواہشات اور آرزوؤں کو اس حقیقت تک رسائی حاصل نہیں سوائے اللہ کے خالص اولیا کے جو انوار معنویہ اور حقائق الٰہیہ کی رو سے اس ذات مقدس کی روحانیت کے ساتھ شریک ہیں اور مکمل متابعت کی بنا پر اس کی بارگاہ میں فانی ہوئے ہیں اور علوم مکاشفہ کو میراث کے طور پر آنحضرت سے حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کی حقیقت جس نورانیت اور کمال کے ساتھ قلب رسول میں جلوہ گر ہوتی ہے اسی طرح ان معصومین کے قلوب میں بھی بغیر کسی کمی اور تغیر کے منعکس ہوتی ہے۔ یہ تحریف وتغییر سے پاک قرآن ہے۔(۱۹۸)

عالم التاویل کے مراتب معصومین کے پاس

وہ حقیقت اور لطف الٰہی جسے علم تاویل کہا جاتا ہے علمی مجاہدت اور عقلی ریاضتوں سے حاصل ہوتی ہے جو عملی ریاضتوں، تطہیر نفوس، تنزیہہ قلوب اور تزکیہ ارواح پر مشتمل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ اِلاَّ اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ ۱ نیز ارشاد ہوتا ہے: ﴿لاَ يَمَسُّهُ اِلاَّ الْمُطَهَّرُونَ﴾ ۲ اگر ﴿راسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ اور ﴿مُطَهَّرُون﴾ کے حقیقی اور مطلق مصادیق انبیاء اور معصوم اولیا ہیں۔ ۳ اسی لئے علم التاویل کے جملہ مدارج انہی کے ساتھ مختص ہیں لیکن علمائے امت کو بھی

۱۔ آیات الٰہی کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور ان ہستیوں کے جو علم میں راسخ ہیں۔(سورۂ آل عمران/۷)

۲۔ سوائے پاکیزہ ہستیوں کے قرآن کی حقیقت کو کوئی نہیں چھوسکتا۔(سورۂ واقعہ/۷۹)

۳۔ اصول کافی، ج۱، ص۱۶۶، کتاب الحجہ، باب ان الراسخون فی العلم ہم الائمہ۔

ان کے علم وطہارت کے تناسب سے اس علم کا وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔(۱۹۹)

تعلیمات رسول ؐ کے ذریعے قرآن کے عالم

ہم لوگ کتاب خدا کی ایک صورت یا اس کے پردوں میں سے ایک پردے کا ادراک کرتے ہیں۔اس کتاب کے باقی حصوں کو سمجھنے کیلئے اہل بیت عصمت ؑ کی تفسیر کی ضرورت ہے جو رسول اللہ ؐ کی تعلیمات سکھانے والے تھے۔(۲۰۰)

تمام تقدیروں کا احاطہ اور امور عالم کا انکشاف

جان لو کہ شب قدر رسول خدا ؐ اور ائمہ ہدیٰ ؑ کے مکاشفہ کی رات ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کیلئے غیب ملکوت سے جملہ امور ملکیہ کشف ہوتے ہیں، نیز ہر کام پر موکل فرشتے ان ہستیوں کیلئے عالم غیب اور عالم قلب میں ظاہر ہوتے ہیں۔اسی طرح پورے سال میں مخلوقات کیلئے مقدر شدہ جملہ امور جو الواح عالیہ وسافلہ میں ثبت ہو چکے ہوں ملکوتی تحریروں اور استجنان وجودی کے طور پر ان کیلئے مکشوف و معلوم ہوتے ہیں۔یہ مکاشفہ ایک ملکوتی مکاشفہ ہے جو جملہ ذرات عالم پر محیط ہے اور لوگوں کا کوئی امر ولی امر سے مخفی نہیں رہتا۔

اگر ان کیلئے ایک ہی رات میں پورے سال کے امور، ایک سال میں پورے زمانے کے امور اور ایک ہی لحظے میں عالم ملک وملکوت کے جملہ امور اجمالی طور پر منکشف ہوتے ہیں اور دوسری طرف سے ایام سال کے دوران بتدریج ہر روز کے امور تفصیلاً منکشف ہوتے ہیں تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔چنانچہ نزول قرآن کی کیفیت کے بارے میں بھی حدیث ہے کہ پورا قرآن ایک ساتھ بیت المعمور میں نازل ہوا پھر تیئس سال کے دوران بتدریج رسول خدا ؐ پر نازل ہوا۔[۱] جبکہ بیت المعمور میں بھی قرآن رسول خدا ؐ پر ہی نازل ہوا تھا۔

خلاصہ یہ کہ گاہے ولی امر ملأ اعلیٰ، اقلام عالیہ اور الواح مجردہ سے متصل ہوتا ہے اور اس کیلئے جملہ موجودات کا مکمل اور ازلی وابدی مکاشفہ ہوتا ہے اور گاہے وہ الواح سافلہ سے متصل ہوتا ہے اور ایک مدت تک اس کے لئے مقدرات منکشف ہوتے ہیں، نیز پورا صفحۂ کائنات بھی اس کے سامنے موجود ہوتا ہے اور

۱۔فقال ابو عبداللہ ؑ: ﴿نَزَلَ الْقُرآنُ جُمْلَةً واحِدَةً فِي شَهْرِ رَمضانَ إلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ثُمَّ نَزَلَ فِي طُولِ عِشْرِينَ سَنَةً﴾

اصول کافی، ج ۲، ص ۶۲۹، کتاب فضل القرآن، باب نوادر، ح ۶۔

جملہ واقعات ولی امر کی نظروں سے گزرتے ہیں۔(۲۰۱)

حاملین عرش (علم)

قول رسول ؐ: ﴿وَالَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ...﴾ کی وضاحت: عرش کے کئی معانی ہیں۔ یہاں اس سے مراد ہے: جملہ مخلوقات، یا جسم محیط۔ اس کے حاملین چار املاک ہیں جو انواع اربعہ کے ارباب ہیں جیسا کہ ''اعتقادات الصدوق'' [۱] سے منقول ہے۔ عرش سے مراد بارگاہ علمیہ نہیں کیونکہ (عرش بمعانی) علم کا حامل نفس رسول ؐ اور آپ کی صفات ہیں جیسا کہ کافی شریف میں حضرت صادق ؑ سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: ''حاملین عرش آٹھ ہیں۔ ان میں سے چار کا تعلّق ہم سے ہے اور باقی چار کا تعلّق ان سے ہے جنہیں اللہ چاہے'' [۲] ایک اور حدیث میں حضرت کاظم ؑ سے منقول ہے: ''جب قیامت کا دن آئے گا تو حاملین عرش آٹھ ہوں گے۔ ان میں سے چار کا تعلّق اولین سے ہے، وہ ابراہیم ؑ، نوح ؑ، موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ ہیں اور چار کا تعلّق آخرین سے ہے، وہ محمد ؐ، علی ؑ، حسن ؑ اور حسین ؑ ہیں'' ۔[۳](۲۰۲)

علم ربانی سے آگاہی

حضرت امام صادق ؑ سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: ''اللہ کے پاس دو قسم کے علم ہیں: ایک مکنون مخزون علم ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے ایک بداء ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جو اس نے اپنے فرشتوں، اپنے رسولوں اور اپنے انبیاء ؑ کو سکھایا۔ پس ہم اسے جانتے ہیں'' ۔[۴] سچ فرمایا ہے ولی خدا نے۔ پس بداء کا سرچشمہ عالم اعیان ہے جس کی حقیقت کا علم ذات پروردگار کے علاوہ کسی کو نہیں اور عین ثابت سے آگاہی جو بعض اولیا مثلاً انسان کامل کیلئے حاصل ہوتی ہے کا تعلّق علم ربوبی [۵] سے ہے نہ کہ علم انبیاء و رسل

۱۔ الاعتقادات، ص ۴۷، الاعتقاد فی العرش۔

۲۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۳۲، کتاب التوحید، باب العرش والکرسی، ح ۶۔

۳۔ مرآۃ العقول، ج ۲، ص ۸۰، کتاب التوحید، باب العرش والکرسی، حدیث ۶ کے ذیل میں۔

۴۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۴۷، کتاب التوحید، باب البداء، ح ۸۔

۵۔ امام خمینی ؒ اپنی کتاب مصباح الہدایہ، ص ۳۲ میں ''قدر'' کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قدر کا شمار بھی علوم ربوبی میں ہوتا ہے۔

سے چنانچہ علم غیب کے بارے میں مروی ہے کہ "غیب کو وہ رسول جانتا ہے جس سے اللہ راضی ہو"۔ ادھر حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ مِمَّنِ ارْتَضَاهُ﴾ "اللہ کی قسم محمدؐ ان لوگوں میں سے ہے جن سے اللہ راضی ہے"۔(۲۰۳)

اللہ تعالیٰ کے علم فعلی کے حاملین

عرش اور حاملین عرش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ احادیث شریفہ کے ظواہر میں بھی اختلاف موجود ہے اگر چہ باطنی طور پر ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ عرفانی نقطہ نظر اور برہانی زاویے سے عرش کا اطلاق کئی ایک معانی پر ہوتا ہے۔

کبھی عرش سے مراد علم لیا جاتا ہے۔ شاید علم سے مراد اللہ کا علم فعلی ہو جو مقام ولایت کبریٰ سے عبارت ہے اور اس کے حاملین گزشتہ امتوں میں سے چار کامل ترین اولیاء یعنی نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام) ہیں جبکہ اس امت میں سے چار کامل ترین ہستیاں ہیں یعنی رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین، حسن اور حسین علیہم السلام۔(۲۰۴)

جملہ مظاہر حق کا احاطہ

اللہ تعالیٰ اگر چہ تمام حقائق میں ظاہر ہے لیکن سب کے افہام سے پوشیدہ اور پردے میں ہے۔ بنابریں اگر چہ مشاہدۂ حضوری واقع ہو جائے لیکن تمام مظاہر کا احاطہ سوائے کاملین اور اقطاب کے کسی کیلئے ممکن نہیں۔(۲۰۵)

سرّ مطلق کے ظل کا ادراک

انسان کی عقل، سرّ مطلق کے ظل کو سمجھنے سے قاصر ہے مگر سوائے اس شخص کے جو ولایت کے ذریعے اس مقام تک پہنچا ہو جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ کی تجلی اس قلب کے تمام پہلوؤں پر واقع ہوتی ہے۔(۲۰۶)

علم جمؔ کا مالک

ہمارے ائمہ طاہرینؑ کو یہ موقع نہیں دیا گیا کہ وہ حقائق کو اس طرح سے ظاہر کریں جس طرح وہ چاہتے تھے۔ ایسا نہیں ہوا۔ یہ نہایت افسوس ناک ہے۔ یہ افسوس اس افسوس سے زیادہ سخت ہے۔ وہ کون سا

۱۔ سورۂ جن، ۲۷۔

علم تھا جو رسولؐ نے اپنی وفات کے وقت حضرت امیرؑ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا؟ روایت کی روسے آپؑ فرماتے ہیں: ''علم کے ہزار دروازے''یا ہزار علم جن میں سے ہر ایک...'' مجھے حاصل ہوئے''[۱] یہ وہ عام علم نہیں جو ہمارے پاس ہے، فقہا کے پاس ہے، فلسفیوں کے پاس ہے اور عرفا کے پاس ہے۔ وہ کون سا علم تھا جس کے بارے میں حضرت امیرؑ فرماتے ہیں: ''میرے پاس علم جم ہے ﴿ھٰھُنا عِلْماً جَمّاً﴾ [۲] لیکن اس علم کے حاملین (ہمارے ہاں) موجود نہیں۔ وہ علم فقہ نہیں تھا۔ علم فقہ تو انہوں نے سکھایا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں رہ گئی۔ یہ وہ فلسفہ وغیرہ بھی نہیں تھا جو ہمارے پاس ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ ان ذوات مقدسہؑ کو موقع نہیں دیا گیا اور یہ کام مکمل نہیں ہوسکا۔

آپؑ کے دور میں وہ حاملین نہ تھے جو آپؑ چاہتے تھے یوں آپؑ کے علوم خود آپؑ کے ساتھ ملأ اعلیٰ کی طرف چلے گئے۔ اب ہمیں قیامت تک یہ افسوس رہے گا کہ ہم ان سے کوئی فائدہ نہ لے سکے۔ وہ علم یقیناً یہ رائج علوم نہیں جو لوگوں کے پاس اور مسلمانوں کے پاس ہے کیونکہ ان علوم کے حاملین موجود تھے۔ وہ علم جس کے حاملین موجود نہ تھے، بعض علوم کے بارے میں خود ائمہ علیہم السلام یہ افسوس کھاتے تھے کہ وہ ان کے اہل افراد کو نہیں پاتے جنہیں وہ یہ علم سکھائیں، وہ قرآن کی تفسیر نہ کرسکے جو تمام علوم کو حاوی ہے۔ وہ قرآنی معارف کو بیان نہ کرسکے۔ یہ باتیں ہمارے لئے باعث افسوس ہیں اور ہم یہ افسوس لے کر مرجائیں گے۔ (۲۰۷)

علم جمّ کا مفہوم

﴿اِنَّ ھٰھُنا عِلْماً جَمّاً﴾ انہیں ایسے افراد نہیں ملے جو اس علم کے اہل بن سکیں۔ بے شک وہ علم

۱۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''رسولؐ نے اپنی موت کے وقت مجھے بلایا، پھر مجھے اپنے قریب کیا اور مجھے علم کے ایک ہزار باب سرگوشی کے ذریعے عطا کئے جن میں سے ہر دروازہ مزید ایک ہزار دروازے کھولتا ہے''۔

بحارالانوار، ج ۲۲، ص ۴۶۲، تاریخ نبینا، باب وصیتہؐ عند قرب وفاتہ، ح ۱۰، ۱۴، ۱۶؛ نیز مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۲۹۴، فصل فی وفاتہؐ؛ نیز غایۃ المرام، ص ۵۱۷، ۵۱۸، باب ۲۷، ۲۸ از ابواب فضائل علیؑ (شیعہ وسنی مآخذ سے مروی)۔

۲۔ ﴿ھا اِنَّ ھٰھُنا لَعِلْماً جَمّاً (وَأَشارَ بِیَدِہٖ اِلیٰ صَدْرِہٖ) لَوْ أَصَبْتُ لَہٗ حَمَلَۃً﴾ ''آگاہ رہو کہ یہاں علم کثیر ہے (یہ کہتے ہوئے آپؑ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا) کاش مجھے اس علم کے حاملین ملتے''۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار، نمبر ۱۴۷)

جس کے حاملین انہیں نہ مل سکے وہ اسرار ولایت اور اسرار تو
چاہئے کہ انہیں یہ موقع نہیں ملا کہ وہ ان اسرار کو برملا کریں جن کا برملا ہونا ضروری تھا۔ یہ بھی ان افسوس ناک امور میں سے ہے جس پر خاص طور سے عرفا، فلاسفہ، علما اور دانشوروں کو زندگی بھر افسوس کرنا چاہئے۔(۲۰۸)

رسول ؐ کے مقام غیبی وعقلی سے علی ؑ کا استفادہ

آپ (علیہ الصلاۃ والسلام) نے ''عالم مثالی خیالی'' میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنی عقلی وغیبی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقائق علوم اور اسرار کے بواطن کو حاصل کیا کیونکہ ولایت کلیۂ مطلقہ کے لحاظ سے رسول ؐ اور آپ ؑ کے نور میں اتحاد کے بعد رسول ؐ کے ساتھ آپ ؑ کی نسبت وہ نہیں جو رسول ؐ کے ساتھ دیگر لوگوں کی ہے بلکہ وہ نسبت ہے جو عقل لطیف بلکہ روح لطیف کو نفس ناطقۂ الٰہیہ کے ساتھ حاصل ہے۔ رسول ؐ کے ساتھ دیگر لوگوں کی نسبت وہ ہے جو دیگر باطنی قوتوں کی نفس ناطقہ الٰہیہ سے ہے۔

رسول ؐ کے علم کا دروازہ

پس حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیبی وشہودی حقائق کے واحد جامع اور تمام مراتب کلیہ وجزئیہ کی بنیادی جڑ ہیں۔ آپ کی رعایا کے ساتھ آپ کی نسبت وہ ہے جو جامع اسم اعظم کی دیگر اسماء وصفات کے ساتھ ہے بلکہ آپ ہی وہ اسم اعظم ہیں جو عالم خلق وامر میں تمام اسما الٰہیہ پر محیط ہے۔ پس جس طرح فیض ربانی مقام جمع سے تفاصیل محضہ تک درمیانی مراحل سے گزرے بغیر نہیں پہنچتا اور بالائی مراحل جو واسطہ ہیں سے گزرے بغیر نچلے مراحل تک نہیں پہنچتا جیسا کہ ہم نے سابقہ مشکاۃ میں اس کا طریقہ بتا دیا ہے اور گزشتہ ''المصابیح'' میں اس کی دلیل بیان کردی ہے، اسی طرح آسمان سرّ احمدی ؐ سے نازل ہونے والے علمی فیوضات اور حقیقی معارف مرحلۂ ''عماء'' علویہ ؑ سے گزرے بغیر اراضی خلقیہ تک نہیں پہنچتے۔ اسرار کی انہی بنا پر حضور ؐ نے فرمایا ہے: ﴿أنــا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بـابُهــا﴾ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''۔ ۱(۲۰۹)

معرفت خدا میں سبقت

گزشتہ عرائض سے آپ پر واضح ہوگیا کہ عالم عقل کی موجودات، زندہ وآگاہ اور نورانی مخلوقات ہیں

۱۔ المراجعات، ص ۱۷۱۔

جن ... ت وجودی کے درمیان جعل کا فاصلہ واقع نہیں ہوتا بلکہ جو چیز بھی ان کیلئے امکان عام کی حیثیت رکھتی ہے وہ انہیں ضرور حاصل ہوتی ہے۔ پس معرفت ربّ اور تسبیح وتہلیل میں اس کی سبقت، وجود میں سبقت کی وجہ سے ہے۔ یہ سبقت دہری ہے جو اس بلند وبالا اور زمان ومکان سے منزہ مقام کی شایان شان ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ وہی سبقت علمیہ اور سبقت حقیقیہ ہے جو مراتب وجود اور حقائق غیب وشہود میں موجود ہے۔(۲۱۰)

ائمہ علیہم السلام کا سورۂ قدر اور لیلۃ القدر ہونا

رسولؐ اور معصومینؑ لیلۃ القدر ہیں

جان لو کہ ہر ''رقیقہ'' کیلئے ایک حقیقت اور ہر ''صورت'' کیلئے ایک باطنی، ملکوتی اور غیبی وجود ملکی ہوتا ہے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ افق تعینات میں آفتاب حقیقت کے غروب کے لحاظ سے حقیقت وجود کے نزولی مراتب ہی ''لیالی'' ہیں۔ اسی طرح افق تعینات میں آفتاب حقیقت کے خروج کے لحاظ سے مراتب صعود کا نام ''ایام'' ہے۔ اس بیان کی روشنی میں ایام ولیالی کی برکت ونحوست کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ ایک لحاظ سے مراحل نزول لیلۃ القدر محمدیؐ ہیں اور مراحل عروج وصعود یوم القیامہ احمدیؐ ہیں کیونکہ یہ دونوں فیض منبسط کے نور کا پھیلاؤ ہیں جو حقیقت محمدیہؐ سے عبارت ہے اور تمام تعینات اسم اعظم کے تعین اولی کا نتیجہ ہیں۔ پس وحدت کے نقطہ نظر سے یہ عالم شب قدر اور روز قیامت ہے اور ایک شب وروز سے زیادہ نہیں۔ یہ پورا عالم وجود، لیلۃ القدر محمدیؐ اور یوم القیامہ احمدیؐ ہے جو اس حقیقت سے متصف ہو جائے وہ ہمیشہ لیلۃ القدر، یوم القیامہ میں ہے اور یہ دونوں قابل جمع ہیں۔

کثرت کے نقطہ نظر سے ''لیالی وایام'' ظاہر ہوتے ہیں۔ پس کچھ لیالی قدر کی صفت سے متصف ہیں اور کچھ نہیں۔ تمام راتوں میں سے وجود احمدیؐ اور تعین محمدیؐ جس کے افق میں حقیقت وجود کا نور تمام زاویوں سے اور جملہ اسماء وصفات کے ساتھ، نیز مکمل نوریت اور پوری حقیقت کے ہمراہ غروب ہو چکا ہو۔ اسی طرح یوم محمدیؐ یوم القیامہ مطلق ہے اور دیگر لیالی وایام محدود ومقید لیالی وایام ہیں۔ اس وجود مبارک اور قلب مطہر میں قرآن کا نزول لیلۃ القدر میں نزول ہے۔ پس قرآن ایک لحاظ سے لیلۃ القدر میں ایک ساتھ نازل ہوا ہے۔ یہ نزول کشف مطلق کلی کی صورت میں ہوا اور ایک لحاظ سے تدریجاً تیئس سالوں کے دوران

لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔

شیخ عارف شاہ آبادی فرماتے تھے کہ "دورۂ محمدیہ" لیلۃ القدر ہے اور یہ یا اس لحاظ سے ہے کہ تمام ادوار وجود یہ دورۂ محمدی ہیں یا اس لحاظ سے کہ اس دورے میں اقطاب کمل محمدیہ اور معصوم ائمہ ہدیٰ قدر کی راتیں ہیں۔

ولایت کی حقیقت لیلۃ القدر کا باطن

لیلۃ القدر کی حقیقت کے بارے میں ہم نے جو احتمال دیا ہے اس پر ایک طویل حدیث شریف دلالت کرتی ہے جو تفسیر برہان میں کافی شریف سے منقول ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نصرانی نے حضرت موسیٰ بن جعفرؑ سے عرض کیا: ﴿حـم ☆ وَالْكِتَابِ الْمُبِين ☆ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ☆ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾[1] کی باطنی تفسیر کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ﴿حـم﴾ سے مراد محمدؐ ہیں۔ ﴿کتاب مبین﴾ امیر المومنین علیؑ ہیں اور ﴿لیلہ﴾ سے مراد فاطمہ علیہا السلام ہیں۔[2]

ایک اور روایت میں لیالی عشر (دس راتوں) سے مراد ائمہ طاہرینؑ، حسن سے حسن تک، کو لیا گیا ہے۔[3] یہ لیلۃ القدر کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے جس کا ذکر حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے کیا ہے۔ یہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ لیلۃ القدر سے مراد پورا دورۂ محمدیہ ہے۔

تفسیر برہان میں حضرت باقرؑ سے ایک روایت منقول ہے چونکہ یہ ایک عالی مرتبت حدیث ہے جو کئی ایک معارف کیطرف اشارہ کرتی اور اہم اسرار کو بیان کرتی ہے اسلئے ہم اس حدیث کو ہو بہو نقل کرتے ہیں:

۱۔ حٰم، اس روشن کتاب کی قسم کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکیمانہ امر کی تفصیل وضع کی جاتی ہے۔ (سورۂ دخان ۱ تا ۴)

۲۔ ﴿قال (النصراني) أخبرني عن كتاب الله تعالى الذي أنزل على محمد ونطق به ثم وصفه بما وصفه به. فقال: ﴿حـم ☆ وَالْكِتَابِ الْمُبِين ☆ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ☆ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ ما تفسيرها في الباطن؟ فقال: أما ﴿حم﴾ فهو محمد صلى الله عليه وآله وهو في كتاب هود الذي أنزل عليه وهو منقوص الحروف، وأما ﴿الكتاب المبين﴾ فهو أمير المؤمنين علي عليه السلام وأما ﴿الليلة﴾ ففاطمة عليها السلام ... الخ﴾ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۷۹، کتاب الحجۃ، باب مولد ابی الحسن موسیٰ بن جعفرؑ، ح ۴؛ نیز تفسیر البرہان، ج ۴، ص ۱۵۸۔

۳۔ تفسیر برہان، ج ۴، ص ۴۵۷، سورۂ فجر، ح ۱۔

قالَ (رَحِمَهُ اللهُ) وعن الشيخ أبي جعفر الطوسي عن رجاله عن عبدالله بن عجلان السكوني قالَ: سَمِعْتُ أبا جَعْفَرٍ ؑ يَقُولُ:

بَيْتُ عَلِيٍّ وَفاطِمَةَ حُجْرَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَسَقْفُ بَيْتِهِمْ عَرْشُ رَبِّ العالَمِينَ وَفي قَعْرِ بُيُوتِهِمْ فُرْجَةٌ مَكْشُوفَةٌ إلَى الْعَرْشِ مِعْراجُ الْوَحْيِ وَالْمَلائِكَةُ تَنْزِلُ عَلَيْهِم بِالْوَحْيِ صَباحاً وَمَساءاً وَكُلَّ ساعَةٍ وَطَرْفَةَ عَيْنٍ وَالْمَلائِكَةُ لا تَنْقَطِعُ فَوجُهُمْ، فَوجٌ يَنْزِلُ وَفَوجٌ يَصْعَدُ وَإنَّ اللهَ تَبارَكَ وَتَعالىٰ كَشَفَ لِإبْراهِيمَ ؑ عَنِ السَّماواتِ حَتّىٰ أبْصَرَ الْعَرْشَ وَزادَ اللهُ في قُوَّةِ ناظِرِهِ وَأنَّ اللهَ زادَ في قُوَّةِ ناظِرِ مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ ؑ وَكانُوا يُبْصِرُونَ الْعَرْشَ وَلاَ يَجِدُونَ لِبُيُوتِهِم سَقْفاً غَيْرَ الْعَرْشِ فَبُيُوتُهُمْ مُسَقَّفَةٌ بِعَرْشِ الرَّحْمٰنِ وَمَعارِجُ الْمَلائِكَةِ وَالرُّوحُ فِيها بِإذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أمْرٍ سَلامٍ. قالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ أمْرٍ سَلام؟ قالَ: بِكُلِّ أمْر. فَقُلْتُ هٰذا التَّنْزِيلُ؟ قالَ: نَعَم!

اس حدیث شریف میں غور و فکر اہل معرفت کیلئے معرفت کے کئی دروازے کھولتا ہے۔ اس سے ولایت کی حقیقت اور لیلۃ القدر کے باطن کی ایک جھلک ظاہر ہوگی۔ (۲۱۱)

۱۔ صاحب تفسیر برہان نے کہا ہے کہ شیخ ابو جعفر طوسیؒ نے اپنے راویوں کے ذریعے عبداللہ بن عجلان سکونی سے روایت کی ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

علی اور فاطمہ ؑ کا گھر رسول اللہؐ کا حجرہ ہے اور ان کے گھر کی چھت عرش پروردگار ہے۔ انکے گھروں کے آخری حصے میں ایک شگاف ہے جہاں سے لے کر عرش تک معراج وحی کا پردہ ہٹا ہوا ہے۔ فرشتے صبح و شام، ہر وقت اور ہر لحظہ وحی کے ساتھ ان پر نازل ہوتے ہیں۔ فرشتوں کے لشکروں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک گروہ اترتا ہے تو دوسرا گروہ اوپر چڑھتا ہے۔ بہ تحقیق خداوند تبارک و تعالیٰ نے ابراہیمؑ کیلئے آسمانوں سے پردے ہٹا دیئے یہاں تک کہ اس نے عرش کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قوت بصارت میں اضافہ کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین ؑ کی قوت بصارت میں اضافہ فرمایا۔ چنانچہ وہ عرش کو دیکھتے تھے۔ وہ عرش کے علاوہ اپنے گھروں کیلئے کوئی چھت نہیں پاتے تھے۔ پس ان کے گھر عرش رحمٰن کی چھت سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ فرشتوں اور روح کے معارج انہی گھروں میں ہیں۔ اللہ کے حکم ﴿مـن كـل أمـر سلام﴾ کے ساتھ۔ (راوی) کہتا ہے میں نے عرض کیا: ﴿مِنْ كُلِّ أمْرٍ سَلام؟﴾ فرمایا: ﴿بِكُلِّ أمْر﴾۔ پس میں (راوی) نے کہا: کیا یہ نازل شدہ ہے؟ فرمایا: ہاں!

(تفسیر برہان، ج۴، ص ۴۸۷، سورۂ قدر، ح ۲۵)۔

پیغمبر ؑ اور ائمہ ؑ کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ

جیسا کہ قبل ازیں لیلۃ القدر کی حقیقت کے بارے میں ذکر ہو چکا[1] مراتب وجود اور تعینات غیب وشہود کوان کے افق میں آفتاب حقیقت کے غروب ہونے کے لحاظ سے لیل کہا جاتا ہے۔ بنابریں لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں حق تعالیٰ تمام شئون اور اسماء وصفات کی جامع احدیت جو اسم اعظم کی حقیقت ہے کے لحاظ سے اس میں محجوب ہو جائے۔

یہ ولی کامل کا وجود ار تعین ہے جو رسول خدا ﷺ کے عہد میں حضور ؐ ہی تھے اور آپ ؐ کے بعد یکے بعد دیگرے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں۔ بنابریں لیلۃ القدر کی صبح اس وقت طلوع ہوتی ہے جب آفتاب حقیقت کے آثار تعینات کے حجابوں کے پیچھے سے ظاہر ہوں اور تعینات کے افق سے سورج کا طلوع یوم قیامت کی فجر بھی ہے چونکہ ان کامل اولیا کے افق تعینات میں آفتاب حقیقت کے غروب ہونے سے لے کر طلوع فجر تک کی مدت لیلۃ القدر سے عبارت ہے اس لئے یہ مبارک رات شیطانی تصرفات سے مکمل طور پر سالم ہے، نیز جس طرح آفتاب کسی قسم کے غبار اور تصرف شیطانیہ کے بغیر غروب ہوا ہے اسی طرح طلوع بھی ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے: ''یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے''۔ رہیں دیگر راتیں تو ان میں یا تو کوئی سلامتی ہے ہی نہیں مثلاً بنی امیہ وغیرہ کی راتیں یا سلامتی تو ہوتی ہے لیکن صحیح معنوں میں نہیں۔ یہ عام لوگوں کی راتیں ہیں۔

سورہ قدر پیغمبر ؑ اور اہل بیت ؑ کی نسبت

عرفانی بیانات اور ایمانی مکاشفات، اولیائے عظام علیہم السلام کی دستگیری کی برکت سے اہل معرفت کے روشن دلوں پر ظاہر ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورۂ مبارکہ توحید حق تعالیٰ جل جلالہ کی ذات مقدس کی نسبت ہے اسی طرح سورۂ شریفہ ''قدر'' اہل بیت عظام ؑ کی نسبت ہے۔ جس طرح روایات معراج میں مذکور ہے:

محمدبن يعقوب باسناده عن أبی عبدالله علیه السلام فی صلاة النبي ﷺ فی اسماء في حديث "الاسراء" قال ؑ: ﴿ثُمَّ أَوْحَى اللهُ (عَزَّ وَجَلَّ) إِلَيْهِ: اِقْرَأْ يَامُحَمَّدُ! نِسْبَةَ رَبِّكَ تَبَارَكَ وَتَعالىٰ:

---

[1] آداب الصلاۃ، ص ۳۲۸، امر ۲، لیلۃ القدر کی حقیقت کا بیان۔

﴿اللّٰہُ اَحَدٌ، اللّٰہُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُواً اَحَد﴾ وَھٰذا فِي الرَّکْعَۃِ الأُوْلیٰ. ثُمَّ اَوْحَی اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ) اِلَیْہِ: اِقْرَاْ بِـ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ فَقَرَأَھا مِثْلَ مَا قَرَأَ اَوَّلاً. ثُمَّ اَوْحَی اللّٰہُ: اِقْرَأْ: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ﴾ فَاِنَّھا نِسْبَتُکَ وَنِسْبَۃُ اَھْلِ بَیْتِکَ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیامَۃِ﴾ا(۲۱۲)

﴿لیلۃ﴾ سے کیا مراد ہے؟

لیلۃ القدر، ولی کامل کی کامل توجہ اور اس کی ملکوتی سلطنت کے ظہور کی رات ہے۔(۲۱۳)

لیلۃ القدر کے اصلی اور تبعی ارباب

چونکہ عالمِ فرق بلکہ فرق الفرق میں دو قرآنوں یعنی قرآن مکتوب و نازل شدہ اور جس پر قرآن اتارا گیا میں، بالفاظ دیگر، کتاب خداوندی اور حقیقت محمدی ؐ کے درمیان واضح فرق موجود تھا اس لئے وصال کی شب دو قرآنوں اور دو فرقانوں کو وصل و اجتماع سے ہمکنار کیا۔ اس لحاظ سے بھی یہ رات لیلۃ القدر ہے لیکن اس کی صحیح قدر و قیمت کوئی نہیں جانتا سوائے خود خاتم النبیین ﷺ کے جو بالاصالہ صاحب لیلۃ القدر ہیں اور آپ ؐ کے معصوم اوصیاء ؑ کے جو بالتبعیہ صاحب لیلۃ القدر ہیں۔(۲۱۴)

شب قدر محمدی ؐ کی حقیقت

اسم اعظم الٰہی جو عالمِ ظاہر میں موجود ہے تمام مراتب اسماء اور حقائق اعیان پر محیط ہے۔ وہ اپنی ذات کی رؤیت کے ذریعے اشیا کو ان کی اصلی حالت میں دیکھتا ہے، نیز اسمائے الٰہیہ کے ساتھ ان کے ارتباط اور ہر شئے کی اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضری کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ حاضری موجودات خارجیہ کی قیامت کبریٰ کی حقیقت سے عبارت ہے۔ شب قدر محمدی ؐ کا دن بھی درحقیقت یہی ہے۔(۲۱۵)

ا۔محمد بن یعقوب اپنی سند کے ساتھ حضرت امام صادق ؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ؑ نے رسول ؐ کی نماز کے متعلق حدیث اسراء میں فرمایا: ''پھر خداوندعزوجل نے آپ ؐ پر وحی کی: اے محمدؐ! اپنے پروردگار عزوجل کی نسبت بیان کرو ﴿اَحَدٌ، اللّٰہُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُواً اَحَد﴾ یہ پہلی رکعت میں۔ پھر اللہ نے آنحضرت ؐ پر وحی کی: ﴿الحمدُ للّٰہ﴾ پڑھو۔ پس اسے پہلے کی طرح پڑھا۔ پھر اللہ نے آپ ؐ پر وحی کی پڑھو: ﴿انّا أنزلناہ﴾ کہ یہ (سورہ) روز قیامت تک تیری اور تیرے اہل بیت علیہم السلام کی نسبت ہے''۔

(تفسیر برہان، ج۴، ص ۴۸۷، تفسیر سورۂ قدر، حدیث ۲۲)

سورۂ قدر، سورۂ اہل بیتؑ

یہ سورہ شریفہ اشارہ ہے مقام نبوت وامامت کی طرف۔ یہ سورۂ اہل بیتؑ ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔[۱] پس ممکن ہے کہ یہ آیت اشارہ ہو اس سلامتی مطلق کی طرف جو احتجابات خلقیہ کی رات میں داخل ہوتے ہی ولی مطلق کو حاصل ہوتی ہے جو ولی مطلق کیلئے لیلۃ القدر ہے فجر مطلق کے طلوع ہونے تک جو مقام ﴿قاب قوسین اَوْ ادنیٰ﴾ کی طرف ولی کامل کی رجعت یعنی ترک حجب سے عبارت ہے۔(۲۱۶)

۱۔ صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸ میں مذکور مطالب ملاحظہ ہوں۔

حصۂ چہارم

ولایت تشریعی

فصل ۳

خلافت ظاہری اور رسول اللہؐ کی جانشینی

رسول اللہؐ کا عادلانہ توحیدی نظام کی بنیاد رکھنا

ایک زمانہ تھا کہ ہر جگہ کے انسان اپنی عظمت وسرفرازی کا سبب اس بات کو قرار دیتے تھے کہ یا تو ان کا آتشکدہ دیگر تمام آتشکدوں سے بڑا اور زیادہ روشن ہے یا ان کا بت خانہ دوسروں سے ممتاز، نیز ان کے بت دوسروں سے بڑے اور زیادہ قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے ہیں۔ جن کے بت سونے کے ہوتے اور ان کا طول وعرض نسبتاً زیادہ ہوتا ان کی اہمیت اور سربلندی بھی زیادہ ہوتی تھی یہاں تک کہ لوگ اپنے خودساختہ خداؤں کو جنگوں میں بڑی بڑی گاڑیوں کے ذریعے اٹھا کر ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ اہل مکہ اپنے بڑے بت ''ھُبَل'' کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی خاطر ساتھ لے آئے۔ اس قسم کے دور میں پروردگار عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنی طرف سے رسولؐ بنا کر مبعوث فرمایا اور اس دور کے انسانوں کو پہلی ہدایت یہ دی کہ اپنے خودساختہ خداؤں (بتوں) کو توڑ دو اور ربّ کائنات کی توحید کے ذریعے کامیابی حاصل کرو ﴿قُولُوا لَا اِلٰـہ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوا﴾[1]

اسکے بعد رسولؐ آہستہ آہستہ ایسے آسمانی قوانین انسانوں کیلئے لے آئے جن کی تمام بنیادیں عقل پر استوار تھیں پھر ان کے جاہلانہ آراء ونظریات اور خودسری کو سرنگوں کر دیا اور ایک ایسی عادلانہ حکومت قائم کی جس کی بنیاد آسمانی قوانین پر استوار تھیں۔ منطقی اور الٰہی گفتگو، عادلانہ سیرت وکردار، دلوں کو گرویدہ بنانے والے عظیم اخلاق، حیرت انگیز آسمانی وزمینی قوتوں اور اللہ کے مقدس آئین کی راہ میں جانبازی وفداکاری کے ذریعے بیس سالوں سے زیادہ عرصے تک جانگسل جدوجہد کرنے کے بعد آپؐ ایک مستحکم نظام قائم

۱۔ کہو: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تا کہ تم فلاح پاؤ۔

کرنے میں کامیاب ہوئے جس کی بنیاد عدل اور توحید پر استوار تھی۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور تواریخ عالم میں پڑھ چکے ہیں پیغمبر اسلامؐ اپنی زندگی کے آخری دن تک کوشش کرتے رہے تا کہ نظریہ توحید، نظریاتی اتحاد اور آراء و نظریات کی وحدت کا سلسلہ شروع ہو جائے اور دین و مذہب کی بنیادیں، نیز مثالی فلاحی معاشرے کی جڑیں مضبوط اور مستحکم ہو جائیں۔

بقائے نظام اور تعیین جانشین کی ضرورت

اب ہم دنیا کے عقلاء اور حکمرانوں سے سوال کرتے ہیں کہ اس محکم اساس اور عظیم آسمانی دین کا باقی رہنا عقلائے عالم کے نزدیک اہمیت کا حامل ہے یا نہیں؟ کیا اس نظام کو قائم کرنے والا یعنی خداوند متعال، پیغمبرؐ کے ذریعے، اس نظام کی بنیاد کی مضبوطی کو لازم سمجھتا ہے یا نہیں؟ یا اسے اس اہم کام کے بارے میں سرد مہری اور سہل انگاری برتنی چاہئے؟ کیا اس دین کا باقی رہنا اور نہ رہنا اس کی نظر میں یکساں ہیں؟ کیا لوگوں کا بے دینی کی طرف لوٹنا اور دیندار رہنا اس کیلئے یکساں ہیں؟ اس صورت میں تمام دانشمندوں کی طرف سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے اور وہ خدائے عظیم سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس دین کا ہونا نہ ہونا مساوی تھا تو پھر تو نے پیغمبر کیوں بھیجے اور اس قدر اہتمام کے ساتھ کتاب کیوں نازل کی؟ یقیناً آپ خداوند عالم کو اس بات سے منزہ قرار دیں گے کہ وہ عدل و توحید کو غیر اہم قرار دے۔ تو پھر اسے چاہئے کہ وہ رسولؐ کے بعد اس دین کی پائیداری کیلئے کوئی دستور العمل دے اور لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح آزاد نہ چھوڑے، نیز دین اسلام کو بعض ہوا پرستوں اور اقتدار طلب افراد کے مفادات کی بھینٹ چڑھنے نہ دے۔

جس پیغمبرؐ نے بیت الخلا جانے، عورتوں سے خلوت کرنے اور بچے کو دودھ پلانے کے سلسلے میں متعدد خدائی احکام بیان فرمائے ہیں اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے کیلئے حکم بیان فرمایا ہے اگر وہ اس اہم مسئلے میں جس پر دین اور نبوت کی بقا موقوف ہے، نیز توحید و عدل کی بنیادوں کا مستحکم رہنا اس سے مربوط ہے اپنی زندگی کے دوران کوئی بات نہ کرے کیا ایسے پیغمبرؐ کو دنیا کے صاحبان عقل و خرد اعتراض و ملامت کا نشانہ نہیں بنائیں گے؟ کیا وہ اسے نبوت اور عدل و انصاف کا اہل قرار دیں گے؟ وہ رسولؐ جو یہ کہتا ہو کہ وصیت کے بغیر مرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو عہد جاہلیت میں مرجائے[۱] یعنی وصیت نہ کرنے والا کافر کی

۱۔ ﴿من مات بغیر وصیۃ مات میتۃ جاهلیۃ﴾ وسائل، ج ۱۳، ص ۳۵۲، کتاب الوصایا، باب وجوب الوصیۃ ... ح ۸۔

موت مرتا ہے، نیز اللہ اسے وصیت کا حکم دیتا ہے اور آیات قرآن نازل فرماتا ہے اگر وہ ایسے معاملے میں کہ جو اہم ترین امور میں سے ایک ہے اور جس کے بارے میں وصیت کرنا ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے اور جو مسئلہ وصیت کا محتاج ہے اس قدر اہمیت کا حامل مسئلے کے بارے میں رسول ؐ کوئی لفظ تک نہ کہے اور خود ہی اللہ تعالیٰ اپنے قول پر عمل نہ کرے تو ایسے پیغمبر کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ ہم تو ایسے خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کا کام عقل و خرد کے مطابق اور محکم بنیاد پر استوار ہو اور وہ کوئی کام عقل کے تقاضوں کے برخلاف انجام نہ دے نہ ایسے خدا کی جو خدا پرستی، عدل اور دینداری کی ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرے پھر خود ہی اس کو تباہ کرنے پر تل جائے اور اپنے رسول کے بعد امت کے مستقبل اور ذمہ داری کا کوئی تعین نہ کرے تاکہ وہ ظلم و ستم کی عمارت تعمیر کرنے میں سہیم نہ بنیں۔

اگر ایک ایسے کارخانے کا منیجر جہاں پچاس ملازم کام کرتے ہوں یا دس افراد پر مشتمل گھرانے کا سربراہ دو ماہ کیلئے سفر پر جانا چاہے تو وہ نہ اس کارخانے کو ویسے چھوڑ سکتا ہے اور نہ اپنے گھرانے کو بے سرپرست چھوڑ سکتا ہے۔ بنابریں پیغمبر اسلام ؐ کہ جنھوں نے ہزاروں عظیم آسمانی قوانین اور خدائی احکام لائے ہیں، نیز ایک عظیم عاقلانہ اور عادلانہ الٰہی نظام قائم کیا ہے وہ اگر ہمیشہ کیلئے امت کو چھوڑ کر جانا چاہیں اور تیس چالیس سال تک منافقین اور خیانتکاروں کے ساتھ رہنے اور انہیں پہچاننے کے باوجود، نیز آپ ؐ کا اللہ کہ جو آپ ؐ کے بعد قائم ہونے والی ظالمانہ حکومتوں سے آگاہ بھی ہے کہ جو دین کو اپنے مسموم اغراض کی بھینٹ چڑھانے والی ہیں، ان سب باتوں کے بعد بھی اگر آپ ؐ کوئی وصیت نہ کریں تو یہ بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعیین امام، عقلاً ضروری ہے

ان حقائق کی روشنی میں عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ رسول اکرم ؐ اس آخری کام کو جو سب سے بڑا کام ہے توحید کی اساس اور نظام عدل کو قائم رکھنے کیلئے انجام دیں ورنہ آپ ؐ اپنے دین کو چند ایسے جانے پہچانے لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے جو حکومت و اقتدار کی خاطر آپ ؐ کی وفات کے وقت ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان اور گتھم گتھا تھے اور اسی وقت سے آشوب برپا کر رہے تھے یا یہ کہ آپ ؐ امت کی ہدایت و رہنمائی سے دست بردار ہو جائیں جسے آپ ؐ نے بیس سالوں سے زیادہ عرصے کے دوران اپنا مشن ثابت کیا تھا چنانچہ پروردگار عالم نے قرآن میں آپ ؐ کیلئے ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

ھــــادٍﷺ ۱ نازل فرمایا تھا۔کیا رسول ؐ لوگوں کو ان حالات میں سرگردان اور متحیر چھوڑ سکتے تھے؟ جب توحید کی اساس اور نظام عدل کو بحران درپیش تھا اور قرآن کو ماننے والے ہر چیز سے زیادہ رسول ؐ کے بعد اپنی ذمہ داری اور اپنے مستقبل کے بارے میں صریح فرمان کے محتاج تھے؟ آپ اور تمام صاحبان خرد کی عقلیں یہاں کیا حکم دیں گی؟ یہ عقل رسول باطنی ہے اور انسان کیلئے آنکھ کی حیثیت رکھتی ہے۔کیا وہ یہاں کوئی فیصلہ نہیں کرے گی؟ کیا وہ اپنے سامنے پڑی ہوئی چیز کا بھی ادراک نہیں کرسکتی؟ کیا یہ عقل حکم دے گی کہ خدا اور رسول کیلئے عقل کی کسوٹی کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں ہے؟ کیا عقل کہے گی کہ خدا اور رسول بچگانہ اور بے مقصد کام کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ایک عظیم چیز بنائیں پھر فوراً اسے خراب کرادیں؟ کیا عقل یہ نہیں کہتی کہ امامت، اسلام کا ایک مسلّمہ اصول ہے جس کی تعیین اللہ نے خود کی ہے خواہ قرآن میں اس کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو؟ (۲۱۷)

نظام امامت احکام دین کی بقاء کا ضامن

ہم نے قبل ازیں عقلی دلیل کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ امامت جس سے مراد ''دین کے نگہبان کا تقرر'' ہے کو دین اسلام کا ایک مسلّمہ اور ثابت شدہ اصول ہونا چاہئے۔اگر اسلام کے اصول وقوانین وضع کرنے والا ایک عام عاقل آدمی ہوتا تو بھی اسے بھی چاہئے تھا کہ اپنے بعد دینداروں کی ذمہ داری اور حیثیت کو معین کرے۔ یہاں ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیات انسانی کیلئے قوانین بنائے اور دونوں جہانوں کی فلاح وکامیابی کیلئے احکام نازل کئے۔اب عقل ضرور یہ کہے گی کہ یہ قوانین واحکام وہ ہیں جن کا جاری وساری اور باقی رہنا اللہ اور رسول ؐ کا مقصود ہے۔اللہ اور رسول ؐ کا مقصد اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ یہ بات (واضح ہے اور) کسی دلیل کی محتاج نہیں۔یہ ایک واضح عقلی فیصلہ ہے کہ دنیا کا ہر قانون ساز اس لئے قانون سازی کرتا ہے تاکہ وہ جاری وساری اور نافذ ہو نہ کہ صرف لکھنے اور کہنے کیلئے۔

جانشین رسول ؐ کی خصوصیات

بنابریں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ خدائی احکام وقوانین کا نفاذ صرف عصر رسول ؐ تک محدود نہیں تھا بلکہ رسول ؐ کے بعد بھی ان قوانین واحکام کو جاری وساری رہنا چاہئے جیسا کہ واضح ہے۔ہم اس کے بعد واضح

۱۔آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک ہادی ورہنما ہوتا ہے۔(سورۂ رعد/۷)

کریں گے کہ اس صورت میں اللہ کی طرف سے کسی ایسے شخص کا تقرر لازم ہے جو اللہ اور رسول ؐ کے ایک ایک فرمان کو کسی کمی بیشی کے بغیر جانتا ہو اور احکام خداوندی کے نفاذ میں نہ خطاو غلطی کا شکار ہو نہ ہی خیانت کار، جھوٹا، ستم گار، مفاد پرست، لالچی، اقتدار پرست اور جاہ طلب ہو، نیز وہ نہ خود قانون شکن ہو اور نہ لوگوں کو قانون شکنی کی اجازت دے نہ راہ خدا میں اپنی اور اپنے مفادات کی قربانی سے دریغ کرے۔ یہ ہے امامت ان خصوصیات کا حامل انسان امام کہلاتا ہے۔ معتبر تواریخ اور متواتر شیعہ وسنی احادیث کی رو سے رسول ؐ کے بعد پوری امت میں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ مذکورہ اوصاف کا حامل کوئی انسان نہ تھا۔

نبوت اور امامت کا ہم پلہ ہونا

اب آپ کے خیال میں عقل کیا فیصلہ کرے گی؟ کیا عقل کہے گی کہ رسول یہ تمام قوانین صرف لکھنے اور کہنے کیلئے لائے تھے اور قرآن صرف پڑھنے کیلئے لائے تھے یا یہ کہے گی کہ رسول خدائی احکام وقوانین کے نفاذ کے بھی خواہاں تھے؟ پھر اگر نفاذ چاہتے تھے تو کیا صرف عہد رسول ؐ کیلئے ایسا چاہتے تھے یا رسول کے بعد بھی دین اور شریعت نے باقی رہنا تھا؟ یہاں آپ خواہ نا خواہ یہی کہیں گے کہ ہاں! رسول اپنے بعد بھی دین کا نفاذ چاہتے تھے۔ اس صورت میں کیا رسول پر یہ لازم ہے کہ ان قوانین کے نفاذ کیلئے کسی کو معین فرمائیں یا ہر کوئی جو چاہے کرتا پھرے؟ خواہ نا خواہ آپ ضرور یہی کہیں گے کہ رسول ہرج ومرج کو پسند نہیں کرتے تھے اور آپ غلط فہمی میں ڈالنے اور غلط فہمی کا شکار ہونے کے مخالف تھے کیونکہ ہر قانون ساز کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے قانون پر عملدرآمد ہو۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ من مانیاں کرتے پھریں۔ بنابریں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ خود ہی اپنے قوانین کی تفہیم کیلئے کوئی راستہ (امام) معین کرے کیونکہ قوانین کے بارے میں لوگوں کے نظریات وآراء میں اختلاف ایک ضروری امر ہے۔ اس صورت میں سارے لوگ اس معین راستے کی طرف رجوع کریں گے اور قانون پر عملدرآمد ہوگا۔ اس شخص میں وہ صفات موجود ہونی چاہئے جن کا ہم نے ذکر کیا تاکہ مقصد حاصل ہو۔ بنابریں عقل کا فیصلہ ہے کہ جس طرح خدا اور رسول ؐ کی نظر میں دین وقرآن کی اہمیت ہے اسی طرح ان کی نظر میں امامت کی بھی اتنی ہی اہمیت ہونی چاہئے کیونکہ امامت قانون کو نافذ کرنے والی طاقت کا نام ہے جو دین اور قانون سازی کا اصلی مقصد ہے۔ بنابریں امامت کے بغیر قانون سازی ایک بے فائدہ، لغو، نہایت بچگانہ اور عقل سے دور عمل ہے۔ اس کے

برعکس امامت کے ذریعے دین کامل ہوتا ہےاور تبلیغ دین کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

اب ان بیانات کی روشنی میں قرآن کی اس آیت کا مفہوم و معنی واضح ہو جاتا ہے جو حجۃ الوداع کے وقت امیر المومنین کو امامت پر نصب فرمانے کے بعد نازل ہوئی۔ اس بات پر اہل سنت بھی گواہی دیتے ہیں[۱] اور شیعوں کا بھی اس پر اجماع ہے۔[۲] یہ سورہ مائدہ کی تیسری آیت ہے ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا''۔ نہایت واضح بات ہے کہ اگر امامت کا مسئلہ اس طرح سے نافذ اور جاری ہوتا جس طرح خدا نے حکم دیا تھا اور جس کا رسول ؐ نے اعلان کیا تھا اور جس کیلئے آپ نے سعی و کوشش کی تھی تو اسلامی قلمرو میں اس قدر اختلافات رونما نہ ہوتے اور اس قدر جنگیں اور خونریزیاں نہ ہوتیں، نیز دین خدا کے اصول و فروع میں اس قدر نزاع نہ ہوتا۔ (۲۱۸)

نظام امامت اسلام اور اتحاد مسلمین کا ضامن

حکومت کی تشکیل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نظام زندگی اور مسلمانوں کے اتحاد کی حفاظت ہو۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے خطبہ میں فرماتی ہیں: ''امامت کا مقصد نظام کی حفاظت کرنا اور مسلمانوں کے افتراق کو اتحاد میں تبدیل کرنا ہے''۔[۳] (۲۱۹)

اولوا الامر کی ضرورت اور ان کی اطاعت کے وجوب کے اسباب

یہاں ایک حدیث نقل کرتا ہوں جو حضرت امام رضا ؑ سے منقول ہے۔ البتہ حدیث کے پہلے حصے کو ذکر نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق نبوت سے ہے اور یہاں ہماری بحث نبوت سے نہیں بلکہ دوسرے حصے سے ہے جس میں امام ؑ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی یہ پوچھے کہ خدائے حکیم نے اولی الامر مقرر کیوں فرمائے اور ان کی اطاعت کا حکم کیوں دیا؟[۴] تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے بہت سی وجوہات کی بنا پر ایسا کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ

۱۔۲۔ غایۃ المرام، ص ۳۳۶، المقصد الثانی، باب ۳۹ تا ۴۰۔

۳۔ ﴿وطاعتنا نظاماً للملّة وامامتنا لمّاً للفرقة﴾۔ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۴۸۳۔

۴۔ اشارہ ہے سورۂ نساء کی آیت ۵۹ کی طرف ﴿یا أیها الّذین امنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم﴾۔

لوگوں کو ایک خاص اور معین حد اور راستے پر رکھا گیا ہے اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس راستے سے تجاوز نہ کریں اور معینہ حدود و قوانین کو پامال نہ کریں کیونکہ اس تجاوز کی وجہ سے وہ خرابی و مشکل سے دوچار ہوں گے۔ دوسری طرف سے اس امر پر اس وقت تک عملدرآمد نہیں ہوگا اور لوگ معینہ راستے پر نہیں چلیں گے اور نہیں رہیں گے، نیز قوانین الٰہی کو نافذ نہیں کر سکیں گے جب تک کوی امانتدار فرد (یا طاقت) یا نگہبان ان کے اوپر مامور نہ ہو جو اس امر کا ذمہ دار ہو اور لوگوں کو اپنے حقوق کے دائرے سے تجاوز کرنے اور دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے کی اجازت نہ دے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو اور کوئی شخص یا قوت لوگوں کو پابند رکھنے پر مامور نہ ہو تو کوئی شخص اپنی ان خواہشات اور مفادات کو نہیں چھوڑے گا جن کا لازمہ دوسروں کا نقصان ہے بلکہ ذاتی لذتوں اور مفادات کی خاطر دوسروں پر ظلم کرنے اور ان کو تباہ کرنے میں مشغول ہو جائے گا۔

دوسری علت اور دلیل یہ ہے کہ ہم کسی فرقے، کسی ملت اور کسی مذہب کے پیروکاروں کو نہیں دیکھتے جو اپنی اجتماعی زندگی کو جاری اور باقی رکھ سکیں جب تک ان کے اندر کوئی شخص ایسا نہ ہو جو نظم و ضبط اور قوانین کی حفاظت کرے اور ان کی قیادت اور رہبری کرے کیونکہ ان کے دینی و دنیوی امور کو چلانے کیلئے ایسے شخص کا وجود ناگزیر ہے۔ بنابریں یہ خداوند حکیم کی حکمت کے منافی ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو کسی رہبر اور سرپرست کے بغیر آزاد چھوڑ دے کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ لوگ ایسے شخص کے محتاج ہیں اور ان کی زندگی اس کے وجود کے بغیر قائم اور مستحکم نہیں رہ سکتی۔ ایسے رہبر کی موجودگی کی صورت میں ہی وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہیں، اجتماعی آمدنی کو اپنے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں، نماز جمعہ و جماعت قائم کر سکتے ہیں اور معاشرے کے ظالموں کو مظلوموں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے سے روک سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں، ان اسباب و دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اللہ لوگوں کیلئے کوئی امام، نظام و قوانین کا محافظ، امانتدار خادم، محافظ و نگہبان اور امین معین نہ فرمائے تو دین فرسودہ ہو جائے گا، آئین اسلام مٹ جائے گا، اسلامی سنن و احکام دگرگوں اور سرنگوں ہو جائیں گے اور بدعتی لوگ دین میں مختلف چیزیں داخل کر دیں گے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ناقص ہیں اور کمال کے محتاج ہیں، علاوہ اس کے وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں ان میں مختلف میلانات ہیں اور ان کے حالات پراگندہ ہیں۔ بنابریں اگر اللہ تعالیٰ نظم

وقانون کے محافظ اور پیغمبر کے لائے ہوئے دین کے نگہبان کولوگوں پر مامور نہ کرتا تو لوگ خراب ہوجاتے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اسلامی نظام، قوانین، رسوم اور احکام دگرگوں ہوجاتے، نیز عہدو پیمان ٹوٹ جاتے اور یہ تغییر تمام لوگوں کی خرابی اور پوری بشریت کی تباہی کا باعث ہے"۔ ا (۲۲۰)

امامؑ کے حجت خدا ہونے کا مفہوم

﴿کون المعصوم حجّة الله﴾ ۲؎ "امام معصومؑ کے حجت خدا ہونے" کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف احکام کو بیان کرتا ہے کیونکہ زرارہ اور محمد بن مسلم جیسے افراد کا بیان بھی حجت ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان کی روایات کو رد کریں یا ان پر عمل نہ کریں۔ یہ ایک واضح امر ہے۔ بلکہ امام زمانؑ اور آپؑ کے آباء واجدادؑ کے حجت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مبارک وجود اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کے رفتار وکردار کے ذریعے لوگوں پر حجت تمام فرماتا ہے۔ اماموںؑ کی صفات میں سے ایک حکومت کے تمام میدانوں میں ان کا عدل وانصاف قائم کرنا ہے، مثلاً امیر المومنینؑ کا وجود تمام ظالم حکمرانوں اور فرمانرواؤں پر حجت تمام کرتا ہے کیونکہ اللہ نے آپ کی سیرت کے ذریعے ان سب پر حدود الٰہی سے تجاوز، اموال مسلمین میں تعدی اور اسلامی قوانین کی نافرمانی کے بارے میں عذر و بہانوں کے دروازے بند فرمادیے ہیں۔ امیر المومنینؑ، زندگی کے تمام شعبوں میں لوگوں پر اللہ کی حجت ہیں۔ یہی حال تمام حجج الٰہی کا ہے خصوصاً حضرت ولی عصرؑ کا جو لوگوں میں عدل کو پھیلائیں گے، زمین کو انصاف سے پر فرمائیں گے اور لوگوں پر عادلانہ حکومت کریں گے۔

﴿وانّهم حجج الله علی العباد﴾ "وہ لوگوں پر اللہ کی حجت ہیں" سے یہ بھی مراد ہے کہ اگر لوگ مسائل شرعیہ، احکام الٰہی، امور مسلمین کو چلانے، سیاسی امور کو نبھانے اور حکومت اسلامی سے مربوط امور میں ان کے علاوہ کسی اور کی طرف رجوع کریں جبکہ ائمہؑ خود لوگوں کے درمیان موجود ہوں تو لوگوں کا کوئی عذر

ا۔ علل الشرائع، ج ا، ص ۲۵۱، باب ۱۸۲، ح ۹۔

۲۔ اشارہ ہے جملہ: ﴿انا حجة الله...﴾ کی طرف۔ یہ اس توقیع کی عبارت ہے جسے اسحاق بن یعقوب نے حضرت ولی عصرؑ سے نقل کیا ہے۔ (کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۴، باب التوقیعات، ح ۴؛ نیز وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۰۱، کتاب القضاء، ابواب صفات القاضی، باب ۱۱)۔

بارگاہ الٰہی میں مقبول و مسموع نہ ہوگا۔ البتہ جب ظالم حکام لوگوں پر مسلط ہوں جو ائمہؑ کی طاقت وقوت کو سلب کریں تب عقل کی رو سے امام کی طرف سیاسی اور سرکاری امور میں ان لوگوں کے عدم مراجعہ کا عذر مقبول ہوگا اگرچہ اس صورت میں بھی خدا کی جانب سے معین شدہ اولی الامر اور حاکم یہی ہستیاں ہیں۔ شیعہ نقطہ نظر سے یہ ایک بدیہی امر ہے کہ امامؑ کے حجت خدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ امامؑ ایک خدائی منصب اور لوگوں پر ولایت مطلقہ کے حامل ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ امامؑ کا کام صرف احکام بیان کرنا ہو۔ واضح ہے کہ ان حقوق کی بنیاد اور علت یہ ہے کہ اللہ نے امامؑ کو لوگوں کا ولی اور سرپرست بنایا ہے۔ (۲۲۱)

نفاذ احکام کیلئے تعیین خلیفہ

ہم ولایت کے معتقد ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کو خلیفہ معین کرنا چاہیے اور آپؐ نے ایسا کیا بھی ہے۔[۱] کیا تعیین خلیفہ صرف بیان احکام کیلئے ہے؟ بیان احکام کیلئے خلیفہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود آنحضرتؐ یہ کام یہ کر سکتے تھے۔ آپ تمام احکام کو ایک کتاب میں لکھ کر لوگوں کو دے سکتے تھے تاکہ وہ عمل کریں۔ عقل کی رو سے تعیین خلیفہ کا لازم ہونا اس لئے ہے تاکہ وہ حکومت چلائے۔ ہمیں خلیفہ کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ وہ قوانین کو نافذ کرے۔ قانون کیلئے نافذ کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔

دنیا کے تمام ممالک کا یہی حال ہے کہ وہاں صرف قانون سازی کا فائدہ نہیں۔ (۲۲۲)

ائمہؑ کے پاس ولایت عامہ اور رسولؐ کے اختیارات ہیں

اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ مذہب حقہ شیعہ کی رو سے پیغمبر اکرمؐ کے بعد امت مسلمہ کے ائمہؑ اور رہنما حضرت علیؑ اور آپؑ کی معصوم اولاد (سلام اللہ علیہم) ہیں جو یکے بعد دیگرے زمانہ غیبت تک مسلمانوں کے ولی امر رہے ہیں۔ یہ حضرات پیغمبر اکرمؐ کے اختیارات، ولایت عامہ اور خلافت کلی الٰہی کے حامل رہے ہیں۔ (۲۲۳)

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے متعدد مواقع پر حضرت علیؑ کی جانشینی کی تصریح فرمائی ہے جن میں حدیث یوم الدار ''دعوت ذوالعشیرہ کا دن'' حدیث منزلت ''جنگ تبوک کے دوران حضرت علیؑ کا جانشین رسولؐ قرار پانا'' آیت ولایت ''سائل کو انگوٹھی دینا اور نزول آیت'' واقعہ غدیر خم اور حدیث ثقلین وغیرہ قابل ذکر موارد ہیں۔ (تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۸، ۵۳، تفسیر آیات ۶۷،۵۵، سورۂ مائدہ؛ نیز سیرۂ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۲۰؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۱۹ و ۳۲۲ اور الغدیر، ج ۱، ۲، ۳)۔

امت پر حکومت وولایت میں رسولؐ کی جانشینی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت وجانشینی اسلام کے آغاز سے ہی واضح مفہوم کی حامل رہی ہے۔اس میں کسی قسم کا ابہام موجود نہیں۔اگر خلافت کا مفہوم ولایت وحکومت میں ظہور نہ رکھتا ہو یعنی خلافت کا ظاہری معنی ہی خلافت وحکومت نہ ہو تو کم از کم یہ مسلّمہ ہے کہ ولایت وحکومت خلافت کا قدر متیقن اور واضح مصداق ہے۔بنابریں رسول اکرمؐ کا یہ فرمان: ''جو میرے بعد آئیں گے''۱ صرف اور صرف آنحضرتؐ کے جانشینوں کا تعارف بیان کرنے کیلئے ہے۔اس کا مقصد لفظ خلافت کی تعریف ہر گز نہیں۔یہ ایک واضح امر ہے۔علاوہ ازیں حدیث وسنت کی روایت کیلئے رسولؐ کی جانشینی کا نظریہ ایک مضحکہ خیز اور لایعنی بات ہے کیونکہ حضرت رسول اکرمؐ اپنی احادیث کے راوی نہیں تھے کہ جو آپ کا خلیفہ بھی اس امر میں آپؐ کا جانشین اور قائم مقام ہو۔(۲۲۴)

خلافت تکوینی اور خلافت تشریعی

لفظ خلافت درج ذیل دو مختلف اصطلاحی مفاہیم کا حامل ہے جن میں سے ہر ایک اپنے مخصوص مورد میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔خلافت تکوینی الٰہی جو اللہ کے برگزیدہ اولیائے خالص سے مختص ہے۔مثلاً مرسل انبیاء اور ائمہ طاہرین (سلام اللہ علیہم)۔

۲۔وضعی واعتباری خلافت مثال کے طور پر رسولؐ کا امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ مسلمین کے طور پر نصب فرمانا یا کسی اور کا خلافت کیلئے انتخاب کیا جانا۔

رہی ظاہری حکومت تو ائمہ طاہرینؑ نے اسے کبھی اہمیت نہیں دی سوائے اللہ کے قوانین کے نفاذ اور احکام دین کی ترویج کیلئے جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دن اپنی بے قیمت

۱۔اشارہ ہے اس حدیث رسولؐ کی طرف: ﴿اللّٰھمّ ارحم خلفائي. قیل: یا رسول اللّٰہ! ومن خلفائك؟ قال: الّذین یأتون من بعدي، یروون عنّي حدیثي وسنّتي﴾ ''پروردگارا! میرے خلفاء پر رحم فرما۔پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے خلفا کون ہیں؟ فرمایا: وہ جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ سے میری حدیث وسنت کو نقل کریں گے''۔

وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص۶۵، کتاب القضا، باب ۸، ابواب صفات قاضی، ح ۵۰۔

جوتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ؑ نے فرمایا: ﴿وَاللهِ لَهِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اِمْرَتِكُم﴾ ۱ ''اللہ کی قسم یہ جوتا میرے نزدیک محبوب تر ہے تمہارے اوپر حکومت کرنے سے مگر یہ کہ اس حکومت کے ذریعے کوئی حق بپا برجا کروں یا کسی باطل کا قلع قمع کروں''۔

اس کے علاوہ معروف خطبہ ''شقشقیہ'' میں فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس اللہ کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسان کو خلق کیا کہ اگر لوگ حاضر نہ ہوتے اور مددگاروں کی موجودگی مجھ پر حجت تمام نہ کرتی، نیز اگر خدا نے علما سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے تو میں اس اونٹ (حکومت) کی لگام اس کی گردن میں ڈال دیتا اور خلافت کا انجام، اس کی پہلی جام سے سیراب کر دیتا۔ تب تم دیکھتے کہ تمہاری یہ دنیا میری نزدیک بکری کی رال سے بھی حقیر تر ہے''۔ ۲ (۲۲۵)

خلافت کلی اور خلافت ظاہری

امام معنوی مقامات کا بھی حامل ہوتا ہے جو حکومت کی ذمہ داری کے علاوہ ہے۔ یہ مقام ''خلافت کلی الٰہی'' سے عبارت ہے جس کا ذکر گاہ ائمہ ؑ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک تکوینی خلافت ہے جس کی رو سے کائنات کے تمام ذرات ولی امر کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

یہ بات ہمارے مذہب کی مسلمہ باتوں میں سے ایک ہے کہ کوئی بھی ائمہ ؑ کے معنوی مقامات کو حاصل نہیں کر سکتا خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل۔ (۲۲۶)

غدیر میں اعطائے حکومت

واقعہ غدیر دراصل حکومت کیلئے جانشین نصب کرنے کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قابل نصب ہے وگرنہ معنوی مقامات قابل نصب نہیں۔ معنوی مقامات نصب سے حاصل ہونے والی چیزوں میں سے نہیں بلکہ آپ (علی علیہ السلام) کو پہلے سے حاصل معنوی مقامات اور جامعیت کی بدولت منصب حکومت پر نصب کیا گیا۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۳۳۔

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۳۔ (رہی خدا کی دی ہوئی خلافت کبریٰ تو وہ یقیناً امام ؑ کی نظر میں بے وقعت نہ تھی۔ یہ خلافت اصولی طور پر ایسی چیز نہیں جس سے کنارہ گیری کی جائے، جسے اہمیت نہ دی جائے اور چھوڑ دیا جائے)۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ولایت کا ذکر صوم وصلاۃ وغیرہ کے عرض میں کیا جاتا ہے کیونکہ ولایت ان امور کو چلاتی ہے۔ حدیث غدیر میں جس ولایت کا ذکر ہے اس سے مراد حکومت ہے، معنوی مرتبہ ومقام نہیں۔ اگر ہم حدیث غدیر کے بارے میں یہ خیال کریں کہ یہ حضرت امیر المومنینؑ کیلئے کوئی معنوی یا روحانی مقام ومرتبہ ثابت کرنا چاہتی ہے تو یہ غلط ہے۔ حضرت امیرؑ تو خود غدیر کو وجود میں لانے کا باعث بنے ہیں۔ آپؑ کے عظیم مقام ومرتبے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؑ کو حاکم قرار دیا ہے۔

منصب حکومت اور ولایت کلی میں فرق

یہ مسئلہ حکومت سے مربوط مسئلہ ہے، سیاسی مسئلہ ہے۔ اللہ نے رسولؐ کو یہ حکم دیا کہ اس حکومت اور اس سیاسی منصب کو حضرت امیرؑ کے حوالے کریں۔ یہ حکومت جو سیاست کے ساتھ مخلوط ہے عید غدیر کے دن حضرت امیرؑ کیلئے ثابت ہوئی۔ اس حدیث اور دیگر احادیث مثلاً ﴿بُنِيَ الاِسْلَامُ عَلىٰ خَمْسٍ...﴾ والی روایت میں جس ولایت کا ذکر ہے وہ امامت کی کلی ولایت نہیں۔ وہ امامت جس پر اعتقاد رکھے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اس سے مراد یہ حکومت نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے ائمہؑ کے پاس حکومت نہیں تھی۔ آج ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امیرؑ کو ایک محدود وقت کیلئے حکومت ملی تھی۔ حضرت امام حسنؑ کو بھی بہت ہی کم مدت کی حکومت ملی۔ دیگر ائمہؑ کے پاس حکومت نہیں تھی۔ پس خدائے تعالیٰ نے جو ولایت جعل ووضع کے ذریعے امام علیؑ کیلئے غدیر میں عطا فرمائی اور اس کے بعد دیگر ائمہؑ کو بھی اس کیلئے منصوب فرمایا اس ولایت سے مراد حکومت ہے۔

بنابریں ﴿بُنِيَ الاِسْلَامُ عَلىٰ خَمْسٍ...﴾ سے مراد یہ نہیں کہ ولایت اس حکومت کے عرض میں واقع ہو بلکہ دراصل ولایت سے مراد حکومت ہے اور حکومت بھی اس قسم کی۔ حکومت کا تعلق فروعات سے بھی نہیں۔ جو چیز ہمارے ائمہؑ کو غدیر سے قبل اور ہر چیز سے قبل حاصل تھی وہ ولایت کلی کا مقام ہے۔ یہ وہ امامت ہے جس کا ذکر حدیث میں یوں ہوا ہے: ﴿الحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ اِمامانِ قاما اَوْ قَعَدا﴾[۱]

امامت سے مراد حکومت نہیں۔ یہاں امام سے مراد کچھ اور ہے اور وہاں مسئلہ ہی مختلف ہے۔ وہاں

۱۔ عن النبي ﷺ: ﴿الحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ اِبْنايَ هٰذانِ اِمامانِ قاما اَوْ قَعَدا﴾ ''میرے یہ دو فرزند'' حسن وحسین'' امام ہیں خواہ قیام کریں یا نہ کریں''۔ (بحار الانوار، ج۲۱، ص۲۷۹)

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسے قبول نہ کرے تو اس کی تمام نمازیں باطل ہیں اگر چہ انہیں شیعہ قواعد وضوابط کے مطابق ہی کیوں نہ انجام دیا ہو۔ یہ حکومت سے مختلف مفہوم ہے، وہ انکے عرض میں واقع نہیں ہوتا، وہ مذہب کے اصول میں داخل ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس کا تعلق اصول مذہب سے ہے۔ (۲۲۷)

غدیر کی قدروقیمت علیؑ کی وجہ سے

واقعہ غدیر کوئی ایسا واقعہ نہیں جس نے بذات خود حضرت امیرؑ کیلئے کوئی مرتبہ بخشا ہو بلکہ حضرت امیرؑ نے واقعہ غدیر کو وجود بخشا ہے۔ آپؑ کا وجود مبارک جو تمام خوبیوں کا سرچشمہ تھا غدیر کے وجود میں آنے کا موجب بنا۔ آپؑ کی ذات کیلئے غدیر کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس چیز کی قدر و قیمت ہے وہ خود علی علیہ السلام ہیں۔ آپؑ کی اسی قدر و قیمت کے نتیجے میں غدیر واقع ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ رسول اللہؐ کے بعد انسانوں میں حضرت علیؑ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں جو صحیح معنوں میں عدل پر عمل پیرا ہو تو رسولؐ کو حکم دیا کہ اس شخص (علیؑ) کو جو عدل کو مکمل طور پر معاشرے میں قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایک حکومت الٰہی چلا سکتا ہے نصب کرو۔ منصب خلافت پر آپؑ کا منصوب ہونا آپؑ کی معنوی عظمت میں اضافے کا موجب نہیں بلکہ اس کے برعکس آپؑ کی معنوی عظمت اور جامع کمالات نے واقعہ غدیر کو جنم دیا۔ (۲۲۸)

خلافت ظاہری کی تصریح کی ضرورت

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی جانب سے کسی کی خلافت کی تصریح نہیں فرمائی اور کوئی خلیفہ معین نہیں کیا، کیونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ آپؐ کی امت کے درمیان ایک شخص ہے جو اللہ سے خلافت کو حاصل کرے اور خدا کا خلیفہ بنے۔

یہاں مذکورہ جملے ''اپنی جانب سے کسی کی خلافت کی تصریح نہیں فرمائی'' سے مراد خلافت معنوی ہے جو عالم اسماء واعیان سے واقفیت کی بنا پر حقائق کے بارے میں حاصل ہونے والا معنوی مکاشفہ ہے، جس کی تصریح وتنصیص واجب نہیں ہے جبکہ خلافت ظاہری کا اظہار واعلان واجب ہے، کیونکہ یہ رسالت ونبوت سے مربوط ہے اور اسماء کونیہ کے تحت واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خلفائے ظاہری کو معین فرمایا۔

پس جس طرح نبوت ایک الٰہی اور خداداد منصب ہے اور اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسکے باعث

لوگوں کی جان و مال میں اولویت حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح خلافت ظاہری کا بھی یہی حال ہے۔ چونکہ منصب الٰہی لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوتا ہے اس لئے اس کا اظہار اور اس کی تعیین و تشخیص ضروری ہے۔ قسم ہے جان محبوب کی کہ خلیفہ کی تعیین رسول اللہ ؐ کی عظیم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے کیونکہ اس قدر اہم مسئلے سے سہل انگاری امت کو پراگندہ کرنے، نبوت کی بنیادوں کو متزلزل بنانے اور آثار شریعت کو مٹانے کے مترادف ہے۔ رسولؐ کے ساتھ اس سہل انگاری کی نسبت دینا ایک قبیح ترین فعل ہے۔ ایک عام آدمی کے ساتھ بھی اس کی نسبت دینا درست نہیں کہاں یہ کہ اسے نبی اکرم ؐ اور رسول معظم ؐ سے منسوب کیا جائے۔ ہم اپنے نفس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ فتدبّر۔ (۲۲۹)

اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ یہاں ولایت سے ہماری مراد ولایت کلیہ الٰہیہ نہیں جو عرفا اور بعض فلسفیوں کے ہاں معروف ہے بلکہ اس سے مراد وہی ولایت اعتباری و وضعی ہے جس طرح عام سلطنت و حکومت اور معاشرے میں مرسوم مناصب اور عہدے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوود علیہ السلام کو جو خلافت دی وہ یہی ولایت تھی اس کے ذریعے داوودؑ کو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہوا۔ اسی طرح رسول اکرم ؐ نے حضرت علیؑ کو خدا کے حکم سے اپنے خلیفہ اور امت مسلمہ کے رہبر کے طور پر معین فرمایا۔ بنابریں یہ ایک واضح اور مسلّمہ امر ہے کہ اس قسم کی ولایت و رہبری قابل انتقال اور قابل ارث ہے۔ نہج البلاغہ کی یہ عبارت اس کی تائید کرتی ہے: ﴿أریٰ تُـراثي نَهبـاً﴾ [۱] ''میں دیکھتا ہوں کہ میری میراث غارت ہو رہی ہے''۔ بنابریں رسول ؐ کی ولایت یعنی آنحضرت ؐ کا امور حکومت و سیاست میں مومنین پر خود ان کی بہ نسبت زیادہ حق تصرف رکھنا [۲]، فقہا کو منتقل ہوتی ہے۔ (۲۳۰)

جانشین کا تقرر، اتمام رسالت کی ہم پلہ

اگر پیغمبر اکرم ؐ خلیفہ معین نہ فرمائیں تو ﴿... فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه﴾ [۳] یعنی گویا آپ ؐ نے اپنی رسالت ہی کی تکمیل نہیں کی۔ چونکہ احکام کا نفاذ اور نافذ کرنے والی طاقت کا وجود ضروری ہے، نیز رسالت کی تکمیل اور عدل پر مبنی نظام جو فلاح بشریت کا ضامن ہے قائم کرنے کیلئے اس کی اہمیت واضح ہے اس لئے

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۳۔ ۲۔ سورۂ احزاب کی آیت/۶ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ سے ماخوذ۔

۳۔ سورۂ مائدہ کی آیت/۶۷۔

جانشین کا تقرر اتمام رسالت کے مترادف ہے۔(۲۳۱)

عصر غیبت تک رسولؐ کے جانشینوں کا تقرر

جب رسول خداؐ نے دنیا سے رخصت ہونا چاہا تو آپؐ نے زمانہ غیبت تک اپنے پہلے جانشین اور باقی جانشینوں کو معین فرمایا۔ انہی جانشینوں نے امام امت کی تعیین بھی فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ امت کو شتر بے مہار کی طرح آزاد اور حیران و سرگرداں نہیں چھوڑا بلکہ ان کیلئے امام معین کئے اور رہبر منصوب فرمائے۔ جب تک ائمہ ہدیٰ موجود تھے وہ خود کافی تھے لیکن ان کے بعد فقہا ہیں۔(۲۳۲)

غدیر میں حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

آج عید غدیر ہے۔ یہ عید اس لئے ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے ذریعے خدائی مقاصد کو عملی جامہ پہنائے، نیز تبلیغ دین اور انبیاء کے مشن کو جاری رکھنے کیلئے حضرت امیر سلام اللہ علیہ کو منصوب فرمایا۔(۲۳۳)

غدیر، خلافت کے نمونے کو معین کرنے کا دن

عید غدیر کا دن وہ دن ہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے حکومت کی ذمہ داری معین فرمائی اور اسلامی حاکم کے نمونے کو آخر تک معین فرمایا۔ اسلامی حکومت کا نمونہ اس شخصیت سے عبارت ہے جو ہر لحاظ سے خالص و مہذب اور ہر زاویے سے معجزہ ہو۔ البتہ رسول اکرمؐ یہ جانتے تھے کہ کوئی شخص ہر لحاظ سے حضرت امیرؑ کی طرح نہیں ہو سکتا لیکن نمونے کی آخر تک تعیین فرمائی جو اس سے قریب تر ہو۔ چنانچہ حضرت امیرؑ نے اپنی حکمت عملی کو مالک اشتر کے نام اپنے عہدنامے میں خود ہی بیان فرمایا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ حکومت اور آپؑ کی طرف سے منصوب مختلف علاقوں کے حکام کی کیا ذمہ داری ہے۔

رسول اکرمؐ نے خلافت کا جو نمونہ معین فرمایا نیز حضرت علیؑ نے جو حکمت عملی دی اور والیوں کی ولایت کی جو کیفیت بیان فرمائی ان کی روشنی میں اب تک اقتدار میں آنے والی حکومتیں جو حضرت امیرؑ کے بعد اور حضرت امام حسنؑ کی چند روزہ حکومت کے بعد اقتدار پر قابض ہوئیں ان میں سے کوئی حکومت حکمرانی کی صلاحیت و لیاقت کی حامل نہیں تھی خواہ وہ حکومتیں ہوں جو کچھ حد تک آداب حکومت اور رسولؐ کے دکھائے ہوئے نمونے کی صفات سے متصف رہی ہوں خواہ وہ جو سرے سے ایسی نہ ہوں۔(۲۳۴)

رسولؐ کو علیؑ کی جانشینی کا اعلان کرنے کا حکم

اگر چہ رسول خدا ﷺ کیلئے حضرت امیرؑ کا تعارف بطور خلیفہ کرانا اور لوگوں کو راہ ہدایت کے بارے میں بتانا مشکل تھا کیونکہ آپؐ اس بات کے امکان کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں اختلاف نہ ہو جائے اس کے باوجود اللہ نے آپؐ کو حکم دیا کہ اعلان کریں، اگر نہ کریں تو ایسا ہے گویا آپؐ نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔[۱](۲۳۵)

بیک وقت دو جانشین نصب نہیں ہوسکتے

چونکہ ظاہری خلیفہ اللہ کی طرف سے منصوب اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ رسالت کی صفت رکھتا ہے اس لئے دو خلیفے نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ خلیفہ معین کرنے والے دو ہوں جس طرح ظاہری حکومتوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔(۲۳۶)

خدا اور رسولؐ کی طرف سے اولوا الامر کی تعیین

یہ مولف ایک اور اشتباہ کرتا ہے اور کہتا ہے: ''ہر راہ خصوصاً راہ خدا میں انسان کو گمنام رہنا چاہئے۔

امامت تو ایک طرف، رسالت کو بھی دین کا جزء شمار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ دین کے راہنما ہیں نہ جزء دین''۔ اس کے بعد کہتا ہے: ''اگر اشخاص کے ناموں پر اس قدر بے فائدہ بحث کرنے کی بجائے اصلی مقصد یعنی توحید اور تقویٰ پر گفتگو اور بحث ہوتی تو ایک طرف سے یہ اختلافات جلدی دور ہوتے اور دوسری طرف سے بہتر پیشرفت اور ترقی ہوتی''۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ بالفرض ہمارے پاس اس بات کی دلیل نہ بھی ہو کہ نبوت و امامت جزء دین ہیں اور انہیں دین کا جزء شمار بھی نہ کریں اس کے باوجود عقل کی رو سے رسول کو پہچاننا بھی ضروری ہے اور امام کو بھی، کیونکہ اگر چہ ہم یہ فرض کریں کہ وہ جزء دین نہیں لیکن حکم خدا ﴿اَطِیعُوا اللهَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْکُم﴾[۲] کی رو سے اللہ نے تمام انسانوں پر واجب کیا ہے کہ پیغمبر اور امام جو کچھ کہیں اس پر عمل کریں۔

۱۔ سورۂ مائدہ/۶۷۔

۲۔ سورۂ نساء/۵۹۔

آیئے ہم فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی آتے ہیں اور دونوں ہی دعوی کرتے ہیں کہ جس رسول کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے وہ میں ہوں پھر وہ دونوں ہمیں ایک ایک حکم دیں جو دوسرے کے حکم کے مخالف ہو اور ہم کسی طرح یہ نہ جان سکیں کہ کس کی اطاعت کرنی چاہئے مگر یہ کہ انہیں نام ونشان سے پہچانیں اور دیکھیں کہ جس کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے وہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو فلاں سال میں پیدا ہوئے اور فلاں فلاں صفات کے حامل ہیں نہ کہ مسیلمہ کذاب یا کوئی اور۔ کیا آپ کہتے ہیں کہ جو کوئی آئے اور نبوت کا دعویٰ کرے اور کہے "میری طاعت کرو" اس کی بات بغیر دلیل کے قبول کرنی چاہئے؟ کیا اس کی شناسائی ضروری نہیں؟ مثال کے طور پر مرکزی حکومت، تہران شہر کیلئے ایک حاکم معین کرے جس کا نام ونشان معین ہو پھر ایک شخص دعویٰ کرے کہ میں وہی حاکم ہوں اور تمہیں میری اطاعت کرنی چاہئے تو کیا آپ اس کی شناخت کے بغیر اس کی اطاعت کریں گے؟ یا اس شہر میں ایک ڈاکٹر ہے جو پھیپھڑوں کے امراض کا متخصص ہے۔ اگر آپ کو یہ ڈاکٹر مطلوب ہو تو کیا آپ اسے پہچانے بغیر ہر اس شخص کی طرف رجوع کریں گے جو سائن بورڈ لگائے بیٹھا ہو؟ یا پہلے اسے پہچاننے کی کوشش ضروری سمجھیں گے تا کہ آپ جان لیں کہ یہ وہی سپیشلسٹ ڈاکٹر ہے پھر اس کی طرف رجوع کریں گے؟

ہم نے پیغمبرؐ کو پہچان لیا، پیغمبرؐ کے بعد حضرت ابوبکر کھڑے ہو گئے اور بولے "خلافت رسول میرا حق ہے اور میں وہی اولوا الامر ہوں جس کی اطاعت خدا نے تمام لوگوں پر واجب کی ہے"۔ علی بن ابی طالبؑ نے بھی یہی فرمایا۔ اب یہاں لوگوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ کیا امام اور اولوا الامر کی خصوصیات کے بارے میں انہیں عقل کی طرف رجوع کرنا چاہئے؟ کیا انہیں خدا اور رسولؐ کے فرامین کی طرف مراجعہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے یا نہیں؟ یا انہیں لاپرواہی برتنی چاہئے اور کہنا چاہئے "ہمارا مقصود اصلی توحید ہے، ہم نے خدا کو پہچان لیا ہے، اب خدا کی اطاعت نہیں کریں گے، اس نے جو کچھ کہا ہے اپنے لئے کہا ہے، ہمیں اللہ کے فرامین سے کوئی سروکار نہیں، ہمارے لئے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ خدا ایک ہے، ہم خدا ورسولؐ کے تمام احکام کو پس پشت ڈال دیں گے اور اسی توحید پر اکتفا کریں گے؟

عقل جو رسول باطنی ہے کہتی ہے کہ جس دلیل سے اطاعت خدا لازم ہے اسی دلیل کی رو سے اطاعت رسول بھی لازم ہے اور اسی دلیل کی وجہ سے اطاعت اولوا الامر بھی واجب ہے۔ پس پہلے اولوا الامر کو نام

ونشان کے ساتھ پہچاننا چاہئے پھر اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ بنابریں لوگوں کے ناموں کے بارے میں اس قدر بحث وگفتگو کی ضرورت خود عقل وخرد کے فیصلے کی وجہ سے پیش آئی۔ سارے مسلمان آئیں اور رسول ؐ نے اولوالامر کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سلسلے میں ہماری بات تسلیم کریں اور ان لوگوں کو رد کریں جنہوں نے رسول ؐ کی جانشینی کا بے جا دعویٰ کیا تو پھر ہم کسی قسم کا اختلاف اور کوئی بحث وگفتگو نہیں کریں گے۔ یہ ساری بحث اطاعت خدا کے بارے میں ہے وگرنہ افراد واشخاص کے بارے میں ہم بات ہی نہ کرتے۔ اس دنیا میں بے شمار سلاطین، بزرگ ہستیاں اور فلسفی آئے لیکن ہم نے کسی سے ان کے بارے میں بحث وگفتگو نہیں کی اور ان کا نام ونشان تک بھلا دیا۔ لیکن صرف چند افراد کے بارے میں اس قدر بحث چھڑ گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کیا ہماری یہ ساری بحث حکم خدا سے مربوط نہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرمودات کو کوئی اہمیت نہ دیں؟ کیا آپ کی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی؟

نبوت وامامت دین کے دو اجزا۔

یہ ساری باتیں جو ہم نے آپ سے کیں اس صورت میں درست تھیں کہ نبوت وامامت دین کا حصّہ نہ ہوں لیکن ہمارے پاس قرآن وسنت کی دلائل موجود ہیں کہ یہ دین کا حصّہ ہیں۔ پیغمبر ؐ کے جزءِ دین ہونے کے بارے میں قرآن کریم نے کئی آیات میں تصریح فرمائی ہے اور نبوت کو دین کا حصّہ قرار دیا ہے۔ بنابریں ہمیں بھی چاہئے کہ اسے دین کا جزء مان لیں۔ قرآن کی گواہی ملاحظہ ہو:

سورۂ حدید کی آیت/۲۸ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَـآ أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُوا اتَّقُوا اللهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْلَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اللہ پر ایمان لانے والوں یا گزشتہ انبیاء کو حکم دیا جارہا ہے کہ پیغمبر پر ایمان لے آؤ تاکہ خدا کی رحمت سے دو حصے تمہیں حاصل ہوں اور اللہ تمہیں ایک ایسا نور عطا کرے جس کے ساتھ تم چلو۔ اگر رسول پر ایمان دین کا حصہ نہیں تو یہ آیت لایعنی اور بے فائدہ ہوگی۔ پھر تو اسے یوں کہنا چاہئے تھا: پیغمبر کو بھول جاؤ اور اس کا نام خدا کی راہ میں فراموش کردو تاکہ یہ بات ان احمقوں کی بات کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

سورۂ بقرہ کی آیت/۲۸۵ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ

کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ یعنی رسول ایمان لے آیا اس چیز پر جو اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی اور سارے مومنین ایمان لے آئے خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہاں خداوند متعال مومنین کی یہ صفت بیان فرماتا ہے کہ وہ پیغمبروں پر ایمان لے آئے۔ اگر پیغمبروں پر ایمان دین کا حصہ نہ ہوتا تو جس طرح راقم عرض کرتا ہے اللہ کو چاہئے تھا کہ نفی میں اشارہ فرماتا اور پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں کی تعریف کرنے کی بجائے ان کی مذمت کرتا۔

سورۂ نور کی آیت ۴۷ میں فرماتا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [۱] جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے خدا انہیں مومن کہتا ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس ایمان سے پھر گئے انہیں مومنین کے دائرے سے خارج قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ پس ایمان کے ارکان میں سے ایک رسول پر ایمان ہے۔

رہا یہ کہ امام کی معرفت اور محبت ایمان کا حصہ ہے تو اس پر قرآن کی کچھ آیات دلالت کرتی ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جن میں سے ایک سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [۲]

شیعوں کا اس بات پر اتفاق ہے اور اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں طرق کثیرہ سے ابوہریرہ، ابوسعید خدری، ابورافع اور دیگر راویوں سے منقول ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [۳] غایۃ المرام نامی کتاب میں اہل سنّت کی نو احادیث نقل کی گئی ہیں کہ یہ آیت

۱۔ اور منافقین (بھی مومنین کی طرح) کہتے ہیں: ہم اللہ اور رسول پر ایمان لاتے اور اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں سے ایک جماعت حق سے روگرداں ہوتی ہے اور یہ لوگ سرے سے ایمان لانے والے ہی نہیں ہیں۔

۲۔ اے رسول تیرے رب کی جانب سے تجھ پر نازل شدہ چیز (لوگوں تک) پہنچاؤ۔ اگر ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے تبلیغ رسالت ہی نہیں کی۔ اللہ آپ کو لوگوں (کے شرّ) سے محفوظ رکھے گا۔

۳۔ امالی ابن الشجری، ص ۱۴۵، ابن عباس سے منقول؛ نیز النور المشتعل، ص ۸۶، ابوسعید خدری سے؛ نیز شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۲۴۹ تا ۲۵۱، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور ابن عباس سے؛ نیز مجمع البیان، ج ۳، ص ۲۲۳، ابن عباس -->

علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں ہے۔[۱] اب بتایئے کیا خدا کے حکم سے علی بن ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان تاکہ لوگ آپ کو پہچان لیں، دین کا حصہ ہے اور لوگ اس معرفت اور اطاعت کے پابند تھے یا یہ ایک فضول اور غیر عاقلانہ عمل تھا جس کا مقصد صرف کھیل اور مذاق تھا؟

نبوت وامامت دین کے دو ارکان

غایۃ المرام میں سورۂ صافات کی چوبیسویں آیت ﴿وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾ کے بارے میں اہل سنّت کی آٹھ احادیث مذکور ہیں جو کہتی ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو روکا جائے گا اور ان سے ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔[۲] اگر علیؑ کی ولایت اور آپؑ کی معرفت ایمان کا حصہ نہ ہوں اور دین سے مربوط نہ ہوں تو یہ سوال فضول اور بے جا ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[۳] کے بارے میں اہل سنّت کی چار احادیث مذکور ہیں کہ ''حبل اللہ'' جس سے تمسک لوگوں پر واجب ہے سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔[۴]

یاد رکھئے کہ قرآن کریم میں علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں جو آیات ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے ذکر کی ان اوراق میں گنجائش نہیں۔ تفصیل کے خواہشمند افراد شیعہ وسنی تفاسیر کی طرف رجوع کریں تاکہ حقیقت حال واضح ہو۔

رہیں احادیث شریفہ تو وہ اس بارے میں کئی ہزار سے زاید ہیں۔ شائقین غایۃ المرام اور دیگر کتب حدیث کی طرف رجوع کریں۔ ان احادیث میں سے ایک شیعہ وسنی محدثین کے ہاں معروف حدیث نبویؐ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿مَنْ ماتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمامَ زَمانِهِ ماتَ مِيْتَةَ الْجاهِلِيَّةِ﴾ یعنی جو کوئی اپنے

<ـــ اور جابر بن عبد اللہ سے اور فرائد السمطین، ج۱، ص۱۵۸، ابو ہریرہ سے۔

۱۔ غایۃ المرام، ص۳۳۴، المقصد الاول، باب ۳۷۔

۲۔ غایۃ المرام، ص۲۵۹، المقصد الاول، باب ۵۰۔

۳۔ اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور افتراق کا مظاہرہ مت کرو۔

۴۔ غایۃ المرام، ص۲۴۲، المقصد الاول، باب ۳۶۔

زمانے کے امام کو پہچانے بغیر مرجائے وہ عہد جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

امامت کی عظمت سے مربوط چند احادیث

ان میں سے کچھ احادیث وہ ہیں جنہیں بہت سے سنی محدثین نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ﴿اِلزَمُوا مَوَدَّتَنا اَهلَ البَيْتَ فَإنَّهُ مَنْ لَقِیَ اللهَ وَهُوَ يَوَدُّنا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِشَفاعَتِنا؛ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يَنْفَعُ عِنْدَهُ عَمَلُهُ اِلاَّ بِمَعْرِفَةِ حَقِّنا﴾[1]

نیز ارشاد فرمایا: ''آگاہ رہو کہ جو کوئی آل محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرجائے وہ شہید کی موت مرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ جو کوئی آل محمدؐ کی محبت پر مرجائے وہ مغفرت کے ساتھ مرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ جو شخص آل محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرجائے وہ تائب مرتا ہے۔ آگاہ رہو کہ جو کوئی آل محمدؐ کی محبت پر مرجائے وہ مومن مرتا ہے جبکہ اس کا ایمان کامل ہوتا ہے''۔[3]

اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں جن کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہے۔(۲۳۷)

اعلان خلافت کا حکم اللہ نے دیا

اگر رسولؐ کو خلافت کا عہدہ ملا تو اللہ کے حکم سے ملا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورؐ کو خلیفہ قرار دیا ہے یعنی زمین میں اللہ کا خلیفہ بنایا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی مرضی اور رائے سے کوئی حکومت نہیں بنائی تاکہ مسلمانوں کا سربراہ بن جائیں۔ اسی طرح جب امت کے درمیان اختلافات کا احتمال پیدا ہوگیا جبکہ لوگوں کو ابھی مسلمان ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا تو رسول اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حکم دیا کہ فوری

۱۔ ہم اہل بیتؑ کی محبت کے پابند رہو کہ جو شخص اللہ سے ہماری مودت کے ساتھ ملاقات کرے گا قیامت کے دن وہ ہماری شفاعت سے داخل جنت ہوگا۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اس کا عمل ہمارے حق کی معرفت کے بغیر فائدہ نہ دے گا۔

مجمع الزوائد، ج۹ ص۱۷۲؛ المعجم الاوسط طبرانی سے؛ نیز الصواعق المحرقہ، ص۲۳۰؛ نیز الشرف المؤبد لآل محمد، ص۸۵۔

۲۔ معرفت آل محمدؐ، جہنم سے نجات کی باعث ہے۔ حبّ اہل بیتؑ، صراط سے گزرنے کا پروانہ ہے اور ولایت آل محمدؐ، عذاب سے امان ہے۔

قاضی عیاض مغربی کی کتاب الشفا، ج۲ ص۴۱؛ نیز نزھۃ المجالس، ج۲ ص۱۰۵؛ نیز ینابیع المودۃ، ص۲۶۳۔

۳۔ الفصول المہمہ، ص۱۱۰؛ نیز تفسیر کشاف، ج۳ ص۴۰۳؛ نیز الکاف الشاف، ص۱۴۵۔

طور پر اسی بیابان میں امر خلافت کا اعلان کریں۔[1]

پس رسول اکرم ﷺ نے قانون کی رو سے اور قانون کی متابعت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کی تعیین فرمائی اس لئے نہیں کہ حضرت علیؑ حضورؐ کے داماد تھے یا آپؑ کی سابقہ خدمات تھیں بلکہ اس لئے کہ آپؐ خدا کی طرف سے ایسا کرنے پر مامور اور تابع حکم خدا تھے۔ آپؐ تو بس حکم خدا کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

جی ہاں! اسلام کے اندر حکومت قانون کی متابعت سے عبارت ہے اور معاشرے پر صرف قانون کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اگر رسول اکرم ﷺ اور اولیا کو جو محدود اختیارات حاصل ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے ہی دی گئی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے جب بھی کوئی بات بیان کی یا کوئی حکم پہنچایا وہ قانون الٰہی کی متابعت میں انجام پایا۔ وہی قانون جس کی پیروی بغیر کسی استثنا کے سارے لوگوں کو کرنی چاہئے۔

حکومتی اوامر میں پیغمبرؐ اور ائمہؑ کی اطاعت

خدا کا حکم حاکم و رعایا سب کیلئے ہے۔ وہ اکیلا حکم اور قانون جس کی پیروی سب پر لازم ہے اللہ کا حکم اور اس کا قانون ہے۔ رسولؐ کی پیروی بھی حکم خدا کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ [2] یعنی رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اسلامی حکام یعنی اولوا الامر کی پیروی بھی حکم الٰہی کی تابع ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿أَطِيعُوا ... أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [3] لوگوں کی ذاتی رائے یہاں تک کہ رسول اکرمؐ کی ذاتی رائے کو بھی حکومت اور قانون الٰہی میں کسی قسم کا دخل حاصل نہیں ہے اور سب کے سب ارادہ الٰہی کے تابع ہیں۔ (۲۳۸)

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ...﴾ [4]

۱۔ اشارہ ہے واقعہ غدیر خم اور اس آیت کے نزول کی طرف ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾۔

(سورۂ مائدہ ۶۷/: نیز الغدیر، ج ۱، ص ۲۱۴ تا ۲۲۹)

۲۔۳۔۴۔ سورۂ نسا ۵۹/۔

حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی آیت: ﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَهْلِهَا﴾ [1] ائمہؑ سے مربوط ہے اور عدل کے حکم پر مشتمل آیت: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ ...﴾ [2] حکام سے مربوط ہے اور یہ آیت ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ مسلمان معاشرے سے خطاب ہے۔ [3] ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ احکام الٰہی میں اللہ کی نیز رسول اکرمؐ اور اولوا الامر یعنی ائمہؑ کی پیروی واطاعت کریں یعنی ان کی تعلیمات پر چلیں اور ان کے حکومتی احکام کی متابعت کریں۔

عرض کر چکا ہوں کہ اوامر خداوندی کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کے علاوہ ہے۔ عبادات اور غیر عبادات سے مربوط تمام احکام (شرعی) اوامر الٰہی ہیں۔ نماز کے بارے میں رسولؐ کا اپنا کوئی حکم نہیں۔ اگر رسولؐ لوگوں کو نماز کا حکم دیتے ہیں تو یہ حکم خداوندی کی تائید اور اس کا اجرا ہے۔ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں تو یہ امر خداوندی پر عملدر آمد ہے۔

رسول اکرمؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے علاوہ ہے۔ حکم رسول وہ ہے جو خود رسول اکرمؐ سے صادر ہو اور حکومتی حکم ہو مثلاً آپؐ کا یہ حکم کہ لشکر اسامہ کی پیروی کرو، اسی طرح جن احکام میں یہ بتایا جائے کہ سرحدوں کی حفاظت کس طرح کی جائے، ٹیکسوں کی جمع آوری کہاں سے کی جائے اور لوگوں کے ساتھ کس طرح زندگی گزاری جائے وغیرہ۔ یہ رسول اکرمؐ کے اوامر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا پابند قرار دیا

۱۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَهْلِهَا﴾ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو''۔

۲۔ ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ ''جب تم فیصلہ (قضاوت) کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو''۔ (سورۂ نساء/۵۸)

۳۔ برید عجلی سے مروی ہے کہ میں نے ابوجعفر الباقرؑ سے اللہ کے اس کلام کے بارے میں سوال کیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلٰیٓ اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ قالَ: اِيّانا عَنى، اَنْ يُؤَدّيَ الْأَوَّلُ اِلَى الإمامِ الَّذي بَعْدَهُ الْكُتُبَ وَالْعِلْمَ وَالسِّلاحَ وَاِذا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ الَّذي في اَيْديكُمْ؛ ثُمَّ قالَ لِلنّاسِ: ﴿يا اَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا اَطيعُوا اللّٰهَ وَاَطيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اِيّانا عَنى خاصَّةً اَمَرَ جَميعَ الْمُؤْمِنينَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيامَةِ بِطاعَتِنا﴾۔

اصول کافی، ج۱، ص۲۷۶، کتاب الحجہ، باب ان الامامؑ یعرف الامام الذی یکون من بعدہ...، ح۱؛ نیز تفسیر برہان، ج۱، ص۳۷۹ تا ۳۸۶، آیت ۱۰۱ کے ذیل میں۔

ہے کہ ہم رسول اکرمؐ کی پیروی کریں جس طرح ہمیں اولوا الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے مذہب کے مسلمہ امور میں سے ایک یہ ہے کہ اولوا الامر سے مراد ائمہؑ ہیں۔

حکومتی امور میں اولوا الامر کی اطاعت بھی اطاعت الٰہی سے مختلف ہے البتہ چونکہ اللہ نے ہمیں رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لئے ان کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔(۲۳۹)

رسولؐ اور ائمہؑ مرجعیت میں مساوی ہیں

یاد رہے کہ جن امور میں رسول اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ان امور میں ائمہ علیہم السلام کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیئے اور ائمہ علیہم السلام کی اطاعت بھی رسول اکرم ﷺ کی اطاعت ہے۔(۲۴۰)

ائمہؑ کی امامت کے نقلی دلائل

امامت احادیث کی روشنی میں

امامت کی بحث خاص کر شیعہ وسنی راویوں سے مروی احادیث رسولؐ کی روشنی میں اس کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہے، لیکن ہم سنّی طرق سے مروی چند احادیث کا یہاں ذکر کریں گے کیونکہ وہ مسئلہ امامت میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔

۱۔حدیث غدیرخم:

غایۃ المرام کے مولف کے مطابق[۱] واقعہ غدیر خم کے بارے میں ۸۹ احادیث ہیں جو طرق اہل سنت سے مروی ہیں۔ ان میں سے بہت سی احادیث کو مسند احمد بن حنبل[۲] سے نقل کیا ہے۔ احمد بن حنبل اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور جن کی وفات ۲۴۱ ہجری میں بغداد میں ہوئی ہے۔ مسند احمد اہل سنت کی عظیم ترین کتب میں سے ایک ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے بہت سی احادیث کو ابن مغازلی شافعی[۳] متوفی ۴۸۳ھ سے؛ نیز معانی[۴] متوفی ۵۲۲ھ، ابن ابی الحدید معتزلی[۵] متوفی ۶۵۵ھ اور ثعالبی[۶] جو تقریباً

۱۔غایۃ المرام، ص۷۹، المقصد الاول، باب ۱۶۔

۲۔مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۸۴، ۸۸، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲، ۳۳۱؛ ج ۴، ص ۲۸۱، ۳۷۰، ۳۷۲؛ ج ۵، ص ۳۵۰، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۷۰، ۴۱۵، ۴۱۹۔

۳۔ابن مغازلی کی المناقب، ص ۱۶ تا ۲۷۔

۴۔فضائل الصحابہ، جو ابھی تک نہیں چھپی اور اس کے قلمی نسخے کتابخانہ آیت اللہ العظمٰی مرعشی نجفی، قم میں موجود ہیں۔

۵۔شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۲۰۸۔

۶۔شعار القلوب جس کا قلمی نسخہ آیت اللہ العظمٰی مرعشی نجفی، قم، کے کتابخانہ میں موجود ہے۔

۴۲۹ میں فوت ہوئے ہیں سے، نیز بعض احادیث کو صحیح مسلم متوفی ۲۶۱ھ، صحیح ترمذی ابوداوود متوفی ۲۷۵ سے نقل کیا ہے۔ جو کوئی حدیث غدیر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خواہاں ہو وہ سید بزرگوار سید حامد حسین ہندی ؒ ۲ کی کتاب "عبقات الانوار" کی طرف رجوع کرے۔

حدیث غدیر ابن مغازلی کی سند کی رو سے

یہاں ہم حدیث غدیر کے بعض طرق کا ذکر کریں گے:

ابوالحسن علی بن محمد المعروف ابن مغازلی جو اہل سنت کے بزرگ محدث اور عظیم ثقہ ہیں، اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے منبر سے اصحاب رسول ؐ کو اللہ کا واسطہ دیا کہ جو کوئی غدیر خم کے دن حاضر تھا وہ گواہی دے۔ پس بارہ افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ رسول ؐ نے فرمایا: ﴿مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مَولاہُ اَللّٰھُمَّ والِ مَنْ وَالاہُ وَعادِ مَنْ عاداہ﴾ ان بارہ افراد میں ابوسعید خدری، ابوہریرہ اور انس بن مالک شامل تھے۔ ۳ پھر ابن مغازلی کتاب المناقب میں کہتے ہیں کہ "ابوالقاسم بن محمد" نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سو افراد نے اس حدیث کو رسول خدا ؐ سے نقل کیا ہے اور یہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی منفرد خصوصیت ہے۔

حدیث غدیر کے بارے میں "ابن عقدہ" کی کتاب

ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید المعروف "ابن عقدہ" ولادت ۲۴۴، اہل سنت کی نابغہ روزگار بزرگ شخصیت ہیں اور "دارقطنی" نے ان کے بارے میں کہا ہے: "اہل کوفہ کا اتفاق ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے زمانے سے لے کر ابن عقدہ کے عہد تک کوئی شخص اس سے زیادہ حافظ نہیں تھا"۔ ابن عقدہ نے ایک کتاب حدیث غدیر کی سند کے بارے میں لکھی ہے اور ایک سو اصحاب سے یہ حدیث نقل ہے جن میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

علی ابن ابی طالب، حسن بن علی، حسین بن علی علیہم السلام، ابوبکر، عمر، عثمان، سلمان، ابوذر، عمار، مقداد

۱۔ الجامع الصحیح، ج ۵، ص ۶۳۳۔

۲۔ حدیث غدیر کے مآخذ سے آشنائی کیلئے دیکھئے: علامہ امینی ؒ کے "الغدیر"؛ نیز عبقات الانوار اور خلاصہ عبقات الانوار۔

۳۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۸۹۔

عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن مالک، ابوایوب، عبداللہ بن عمر، عدی بن حاتم، حذیفہ اور دیگر اصحاب۔ان کے علاوہ کئی ایک خواتین سے بھی نقل کیا ہے جن میں: فاطمہ علیہا السلام، عائشہ، ام سلمہ، ام ہانی اور اسماء بنت عمیس وغیرہ شامل ہیں۔اس کے بعد ابن عقدہ نے دیگر اٹھائیس افراد، نام کے بغیر ذکر کیا ہے جنہوں نے حدیث غدیر کو نقل کیا ہے۔

حدیث غدیر پر طبری کی تصنیف

محمد بن جریر طبری نے حدیث غدیر کے طرق کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔طبری ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔وہ اہل سنّت کے عظیم محدث اور بزرگ ترین مؤرخین میں سے ایک ہیں۔کہتے ہیں کہ وہ جملہ علوم میں اس قدر ماہر تھے کہ کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔طبری کی مذکورہ کتاب کا نام "کتاب الولایہ" ہے۔ذہبی کہتے ہیں: "میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے اور میں اس کے اندر مذکور طرق اور سلسلہ ہائے اسناد کو دیکھ کر دنگ رہ گیا"۔اسماعیل بن عمر بن کثیر جو اہل سنّت کے جلیل القدر اور بزرگ عالم ہیں کا بیان ہے: "میں نے طبری کی ایک کتاب دیکھی ہے جس میں اس نے احادیث غدیر خم کو جمع کیا ہے۔یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے"۔سید بزرگوار "سید بن طاووس" اپنی کتاب "اقبال" میں حدیث غدیر کے بارے میں طبری کی لکھی ہوئی کتاب کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث غدیر پر حسکانی کی تصنیف

ابو القاسم عبداللہ حسکانی جو ۴۷۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے اور بزرگان اہل سنّت ان کی تجلیل وتوثیق فرماتے ہیں نے ایک کتاب حدیث غدیر کی سند کے بارے میں لکھی ہے۔اس کتاب کا نام "دعاء الہداۃ الی اداء حق الموالاۃ" ہے۔سیوطی جو اہل سنّت کے بزرگترین علما میں سے ایک ہیں نے حسکانی کی تجلیل وتمجید کی ہے۔

سجستانی کی تصنیف

ابوسعید مسعود بن ناصر سجستانی، متوفی ۴۷۷ھ جو اہل سنّت کے بزرگ محدث وحافظ ہیں۔ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المعروف "دقاق" جو عظیم ترین حفاظ میں سے ایک ہیں نے ان کے بارے میں کہا ہے: "میں نے اتقان اور حفظ کے لحاظ سے ان سے زیادہ بہتر شخص نہیں دیکھا"۔انہوں نے حدیث غدیر کے طرق کو جمع

کرنے کیلئے ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام ''درایۃ حدیث الولایہ'' رکھا ہے اور ایک سو بیس اصحاب رسول سے تیرہ سو اسناد کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

ذہبی کی کتاب

شمس الدین محمد بن احمد شافعی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ عظیم دانشور اور گرانقدر محدث ہیں ''طبقات الشافعیہ'' میں ''سکی'' ان کے بارے میں رقمطراز ہیں: ''وہ محدث زمان، خاتم حفاظ، حدیث کا بیڑا اٹھانے والے، اہل سنت والجماعت کے علمبردار اور حفظ واتقان کے لحاظ سے امام اہل عصر ہیں۔ وہ میرے استاد، آقا اور معتمد ہیں''۔ انہوں نے بھی حدیث غدیر پر ایک کتاب لکھی ہے۔

جوینی کا کلام

محمد بن علی ابن شہر آشوب، متوفی ۵۸۸ کہ جن کی تعریف وتمجید اہل سنت والجماعت کے عظیم علما اور بزرگ محدثین مثلاً ''صفدی'' نے ''وافی بالوافیات'' میں فیروز آبادی نے ''بلغہ'' میں، سیوطی نے ''بغیہ الوعاۃ'' میں اور ابن بطوطہ نے اپنی تاریخ میں کی ہے۔ انہوں نے ابن شہر آشوب کو سچائی، خشوع، عبادت، تہجد اور کثرت علم جیسی صفات سے متصف کیا ہے۔ وہ کتاب ''المناقب'' میں جیسے کہ حسین بن خیر نخب المناقب میں ان سے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ابوالمعالی جوینی تعجب کے ساتھ کہتے تھے: ''میں نے بغداد میں ایک کتاب دیکھی جو جلد ساز کے پاس تھی۔ وہ کتاب حدیث غدیر کے راویوں کے بارے میں تھی۔ اس کتاب میں مرقوم تھا: ''یہ اٹھائیسویں جلد ہے حدیث ﴿من کنت مولاہ فعلی مولاہ﴾ کے طرق کے بارے میں اور اسکے بعد انتیسویں جلد ہے'' اور ابن کثیر فقیہ شافعی دمشقی سے بھی منقول ہے کہ ابوالمعالی جوینی جلد ساز کے پاس اس کتاب کو دیکھ کر اظہار تعجب کرتے تھے۔ جوینی اہل سنت کے عظیم اور تبحر علما میں سے ایک ہیں۔ علامہ یافعی نے ''مرآت الجنان'' میں جوینی کی مدح سرائی میں چند صفحات سیاہ کئے ہیں اور انہیں فقہا و متکلمین کا استاد گردانا ہے، نیز اصول وفروع، فنون ادب اور علم میں ان کی جامعیت اور مرجعیت کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔ انکی وفات ۴۷۸ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی کرسی توڑ دی اور انکے چار سو طالب علموں نے اپنے قلم دوات توڑ دئے اور ایک سال تک وہ اسی حالت میں رہے۔

شیعوں کی تو بات ہی اور ہے خود اہل سنت والجماعت کے ہاں حدیث غدیر کے تواتر میں کسی قسم کے

اہل سنّت کے ان بزرگ، ثقہ اور معتبر افراد، جنہوں نے اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے کو شمار کرنا چاہیں تو بات طول پکڑ جائے گی اور اس اختصار کی منافی ہوگی جس پر کتاب ہذا کی بنا رکھی گئی ہے۔ (۲۴۱)

حدیث منزلت سنی مآخذ میں

امیر المومنین علیہ السلام کی امامت کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث میں سے ایک ''حدیث منزلت'' ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جسے شیعہ و سنی محدثین نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ حدیث کہتی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے علیؑ سے فرمایا: ﴿أَنتَ مِنّي بِمَنزِلَةِ هارُونَ مِنْ مُوسىٰ اِلاّ أَنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي﴾ یعنی میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی البتہ اس فرق کے ساتھ کے میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تمام امور خلافت و وراثت میں نسبت رکھتے تھے۔

سید بزرگوار سید ہاشم بحرانیؒ نے اس حدیث کو طرق اہل سنّت سے ایک سو اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں سے بہت سی اسناد کا تعلق اہل سنّت کی صحاح ستہ سے ہے جو ان کی عظیم ترین کتابیں ہیں۔[۱]

یہاں ہم ان صحاح کا نام لیں گے جن میں یہ حدیث موجود ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ امامت کوئی نیا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ بیج ہے جسے پیغمبر اکرم ؐ نے اللہ کے حکم سے بویا تھا۔

حدیث منزلت صحیح بخاری میں

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری جو ۱۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے اپنی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں: ﴿أَنَّهُ قالَ النَّبِيُّ ؐ لِعَلِيٍّ ؑ: أَما تَرْضىٰ أَنْ تَكُونَ مِنّي بِمَنزِلَةِ هارُونَ مِنْ مُوسىٰ﴾ بعض احادیث میں اس کے بعد یہ عبارت ہے ﴿اِلاّ أَنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي﴾[۲] محمد بن اسماعیل بخاری کو محدثین کا پیشوا اور امام سمجھا جاتا ہے۔ انہیں حدیث کے امیر المومنین، ناصر احادیث نبوی ؐ اور ناشر مواریث نبوی ؐ کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ جب مولف صحیح مسلم ان کے پاس آتے تھے تو کہتے تھے:

۱۔ غایۃ المرام، ص ۱۲۹، المقصد الاول، باب ۲۰۔

۲۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۳۵۹، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب علی بن ابی طالبؑ، ح ۳۵۰۳۔

''اے محدثین کے سردار اور اے استادوں کے استاد! مجھے اپنے دونوں پیر چومنے دیں''۔ ترمذی کہتے ہیں: ''میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ خدا نے انہیں اس امت کی زینت قرار دیا ہے''۔ ابن خزیمہ نے کہا ہے: ''نیلے آسمان کے نیچے اس سے بڑھ کر کوئی شخص حدیث کا عالم اور حافظ نہیں ہے''۔

خلاصہ یہ کہ اہل سنت بخاری کو تمام محدثین پر ترجیح دیتے تھے۔ صحیح بخاری تمام کتابوں سے بڑی ہے۔ بخاری کہتے ہیں: ''میں نے یہ کتاب چھ لاکھ احادیث سے منتخب کی ہے اور یہ میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے۔ میں نے اس کتاب میں احادیث صحیحہ کے سوا کوئی حدیث جمع نہیں کی''۔

علمائے اہل سنت نے اس کی کتاب کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور اسے قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے اور اسے تمام کتابوں پر مقدم کیا ہے۔ اس قدر اہم کتاب میں بحمد للہ مذہب شیعہ اور اس کی حقانیت پر دلالت کرنے والی بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک یہی حدیث ہے جسے انہوں نے ہمارے علم کے مطابق تین اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حدیث منزلت صحیح مسلم میں

ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری جو ۲۰۴ یا ۲۰۶ میں پیدا ہوئے حدیث منزلت کو سات طرق اور واسطوں سے نقل کرتے ہیں۔ مسلم عظیم علما اور حفاظ امت میں سے ایک ہیں اور محدثین کے نزدیک پیشوا اور مقتدا ہیں۔ ابن عقدہ سے پوچھا گیا کہ بخاری و مسلم میں سے کون اعلم ہے؟ بولے: دونوں عالم ہیں۔ جب اصرار کیا گیا تو بولے: ''بخاری گاہے غلطی کرتے ہیں لیکن مسلم کم غلطی کرتے ہیں''۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ مسلم نے بخاری کی پیروی کی ہے اور ان کے علم کا جائزہ لیا ہے اور ان کی روش کے مطابق چلے ہیں۔ اسی سے کچھ زیادہ احادیث میں پیغمبر خدا اور مسلم کے درمیان چار سے زیادہ واسطے نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل سنت مسلم کو بخاری کا ہم پلہ اور دیگر محدثین پر مقدم قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت کے اکابرین صحیح مسلم کو صحیح بخاری کا ہم پلہ اور قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر ''صواعق'' میں کہتے ہیں: ''رَوى الشّيخان، البخاريّ ومسلم، في صَحِيْحَيْهِمَا الّذينِ هما أصَحُّ الكُتُبِ بَعْدَ القُرآنِ بِاجماعِ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ'' اہل سنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں میں موجود احادیث صحیح ہیں اور ان کو قبول کرنا واجب ہے۔

حدیث منزلت ترمذی اور سنن ابو داوود میں

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اہل سنّت والجماعت کے علمائے اعلام اور عظیم محدثین میں سے ایک ہیں۔ بعض مشائخ سے اخذ حدیث میں وہ بخاری کے شریک ہیں۔ وہ حفظ وضبط میں ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ان کی وفات ۲۷۹ میں ہوئی۔ ان کی کتاب "الصحیح" اہل سنّت کی صحاح ستہ میں سے ایک ہے جو ان کی چھ بڑی کتابیں ہیں۔ ترمذی اپنی کتاب کے بارے میں کہتے ہیں: "میں نے یہ کتاب لکھی اور اسے حجاز، عراق اور خراسان کے علما کے سامنے پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے۔ جس کسی کے گھر میں یہ کتاب ہو اس کی مثال ایسی ہے گویا پیغمبرؐ اس کے گھر میں موجود ہوں اور اس سے گفتگو فرماتے ہوں"۔

رہے ابوداوود سلیمان بن اشعث سجستانی تو وہ اہل سنّت کے عظیم مشائخ میں سے ایک، اپنے عصر کے پیشوا اور صف اول کے عالم تھے۔ وہ ان کے ہاں ورع، زہد، بصیرت اور فن حدیث میں مہارت سے متصف ہیں۔ وہ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی کتاب "سنن ابوداوود" اہل سنّت کی صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ان سے مروی ہے: "میں نے پانچ لاکھ احادیث کو جمع کیا اور لکھا اور ان میں سے چار ہزار چھ سو احادیث پر مشتمل اپنی کتاب "سنن" کا انتخاب کیا"۔

حدیث منزلت اور حدیث ﴿مَن کنتُ مولاہ فعليٌّ مولاہ﴾ کو ان دونوں محدثین نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

حدیث منزلت مسند احمد میں

ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، اہل سنّت کے امام، پیشوا اور مقتدا ہیں۔ حدیث وفقہ کے میدانوں میں انہیں عبادت، زہد اور ورع سے متصف کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے صحیح وسقیم احادیث میں، نیز جرح وتعدیل احادیث میں فرق سامنے آ گیا۔ بخاری، مسلم، ابوداوود سجستانی اور ابوزرعہ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسحاق بن راہویہ نے ان کے بارے میں کہا ہے: "احمد بن حنبل روئے زمین پر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں"۔ شافعی نے کہا ہے: "میں بغداد سے اس حال میں خارج ہوا کہ اس شہر میں احمد بن حنبل سے زیادہ زاہد، متقی اور عالم کوئی نہیں تھا"۔ ان کی کتاب "مسند" اہل سنّت کی مشہور ومعتبر کتب میں سے ایک ہے۔ اس میں تیس ہزار احادیث کی موجودگی کا ذکر ہوا ہے۔ ان سے

یہ بات مروی ہے کہ "میں نے اس کتاب کو سات لاکھ پچاس ہزار سے زائد احادیث سے منتخب کیا ہے"۔
بحمد للہ اس کتاب سے لوگوں نے حدیث منزلت کو انیس طرق سے نقل کیا ہے۔

حدیث منزلت نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ، متوفی ۲۷۳، اہل سنت کے مشائخ میں سے ایک اور ان کے پیشوا ہیں۔ ان کی کتاب "سنن ابن ماجہ" جو اہل سنت کی صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔

اسی طرح ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب نسائی اپنے عہد کی بزرگ شخصیات میں سے ایک ہیں۔ و کثرت تہجد، عبادت اور روزہ سے متصف ہیں۔ حاکم کہتے ہیں: "نسائی اپنے زمانے میں مصر کے سب سے بڑے فقیہ تھے"۔ ذہبی کہتے ہیں: "وہ حفظ میں مسلم سے زیادہ آگے تھے"۔ ان کی کتاب جو سنن نسائی کے نام سے معروف ہے اہل سنت کی صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔ نسائی نے مصر میں امیر المومنین علیہ السلام کے مناقب میں کتاب "خصائص" لکھی۔ ان کی وفات ۳۰۳ میں ہوئی۔ حدیث منزلت کو ابن ماجہ اور نسائی نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے جیسا کہ محمد بن یوسف شافعی نے اپنی کتاب "کفایۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث منزلت اہل سنت کی جملہ کتب صحیحہ (صحاح ستہ) میں مذکور ہے اور اس کے دوسرے ناقلین کا شمار بھی اہل سنت کے بزرگوں، ثقات اور مشائخ میں ہوتا ہے۔ ہم نے اختصار کے مدنظر ان کا ذکر نہیں کیا۔

اہل سنت کے ہاں حدیث منزلت کا تواتر

اہل سنت کے بہت سارے محققین اور ثقات نے حدیث منزلت کو "متواتر" قرار دیا ہے یا اس کے بارے میں ایسی بات کی ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان کے ہاں متواتر ہے۔ چنانچہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی، متوفی ۶۵۸ اپنی کتاب "کفایۃ الطالب" میں حدیث منزلت کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: "یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے اور بڑے بڑے ائمہ حفاظ نے اس کو نقل کیا ہے مثال کے طور پر بخاری نے اپنی صحیح میں، مسلم نے اپنی صحیح میں، ابوداود نے اپنی سنن میں، ترمذی نے اپنی جامع میں، نیز نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس کی صحت پر سب متفق ہیں اور

اس پر اجماع ہے"۔

حاکم نیشاپوری نے کہا ہے کہ یہ حدیث تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔

علامہ سیوطی جن کی عظمت اور فضائل اہل سنت کے ہاں بیان سے مستغنی ہیں نے اس حدیث کو متواترات میں شمار کیا ہے درحالیکہ ابوالقاسم علی بن محسن تنوخی نے ایک کتاب خصوصی طور پر اسی حدیث کے اثبات میں لکھی ہے۔ محسن تنوخی اہل سنت کے بزرگان میں سے ایک ہیں اور انہیں ثقہ وصاحب فضل کہا گیا ہے ان کی وفات ۴۴۷ھ میں ہوئی۔ تنوخی نے اس کتاب میں بیس سے کچھ زیادہ اصحاب رسول سے اسے نقل کیا ہے، جن میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام، عمر بن خطاب، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، ابوسعید خدری، زید بن ارقم، ابورافع، حذیفہ بن اسید اور انس بن مالک وغیرہ شامل ہیں۔ (۲۴۲)

حدیث ثقلین

جو احادیث شیعہ وسنی طرق کی رو سے متواتر ہیں نیز حضرت علیؑ اور آپ کی معصوم اولادؑ کی امامت کی تصریح کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث ثقلین ہے۔ یہ حدیث بیس سے زیادہ اصحاب رسول سے منقول ہے اور اہل سنت کی انتالیس اسناد وطرق سے مروی ہے جن میں صحیح مسلم، صحیح ابوداود، صحیح ترمذی، مسند احمد بن حنبل، مستدرک حاکم وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اہل سنت والجماعت کی جلیل القدر شخصیات اور اہم ثقات نے اسے نقل کیا ہے۔

یہاں ہم صحیح ترمذی اور ابوداود سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ جو کوئی اس کی تفصیل سے آگاہی کا خواہشمند ہو وہ "غایۃ المرام" اور "عبقات الانوار" نامی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔[۱] یہ دو کتابیں جو اہل سنت کی صحاح ستہ میں شامل ہیں جو اپنی اپنی سند کے ساتھ زید بن ارقم سے نقل کرتے ہیں:

قال: ﴿قالَ رَسُولُ اللهِ ؐ: اِنّي تارِکٌ فِيكُمْ ما اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدي، أَحَدُهُما أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ وَهُوَ كِتابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّماءِ اِلَى الأَرْضِ وَعِتْرَتي أَهْلُ بَيْتي لَنْ يَفْتَرِقا حَتّىٰ يَرِدا عَلَيَّ الْحَوضَ فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُوني في عِتْرَتي﴾

۱۔ غایۃ المرام، ص ۲۱۱، المقصد ۱، باب ۲۸؛ نیز عبقات الانوار، ج ۱۲ (بارہویں جلد کی) حدیث ثقلین کی سند کے بارے میں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن سے تمسک کرو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دو چیزیں ہیں: ان میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے اور وہ کتاب خدا ہے۔ یہ کتاب رسی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک کھینچی ہوئی ہے۔ دوسری میری عترت ہے یعنی میرے اہل بیتؑ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس وقت تک جدا نہ ہوں گے جب تک کہ دونوں حوض پر میرے پاس حاضر نہ ہو جائیں (یعنی قیامت تک)۔ اب یہ دیکھو کہ تم لوگ میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہو''۔

یہ حدیث امامت کو قیامت تک کیلئے اہل بیت رسولؐ سے مختص کرتی ہے۔

احمد بن حنبل کی روایت میں زید بن ثابت سے مروی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو خلیفے اور جانشین چھوڑ رہا ہوں ان میں سے ایک کتاب خدا ہے اور دوسرا میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں حوض پر میرے پاس حاضر نہ ہوں۔ یعنی قیامت تک ساتھ رہیں گے اور انہی دونوں کو میرا جانشین ہونا چاہیے''۔ (۲۴۳)

حدیث سفینہ

مسلمہ اور متواتر احادیث میں سے ایک حدیث سفینہ ہے جس میں اہل بیتؑ کو کشتی نوح سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس بارے میں اہل سنت کی گیارہ احادیث مذکور ہیں۔[۱] یہاں ہم ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہیں:

ابوالحسن علی بن محمد خطیب فقیہ شافعی، متوفی ۴۸۳، اپنی کتاب ''المناقب'' میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: ﴿قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ: مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي مَثَلُ سَفِينَةِ نُوح مَنْ رَكِبَهَا نَجىٰ وَمَنْ تَاخَرَ عَنْهَا هَلَكَ﴾ یعنی پیامبرؐ نے فرمایا: ''میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی جیسی ہے۔ جو کوئی اس میں سوار ہوا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے تاخیر کی وہ ہلاک ہوا۔ (۲۴۴)

خلافت علیؑ کے بارے میں احادیث

طرق اہل سنت سے بہت ساری احادیث مروی ہیں جو شاید پچاس سے زاید طرق سے منقول ہیں۔

۱۔ غایۃ المرام، ص ۲۳۷، المقصد الاول، باب ۳۲۔

ان احادیث میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا: ''خلافت علیؑ کیلئے ہے جس طرح نبوت میرے لئے'' یا فرمایا: ''علیؑ میرے بعد میرا خلیفہ ہے''۔ ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے ابن مغازلی شافعی نے کتاب المناقب میں اپنی سند کے ساتھ ابوذر غفاری سے نقل کیا ہے: ﴿قال: قال رسول اللهؐ: مَنْ نَاصَبَ عَلِيّاً الخِلافَةَ بَعْدِي فَهُوَ كافِرٌ وَقَدْ حارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ شَكَّ في عَلِيٍّ فَهُوَ كافِرٌ﴾ ۱

اسی طرح مسند احمد بن حنبل جو امام اہل سنت ہیں سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ جب ابن عباسؓ نے سنا کہ منافقین امیر المومنینؑ کے بارے میں چہ میگوئی کرتے تھے تو وہ کھڑے ہوگئے اور بولے: ''اف اور تف ہو ان لوگوں پر جو اس شخص کی بدگوئی کرتے ہیں جو دس صفات کا حامل ہے۔ پھر وہ ایک ایک کرکے ان صفات کو گنتے گئے یہاں تک کہ بولے: رسولؐ نے اس کے بارے میں کہا: ﴿أَمَا تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هارُونَ مِنْ مُوسَىٰ إلاَّ أنَّكَ لَيْسَ بِنَبِيٍّ إنَّهُ لا يَنْبَغِي أنْ أذْهَبَ إلاَّ وَأنْتَ خَلِيفَتِي﴾ یعنی یہ درست نہیں کہ میں دنیا سے چلا جاؤں مگر یہ کہ آپ میرے جانشین اور خلیفہ ہوں''۔ ۲

احادیث وصایت علیؑ

طرق اہل سنت سے بہت ساری احادیث مروی ہیں جن کی تعداد شاید پچاس ساٹھ تک پہنچ جائے جن میں پیغمبرؐ نے فرمایا: ''علی میرا وصی ہے''۔ ان میں سے ایک حدیث کو اہل سنت کے امام عالی مقام ''احمد بن حنبل'' نے اپنی مسند میں انس بن مالک سے نقل کیا ہے۔ انس کہتے ہیں: ''ہم نے سلمان فارسی سے کہا: پیغمبرؐ سے پوچھو کہ آپؐ کا جانشین کون ہے؟ بولے: یوشع بن نون۔ بولے: میرا وصی اور میرا وارث جو میرے قرض کو ادا کرے گا اور میرے وعدوں کو وفا کرے گا علی بن ابی طالبؑ ہے''۔

ابن مغازلی شافعی نے ''المناقب'' میں کچھ احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کی سند عبداللہ بن بریدہ تک پہنچتی ہے۔ ﴿قال: قال رسول اللهؐ: لِكُلِّ نَبِيٍّ وَصِيٌّ وَوارِثٌ وَأنَّ وَصِيِّي وَوارِثِي عَلِيُّ بْنُ أبي طالِب﴾ ۳

۱۔ مناقب ابن مغازلی، ص ۴۵ تا ۴۶۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۳۱۔

۳۔ مناقب ابن مغازلی، ص ۲۰۰ تا ۲۰۱۔

جسے ظہور اسلام کی ابتداء سے اور پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کے ابتدائی ایام سے معمولی سی بھی آشنائی ہو تو وہ یقین کر لے گا کہ اسلام کے اندر روز اول سے لے کر پیغمبرؐ کے آخری لمحے تک امامت اور نبوت کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ جس وقت اسلام کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا، اس وقت خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ آپ اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو دعوت دیں ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ﴾ ۱

آغاز دعوت سے ہی جانشینی کی تصریح

پیغمبرؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی جو تقریباً چالیس مرد تھے اور ان میں حضورؐ کے چچے بھی تھے پھر آپ نے ان سے فرمایا: ''اے اولاد عبدالمطلب! اللہ کی قسم میں عرب کے اندر کسی ایسے جوان کو نہیں پہچانتا جو اپنی قوم کیلئے اس چیز سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے لئے لے آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ بہ تحقیق اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسکی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا وزیر بنے؟ (جب سب نے چپ سادھ لی اور صرف علیؑ نے نبیؐ کی حمایت کا اعلان کیا) رسول اکرمؐ نے امیر المومنین علیؑ (کا ہاتھ) پکڑا اور فرمایا: ''بے شک یہ تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے پس تم سب اس کی بات کو قبول کرو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو''۔

یہ سن کر رسولؐ کے رشتہ دار کھڑے ہو گئے اور ہنسے اور ابوطالب سے کہنے لگے: ''یہ لو (محمد نے) تجھے حکم دیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کے آگے گوش بفرمان رہو اور اس کی طاعت کرو''۔

منابع اہل سنت میں حدیث طیر کا ذکر

قبل ازیں ہم عرض کر چکے ہیں کہ ابن جریر طبری، متوفی ۳۱۰، نے دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کتاب حدیث غدیر کے طرق کے بارے میں لکھی ہے۔ یاد رہے کہ حدیث طیر کے طرق کو جمع کرنے کیلئے بھی طبری نے ایک کتاب لکھی ہے۔ حدیث طیر امامت کو ثابت کرتی ہے اور طبری نے مذکورہ بالا واقعے کو تاریخ الامم والملوک کے دوسرے حصے میں مختلف طرق سے نقل کیا ہے۔۲ تاریخ طبری وہ تاریخ ہے جس کی تعریف وتمجید تاریخ وسیرت کے ماہرین فن نے کی ہے۔

۱۔ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ (سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴)

۲۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۳۲۱۔

مسعودی نے مروج الذہب میں کہا ہے: "ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی تاریخ کو دیگر تالیفات پر برتری اور دیگر تصنیفات پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کتاب کے فوائد زیادہ ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس کا مولف اپنے زمانے کا فقیہ اور اپنے عصر کا عابد ہے۔ فقہائے بلاد اور مورخین و سیرت نگاروں کے علوم اس پر منتہی ہوتے ہیں"۔ ابن خلکان نے بھی اس کی اچھی تعریف کی ہے۔

طبری کے علاوہ بڑے بڑے محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں نے اس واقعے کو نقل کیا ہے۔[1] مثال کے طور پر ابن اسحاق، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے، نیز بیہقی نے اپنی سنن اور دلائل میں، ثعلبی نے تفسیر کبیر میں، طبری نے تفسیر کبیر میں اور ابن اثیر نے جزء ثانی میں اس واقعے کو سب کے نزدیک مسلّمہ قرار دیا ہے۔ ابوالفداء نے اپنی تاریخ کے جزء اول میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ حلبی نے اپنی سیرت میں اسے نقل کیا ہے۔

اسی سے ملتے جلتے الفاظ کو اہل سنت کے بہت سے بڑے محدثین نے نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر طحاوی، ضیاء المقدسی اور سعید بن منصور وغیرہ سب سے بڑھ کر اہل سنت کے عظیم الشان امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں کئی جگہ اس کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح نسائی نے خصائص علویہ میں ابن عباس سے، حاکم نے مستدرک میں ذہبی نے اس کی تلخیص میں اس کی صحت کی تصریح کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹر ہیکل مصری نے مجلّہ "السیاسۃ" (شمارہ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۵۰) میں اس واقعے کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور چھٹے صفحے کے چوتھے کالم میں اسی جریدے کے شمارہ نمبر ۲۷۸۵ کے ملحقات کے ذیل میں اس حدیث کو صحیح مسلم، مسند احمد، عبداللہ بن احمد کی "زیادات مسند" ابن حجر ہیثمی کی جمع الفوائد، ابن قتیبہ کی عیون الاخبار، احمد بن عبدربہ کی عقد الفرید اور عمرو بن بحر الجاحظ کے رسالہ سے نقل کیا ہے۔ انگریز مولف جرجس نے "مقالہ فی الاسلام" نامی کتاب لکھی ہے اور ہاشم عربی نے اس کا عربی ترجمہ کیا ہے۔ جرجس اس کتاب میں اس واقعے کا ذکر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں کئی ایک یورپی مولفین نے فرانسیسی، انگریزی اور جرمن زبانوں میں لکھی گئی کتابوں میں اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ تھامس کارلائل نے اپنی کتاب "الابطال" میں اس کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۱۱؛ نیز تفسیر جامع البیان، ج ۱۹، ص ۶۸؛ نیز خصائص امیر المومنین ؑ، ص ۱۸ اور شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۲۰۔

امامت کے بارے میں رسولؐ کا آخری کلام

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی نبوت کے اعلان کی پہلی گھڑی میں ہی علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت و امامت کا بھی اعلان فرمایا اور آپ کے رشتہ داروں نے اس بات کو ہنسی مذاق کی نذر کر دیا، اس کے بعد دوران رسالت خاص کر اپنی عمر شریف کے آخری سالوں میں حضورؐ نے اس امر کو مستحکم کرنے کیلئے کوششیں کیں اور جملہ تواریخ اسلام اور شیعہ و سنی کتب احادیث اس بات کی بہتر گواہی دیتی ہیں اور جو کوئی ان کی طرف رجوع کرے وہ یہ جان لے گا کہ اسلام نے مسئلہ امامت سے زیادہ کسی اور چیز کو اہمیت نہیں دی اور کسی دوسرے مسئلے کے بارے میں اس طرح کئی ہزار احادیث بیان نہیں ہوئیں جس طرح امامت کے بارے میں ہوئی ہیں تو اب یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ رسولؐ کا آخری کلام بھی امامت سے مربوط تھا جیسا کہ احادیث اور تواریخ کی معتبر کتابوں میں اس کا بیان ہوا ہے بلکہ یہ مشہور اور متواتر امور میں سے ایک ہے۔

صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر، نیز صحیح مسلم، مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے کہ ابن عباس رو رو کر کہتے تھے: ''جمعرات کا دن! اور کیسا دن تھا جمعرات کا دن؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: گوسفند کا شانہ اور دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ تا کہ تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں جس کے باعث تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ کہا گیا: رسول ہذیان کہتے ہیں!۔[۱]

حدیث و تاریخ کی کتب کی طرف مراجعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفر آمیز جملہ جناب عمر بن الخطاب نے کہا تھا اور کچھ دیگر افراد نے اس کی حمایت کی اور رسولؐ کو یہ تحریر لکھنے نہیں دی۔ خود حضرت عمر بن الخطاب کے اقرار کے مطابق پیغمبرؐ جو بات لکھنا چاہتے تھے وہ علی بن ابی طالبؑ کی امامت تھی، جیسا کہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ کی تیسری جلد میں اور ابوالفضل احمد بن طاہر تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت کے بارے میں عمر کے ساتھ بحث و گفتگو کی۔ عمر نے ابن عباس سے کہا: ''پیغمبرؐ چاہتے تھے کہ مرض الموت کے دوران علی ابن ابی طالبؑ کے نام کی تصریح فرما دیں

۱۔ صحیح بخاری، ج ۴، ص ۱۶۱۲، کتاب المغازی، ج ۵، ص ۱۴۶، حدیث نمبر ۴۱۶۸۔۴۱۶۹، باب مرض النبیؐ و وفاتہ؛ کتاب المرضی، حدیث نمبر ۵۳۴۵، باب قول المریض قوموا عنی۔

لیکن میں نے ایسا ہونے نہیں دیا''! ابن ابی الحدید ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: میں عمر کے ساتھ شام گیا۔ ایک سفر کے دوران وہ اکیلا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے چلا گیا۔ اس نے علی بن ابی طالبؑ کی شکایت شروع کی۔ یہاں تک کہ ابن عباس نے کہا: اس کا یہ خیال ہے کہ رسولؐ اسے اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ عمر نے کہا: ''اے عباس کے بیٹے پیغمبر چاہتے تھے کہ وہ خلیفہ بنے لیکن کیا کریں کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا''۔[۱] (۲۴۵)

امامت قرآن کی روشنی میں

قرآن میں امامت کی تصریح کیوں نہیں ہوئی

اگر امامت اصول مذہب کا اصل چہارم ہے اور اگر مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن کی بیشتر آیات امامت سے مربوط ہیں تو پھر خدا نے اس قدر اہم اصل کا قرآن میں ایک بار بھی صریحاً ذکر کیوں نہیں فرمایا تا کہ اس مسئلے پر اس قدر نزاع اور خونریزی کا مظاہرہ نہ ہو؟

(جواب:) ہم نے واضح کر دیا کہ امامت اسلام کا بنیادی رکن ہے اور یہ کہ امام کیسے ہونا چاہئے۔ یہاں بھی ہم بعض آیات کی طرف اجمالی اشارہ کریں گے اور اہل سنت جو اس مسئلے میں ہمارے مخالف فریق ہیں کی احادیث سے استدلال کریں گے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے قرآن میں بھی اس مسئلے کو اہمیت دی ہے اور یہ کہ امامت ایک غیر اہم اور معمولی مسئلہ نہیں ہے جس پر قرآن اور مسلمانوں کا سکوت صحیح ہو بلکہ خدا سے لے کر پردہ نشین دیندار خواتین تک نے اس کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے اور اپنی اپنی کوشش کی ہے۔ لیکن چونکہ دنیا پرست اور جاہ طلب لوگوں کی ہمیشہ اکثریت رہی ہے اس لئے انہوں نے اس بات کا موقع نہیں دیا کہ عدل وانصاف، ترک خواہشات اور ایثار وقربانی پر مبنی دیندار معاشرہ وجود میں آئے۔ یہاں ہم قرآن کریم کی چند آیات کا ذکر کر رہے ہیں جو اہل سنت جو علی علیہ السلام کی امامت کے منکر ہیں کی گواہی کے مطابق علیؑ اور آپؑ کی امامت کے بارے میں ہیں۔

آیۂ اکمال دین

۱۔ سورۂ مائدہ کی تیسری آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۷۸۔

لَكُمُ الإِسْلامَ دِيناً﴾

غایۃ المرام کے انتالیسویں باب میں اہل سنت کی چھ احادیث کا ذکر ہوا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے دن علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کی امامت کا اعلان کیا۔[1] ان میں سے اکثر احادیث میں مذکورہ ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ﴿اللّٰهُ أَكْبَرُ عَلىٰ إِكْمالِ الدِّينِ وَتَمامِ النِّعْمَةِ وَرِضَى الرَّبِّ بِرِسالَتِي وَالْوِلايَةِ لِعَلِيٍّ﴾ [2]

سورۂ معارج

۲۔ سورۂ معارج کی پہلی آیت: ﴿سَئَلَ سائِلٌ بِعَذابٍ واقِعٍ﴾

جب نعمان بن حرث نے سنا کہ پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ کو غدیر کے دن امامت کا عہدہ عطا کیا ہے تو وہ پیغمبرؐ کے پاس آیا اور بولا: آپ نے ہمیں اللہ کی طرف سے حکم دیا کہ ہم خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں، نیز آپ نے ہمیں جہاد، حج، روزے اور نماز کا حکم دیا جن کو ہم نے قبول کرلیا۔ اس کے بعد بھی آپ نے اکتفا نہیں کیا اور اس بچے کو امامت پر منصوب کیا اور یہ کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ یہ بات آپ کی اپنی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ پیغمبرؐ نے قسم کھائی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ نعمان بن حرث نے اپنا منہ موڑ لیا اور کہا: ''خدایا! اگر یہ بات سچ ہے تو آسمان سے ہمارے سر پر پتھر برسا''! اچانک اللہ نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا اور اسے ہلاک کیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

امام ثعلبی نے اپنی تفسیر کبیر میں[3] اور علامہ مصری شبلنجی نے نور الابصار میں، حلبی نے اپنی سیرت کی تیسری جلد میں حجۃ الوداع کے بارے میں[4] اور حاکم نے مستدرک کی دوسری جلد کے صفحہ نمبر ۵۰۲ میں اس واقعے کو نقل کیا ہے۔[5] یہ لوگ اہل سنت کے معتبر اکابر ہیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۹۰؛ نیز امالی ابن الشعری، ص ۱۴۶؛ نیز مناقب خوارزمی، ص ۸۰؛ نیز فرائد السمطین، ج ۱، ص ۲۲؛ نیز تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۸۱ اور غایۃ المرام، ص ۳۳۶، المقصد الثانی، باب ۳۹۔

۲۔ اللہ اکبر، دین کے کامل ہونے اور نعمت کے تمام ہونے پر، نیز میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر اللہ کی رضامندی پر۔

۳۔ تفسیر ثعلبی، ج ۴، ص ۲۳۴۔ ۴۔ سیرۂ حلبیہ، ج ۳، ص ۲۷۵۔

۵۔ غایۃ المرام، ص ۳۹۷، المقصد الثانی، باب ۱۲۷۔

آیۂ ولایت

۳۔ سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ یعنی تمہارے اوپر صاحب اختیار صرف اور صرف خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ ایمان لانے والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں رکوع کی حالت میں۔

اہل سنت سے ۲۴ احادیث مروی ہیں کہ یہ آیت علی بن ابی طالب ؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۱] یہاں ہم اہل سنت کی ذکر کردہ ان احادیث میں سے ایک کو نقل کرتے ہیں:

اہل سنت کے بزرگ عالم حموینی اور ثعلبی اپنی اسناد کے ساتھ عبایہ بن ربعی سے نقل کرتے ہیں کہ "ابن عباس ؓ چاہ زمزم کے کنارے بیٹھے تھے اور رسول اللہ ؐ کی احادیث نقل کررہے تھے۔ اتنے میں اچانک ایک شخص آیا جس نے اپنا عمامہ اپنے چہرے پر لپیٹا ہوا تھا۔ ابن عباس جو بھی حدیث سناتے تو وہ بھی ایک حدیث سناتا تھا۔ ابن عباس نے کہا: تجھے اللہ کا واسطہ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے اپنے چہرے سے عمامہ ہٹایا اور کہا: جو کوئی مجھے پہچانتا ہے تو ٹھیک اور اگر کوئی مجھے نہیں پہچانتا تو میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے پیغمبر ؐ سے ان دونوں کانوں سے سنا ہے وگرنہ یہ بہرے ہوجائیں اور ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے وگرنہ یہ دونوں اندھی ہوجائیں کہ آپ ؐ فرمارہے تھے: "علی اچھے لوگوں کا پیشوا اور کافروں کا قاتل ہے۔ جو اس کی مدد کرے اللہ اس کی مدد کرے اور جو اسے تنہا چھوڑے خدا اس کو بے یار و مددگار کرے"۔ آگاہ رہو کہ میں ایک دن پیغمبر ؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک سائل نے مسجد مین کوئی چیز مانگی لیکن کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔ اس سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا: "اے خدا تو گواہ رہ کہ میں نے رسول خدا کی مسجد میں سوال کیا لیکن کسی نے مجھے کچھ نہ دیا"۔ اس وقت علی بن ابی طالب ؑ رکوع کی حالت میں تھے۔ آپ ؑ نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اس انگوٹھی کو اتار لے جو آپ ؑ کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں تھی۔ سائل نے جاکر اسے اتارا۔ یہ واقعہ پیغمبر اکرم ؐ کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوا۔ جب پیغمبر ؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ؐ نے فرمایا: اے اللہ! موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا اور کہا: اے خدا! مجھے سینے کی کشادگی عطا فرما اور میرے کام کو آسان کر اور میری زبان مین گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات کو سمجھیں اور میرے اہل میں

۱۔ غایۃ المرام، ص ۱۰۳، المقصد الاول، باب ۱۸۔

سے میرے لئے ایک وزیر قرار دے۔ ہارون میرا بھائی ہے۔ اسکے ذریعے میری پشت پناہی فرما اور اسے میرا شریک قرار دے"۔ پس تو نے اس پر بات کرنے والا قرآن نازل کیا کہ میں جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرے ہاتھ مضبوط کرونگا اور تمہیں آل فرعون پر غالب کردونگا اور انکے ہاتھ تم تک نہیں پہنچیں گے۔ اے خدا! میں محمد ہوں تیرا پیغمبر اور تیرا برگزیدہ بندہ ہوں۔ اے اللہ! میرا سینہ کشادہ کردے اور میرا کام آسان فرما اور میرے گھرانے سے میرے لئے ایک وزیر عطا فرما جو علی ہو۔ اس کے ذریعے میری پشت پناہی فرما"۔

ابوذر نے کہا: ابھی پیغمبرؐ کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیلؑ آئے اور بولے: اے محمد! پڑھیے۔ فرمایا: کیا پڑھوں؟ کہا: پڑھیے: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾۔

سنی عالم موفق بن احمد نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن عاص نے معاویہ کو لکھا: "علی بن ابی طالبؑ کی شان میں قرآن میں ایسی باتیں نازل ہوئی ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں" اس نے مثال کے طور پر اسی آیت کا ذکر کیا۔[۱]

ابن شہر آشوب کہتے ہیں: "امت کا اجماع ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے"۔ قوشجی جو اہل سنت کے بزرگوں میں شمار ہوتا ہے شرح تجرید میں رقمطراز ہے کہ یہ آیت مفسرین کے اجماع کی رو سے علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۲]

آیۂ اعتصام

۴۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

اہل سنت سے چار احادیث منقول ہیں کہ "حبل اللہ" جس سے تمسک کا لوگوں کو حکم دیا گیا ہے سے مراد علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔[۳]

۱۔ فرائد السمطین، ص ۱۹۱، ۱۹۲؛ نیز مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۳، ص ۶ و ۷ (تفسیر ثعلبی سے ماخوذ)۔

۲۔ مناقب آل ابی طالبؑ، ج ۳، ص ۵۔

۳۔ غایۃ المرام، ص ۲۴۲، المقصد ۱، باب ۳۶؛ نیز شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۳۰ اور ینابیع المودۃ، ص ۲۴۷۔

آیۂ صادقین

۵۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۹: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾ [۱]

اہل سنت کی سات احادیث کہتی ہیں کہ یہ آیت علی بن ابی طالب ؑ کے بارے میں ہے۔ ابن شہر آشوب ابو یوسف یعقوب بن سفیان کی تفسیر سے سنی راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ مالک بن انس نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے اصحاب رسول ؐ کو حکم دیا کہ خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی محمد ؐ اور آپ ؐ کی آل ؑ کے ساتھ۔ [۲]

ولایت کے بارے میں سوال

۶۔ سورۂ صافات کی آیت ۲۴: ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾

طرق اہل سنت سے آٹھ احادیث مروی ہیں جو کہتی ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو روک کر ان سے علی ابن ابی طالب ؑ کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ان میں سے بعض احادیث میں مذکور ہے کہ یہ وہی ولایت ہے جو رسول ؐ نے علی ؑ کیلئے ثابت کی اور فرمایا: ﴿مَنْ کُنْتُ مَوْلاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلاه﴾ قیامت کے دن اسی ولایت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ [۳]

ابراہیم ؑ کو امام بنانا

۷۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴: ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً، قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي، قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ [۴]

اس آیت کے بارے میں اہل سنت سے دو احادیث منقول ہیں جن میں سے ایک کا ہم یہاں اجمالاً

۱۔ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (سورۂ توبہ/۱۱۹)

۲۔ مناقب آل ابی طالب ؑ، ج ۳، ص ۱۱۱؛ نیز شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۲۵۹؛ نیز مناقب خوارزمی، ص ۱۸۹ اور تذکرۃ الخواص، ص ۲۰۔

۳۔ غایۃ المرام، ص ۲۵۹، المقصد الاول، باب ۵۰؛ شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۱۰۶ اور فرائد السمطین، ج ۱، ص ۷۹۔

۴۔ میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ ابراہیم ؑ نے پوچھا: اور میری آل سے؟ فرمایا: میرا عہد ظالموں کو شامل نہیں۔ (سورۂ بقرہ، آیت/۱۲۴)

ذکر کریں گے:

ابن مغازلی شافعی اپنی سند کے ساتھ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "میں ابراہیمؑ کی اس دعا کا حصہ ہوں: خدایا! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے دور رکھ، جب اللہ نے فرمایا: امامت کا عہد ظالمین کو شامل نہیں ہوگا۔ پس ابراہیمؑ کی دعا مجھے اور علی کو شامل ہوگئی۔ ہم دونوں میں سے کسی نے ہرگز بت پرستی نہیں کی۔ اللہ نے مجھے رسول اور علیؑ کو وصی بنایا۔[۱]

اهل ذکر قرآن میں

۸۔ سورۂ نحل کی آیت ۴۳: ﴿فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن﴾[۲]

اہل سنت کی تین احادیث کہتی ہیں کہ اہل ذکر سے مراد علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔[۳]

۹۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۴۳: ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِين﴾[۴]

اہل سنت سے چار احادیث مروی ہیں کہ یہ آیت صرف محمدؐ و علیؑ کے بارے میں ہے۔[۵]

علیؑ امت کے هادی

۱۰۔ سورۂ رعد کی آیت ۷: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَاد﴾

اہل سنت کی سات احادیث میں مذکور ہے کہ منذر سے مراد رسول اکرمؐ اور ہادی سے مراد علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔[۶] ان میں سے ایک ابراہیم حموینی کی روایت ہے۔ ابراہیم اہل سنت کے بزرگ عالم ہیں۔ وہ اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔

۱۔ مناقب ابن مغازلی، ص ۲۷۶، ۳۱۹۔

۲۔ پس اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو۔ (سورۂ نحل/۴۳)

۳۔ تفسیر طبری، ج ۱۴، ص ۶۹؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۵۷۰؛ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۴۳۲، ۴۳۷؛ تفسیر آلوسی، ج ۱۴، ص ۱۳۴؛ غایۃ المرام، ص ۲۴، المقصد الاول، باب ۳۴۔

۴۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (سورۂ بقرہ/۴۳)

۵۔ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۱۱ تا ۱۱۴؛ مناقب خوارزمی، ص ۱۹۸؛ خصائص نسائی، ص ۴۴؛ لسان المیزان، ج ۱، ص ۳۵۹۔

۶۔ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۳۸۱۔۳۹۵؛ تفسیر طبری، ج ۱۳، ص ۱۰۸؛ لسان المیزان، ج ۲، ص ۹۹؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۲۶؛ غایۃ المرام، ص ۲۳۵، المقصد الاول، باب ۳۰۔

پھر علی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ﴿لِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ﴾ [۱]

ہم اختصار کے پیش نظر ان آیات کو ذکر نہیں کر رہے ہیں جو اہل سنت سے مروی ہیں اور علیؑ و آل علیؑ کے بارے میں ہیں۔ جو کوئی اس بارے میں کچھ حد تک معلومات کا خواہاں ہو وہ سید جلیل سید ہاشم بحرانی کی کتاب غایۃ المرام کی طرف رجوع کرے جس میں ایک سو چالیس آیات کا ذکر کیا گیا ہے جو شیعہ و سنی روایات کی رو سے امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے امامت کو کتنی اہمیت دی ہے۔ یہ کوئی سادہ اور سیاسی مسئلہ نہیں جس پر صدر اسلام میں خاموشی اختیار کی گئی ہو۔ (۲۴۶)

امامت سے مربوط کتابیں

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے بعض دشمنوں نے ایک بے سر و پا بات کی ہے اور بے عقلوں نے آنکھیں بند کر کے اس کو قبول کیا ہے۔

امامت اور تشیّع کی ابتدا کے بارے میں غلط بیان

وہ کہتا ہے: ''صدر اسلام میں امامت ایک معمولی، سادہ اور سیاسی مسئلہ تھا اس لئے قرآن اور مسلمان اس کے بارے میں خاموش تھے لیکن بعد میں ایرانی حکمرانوں نے عرب یا ترک خلفا سے بغاوت اختیار کرنے کیلئے امامت کو موجودہ رنگ اور کیفیت میں پیش کیا ہے''۔ اس بات کی دلیل وہ یوں پیش کرتا ہے کہ: ''صفوی حکمرانوں سے پہلے اور ان کے بعد میں لکھی گئی کتابوں میں فرق موجود ہے۔ صفویوں کے بعد امامت پر لکھی گئی کتابوں کا حجم بڑھ گیا ہے اور ان میں زیادہ غلو سے کام لیا گیا ہے''۔ اس مصنف کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب تشیّع کو صفویوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے پروان چڑھایا جو اس کے بعد موجودہ صورت میں باقی رہ گیا۔

یہ احمق اور افیونی آدمی [۲] اپنی کتاب ''شیعی گری'' (شیعہ ازم) میں لکھتا ہے: ''شیعہ بنی امیہ کے دور میں پیدا ہوئے۔ بعد میں جعفر بن محمدؑ اور دوسروں کے عہد میں اس کو مزید پر و بال لگائے گئے''۔ (۲۴۷)

۱۔ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۱۴۸۔

۲۔ اس سے مراد ''کسروی'' ہے۔

اعتراض کا مختصر جواب

قارئین محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ امامت کے بارے میں مذکور آیات واحادیث اور مورخین کے بیانات کی فہرست مرتب کی جائے تو اس کیلئے ایک بڑی کتاب درکار ہوگی۔ ہم نے اختصار کے پیش نظر یہاں ان چند کلمات سے زیادہ لکھنے کی کوشش نہیں کی۔

یہاں ہم قارئین سے انصاف کے طالب ہیں کہ وہ منصفانہ اور بے لاگ جائزہ لے کر دیکھیں کہ کیا امامت کو جسے عقل سلیم کی رو سے اسلام کا ایک مسلّمہ اصول ہونا چاہئے، نیز جو آیات قرآنی اور احادیث رسولؐ جن کی تعداد کئی ہزار سے زیادہ ہیں کی رو سے ایک مسلّمہ اور ثابت شدہ چیز ہے اور معتبر تواریخ کی رو سے بھی رسول اکرمؐ نے ابتدائے بعثت سے لے کر اپنی رحلت تک اس کے بارے میں اپنی کوششیں کی تھیں کیا پھر بھی اسے ایک سادہ، معمولی یا سیاسی مسئلہ قرار دینا چاہئے جس کے بارے میں مسلمانوں نے خاموشی اختیار کی ہو اور ایرانی سلاطین نے اس مذہب کو موجود رنگ دیا ہو؟

دوسرا اعتراض صفویوں کے بعد شیعہ کتب کا حجم

وہ کہتا ہے: ''اگر کسی نہر کا پانی ایک ہی سرچشمے سے نکلتا ہو تو وہ جس قدر نیچے چلا جائے گا اسی قدر اگر اس میں کمی نہ آئے تو اضافہ ہرگز نہ ہوگا۔ آپ امامت کے بارے میں لکھی گئی کسی کتاب کا تاریخ کی ترتیب سے دیگر کتب کے ساتھ موازنہ کریں۔ صفویوں سے پہلے لکھی گئی ایک کتاب اور ان کے بعد میں لکھی گئی کسی کتاب کو آمنے سامنے رکھیں اور ان کا موازنہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ جس قدر نیچے چلے جائیں ان کتابوں کے غلو اور حجم میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا''۔

اعتراض کا جواب

اس بات کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ مصنف کتاب لکھنے کے فن سے مکمل طور پر جاہل ہے اور اس نے امامت کے بارے میں لکھی گئی کتب کا کم از کم ایک سرسری مطالعہ بھی نہیں کیا ہے پھر ایک بے تناسب مثال دے کر اس قدر واضح مسئلے پر پردہ ڈالنا اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہا ہے۔ یہاں ہم ثابت کریں گے کہ صدر اسلام میں لکھی گئی کتابوں کو بعد میں لکھی گئی کتابوں سے یقیناً حجم میں کمتر ہونا چاہئے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آج امامت کے موضوع پر کوئی کتاب لکھنا چاہے تو اس کی کتاب کو متقدمین کی کتابوں

سے دسیوں گنا ضخیم تر ہونا چاہئے۔ یہاں ہم ایک مثال کے ذریعے بات کو واضح کریں گے تا کہ دھوکہ بازی کی قلعی کھل جائے۔ بطور مثال جس دن پیغمبر اسلامؐ نے غدیر خم میں فرمایا: ﴿مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَولاہُ﴾ اس دن غدیر میں موجود کوئی شخص امامت سے مربوط اس حدیث کو لکھنا چاہتا تو اسے ایک سطر سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ جملہ یہ ہوتا: ''میں نے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے''۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص جو وہاں حاضر نہ تھا یہ چاہتا کہ امامت سے مربوط اس حدیث کو پیغمبرؐ سے نقل کرے۔ تو اسے اس بات کی ضرورت پڑتی کہ وہ اس حدیث کو نقل کرنے والے راویوں کے ناموں کے بارے میں کئی صفحات سیاہ کرے۔ فرض کریں کہ اس دن سو افراد نے رسول کریمؐ سے یہ حدیث سنی اور ہر ایک نے مزید کئی افراد تک یہ حدیث پہنچائی۔ اب اگر کوئی شخص واقعہ غدیر خم کے دس سال بعد یہ چاہتا کہ اس حدیث کو ان لوگوں سے نقل کرے جن سے اس نے یہ حدیث سنی ہے تو اسے ایک مختصر کتاب کی ضرورت پڑتی جس میں ان راویوں کی تفصیل بیان ہو۔

اگر آج ہم اس حدیث غدیر کو جو ایک سے زیادہ نہیں اس طرح سے لکھنا چاہیں کہ اس کا فرمان رسولؐ ہونا ثابت ہو جائے تو کئی جلد کتابوں کی ضرورت ہوگی کیونکہ روز غدیر اور ہمارے درمیان تقریباً ایک ہزار تین سو چالیس سال کا فاصلہ ہے، اب اگر سو افراد نے یہ حدیث رسولؐ سے سنی ہو تو دوسرے مرحلے میں سو افراد ہزار میں بدل جائیں گے اور تیسرے مرحلے میں یہ تعداد دس ہزار کو پہنچ جائے گی۔ بنا بریں آج ہمیں ضرورت پڑے گی کہ ہم حدیث غدیر کو دسیوں ہزار افراد کے ذریعے رسول خداؐ سے نقل کریں۔ اگر ہم اتنے سارے راویوں کے نام اور ان کے حالات کو لکھنا اور ان کے بارے میں جرح و تعدیل کا تذکرہ کرنا چاہیں تو کئی جلدوں پر مشتمل کتاب درکار ہوگی تا کہ ایک حدیث صحیح طریقے سے ثابت ہو۔

آپ سب سن چکے ہیں کہ مشہور مورخ طبری نے دو ضخیم کتابیں حدیث غدیر کی سند کے بارے میں لکھی ہیں، نیز ابو المعالی جوینی، متوفی ۴۷۸ ھ جو اہل سنت والجماعت کے جید عالم ہیں نے کتاب غدیر کی اٹھائیسویں جلد کو جلد ساز کے پاس دیکھا جس کی انتیسویں جلد بھی موجود تھی۔ ممکن ہے کہ اس کی اور بھی کئی جلدیں لکھی گئی ہوں حالانکہ حدیث غدیر ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ امامت کے موضوع پر سب سے بڑی کتاب جو ہم نے دیکھی ہے وہ ''عبقات'' ہے۔ اس کتاب کی چار ضخیم جلدیں اسی حدیث غدیر کی سند اور

دلالت کے بارے میں ہیں۔ بہتر ہے کہ قارئین اس کتاب کو دیکھ لیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کتاب کا ضخیم ہونا اس لئے نہیں کہ اس میں جھوٹ لکھا گیا ہے یا اس میں کسی حدیث کا اضافہ ہوا ہے۔ آج اگر کوئی شخص امامت سے مربوط تمام احادیث کو صاحب عبقات کی طرز پر قلمبند کرنا چاہے تو اسے سینکڑوں جلدیں درکار ہوں گی تاکہ وہ اس میں تمام راویوں کا ذکر ان کی جملہ خصوصیات کے ساتھ قلمبند کرے۔

ثانیاً: اگر کوئی شخص ان کتابوں کو دیکھے جو صفویوں کے دور سے اب تک لکھی گئی ہیں تو وہ یہ جان لے گا کہ یہ کتابیں صفویوں اور ان کی سیاست سے کسی طرح مربوط نہیں۔ یہاں ہم چند کتابوں کے ناموں کا تذکرہ کریں گے تاکہ قارئین خود ان کی طرف مراجعہ کریں اور حقیقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔

صفویوں کے بعد امامت پر لکھی گئی کتب کا جائزہ

۱۔ امامت پر لکھی گئی کتابوں میں سے ایک ''احقاق الحق'' ہے جسے قاضی نور اللہ شوشتری نے لکھا ہے۔ یہ ایک گرانقدر اور نفیس کتاب ہے۔ قاضی نور اللہ نے احقاق الحق کے علاوہ بھی کئی کتابیں امامت کے بارے میں اور اہل سنت کی رد میں لکھی ہیں۔ یہ عظیم انسان شیخ بہائی اور صفویوں کے ہم عصر ہیں لیکن ہندوستان کے شہر اکبر آباد میں زندگی گزارتے اور نہایت احتیاط سے تقیہ کرتے تھے یہاں تک کہ شہنشاہ اکبر ان کا معتقد ہو گیا اور انہیں سنی سمجھ بیٹھا۔ یوں اکبر نے انہیں قاضی القضاۃ بنالیا۔ وہ چھپ چھپا کر تصنیف و تالیف ہی مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اکبر مر گیا اور جہانگیر بادشاہ بن گیا۔ اس وقت بھی قاضی نور اللہ قضاوت کے عہدے پر برقرار تھے یہاں تک کہ مخالفین کو اندازہ ہو گیا کہ وہ شیعہ ہیں۔ انہوں نے قاضیوں کے حکم اور شہنشاہ جہانگیر کی اجازت سے انہیں اس قدر کوڑے مارے کہ وہ چل بسے[۱]

۲۔ ''غایۃ المرام'' یہ ایک جلیل القدر سید کی تالیف ہے جن کا نام سید ہاشم بحرانی ہے۔ اس کتاب میں احادیث کو ہو بہو نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ہر وہ کتاب جو مذکورہ حدیث کو شیعہ و سنی طرق سے نقل کرے مولف اس کا نام لیتا ہے۔ یہ کتابیں لوگوں کے درمیان عام ہیں جو کوئی چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔

۱۔ سید ضیاء الدین، نور اللہ بن شریف مرعشی شوستری جو قاضی نور اللہ شوستری کے نام سے معروف ہیں۔ ان کی ولادت ۹۵۶ میں اور شہادت ۱۰۱۹ میں واقع ہوئیں۔ ان کا شمار ہندوستان میں شیعوں کے عظیم متکلمین و محدثین میں ہوتا ہے۔ اس جلیل القدر عالم کی تالیف ''احقاق الحق'' آیت اللہ مرعشی نجفی کی توضیحات اور حواشی کے ساتھ انتیس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

سید نے جن کتب سے نقل کیا ہے وہ یا تو اہل سنت کی سب سے بڑی کتابوں میں سے ہیں یا ان کے ہاں معتبر وموثق ہیں، مثلاً صحیح مسلم، صحیح بخاری، صحیح ترمذی، صحیح ابو داوود، صحیح نسائی، مسند احمد بن حنبل، حمیدی کی جمع بین صحیحین، اندلسی کی جمع بین صحاح ستہ اور اسی طرح کی دیگر معروف اور رائج کتب جو عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ جلیل القدر سید بحرین کے علاقے ''توبل'' کے رئیس تھے۔ ان کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ زبردست ورع وتقوی کے مالک تھے۔ وہ سلاطین اور حکمرانوں سے بے اعتنائی برتتے تھے اور ان کے زیر اثر نہیں تھے۔ا

۳۔ ''عبقات الانوار'' امامت کے بارے میں اس جیسی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی۔ اس کے مصنف جلیل القدر سید اور علامہ زمان میر حامد حسین ہندی ہیں۔۲ انہوں نے امامت سے مربوط ہر حدیث پر ایک یا کئی جلدیں لکھی ہیں۔ جو شخص اس کتاب پر نظر کرے وہ اس جلیل القدر سید کے علمی مقام اور تبحر کا ادراک کرلے گا، نیز جو اس کا مطالعہ کرے وہ جان لے گا کہ حکمرانوں اور سلاطین کی سیاست نے امامت سے مربوط کتب کے حجم میں اضافہ نہیں کیا اور امامت پر لکھی ہوئی ان مفصل کتابوں کے مصنفین ومولفین صفوی یا غیر صفوی سلاطین کے زیر اثر نہیں تھے بلکہ وہ ان علاقوں میں رہتے تھے جہاں یا تو صفویوں وغیرہ کا کوئی نام ونشان نہیں تھا یا وہ صفویوں کے زیر اثر نہیں تھے۔ ان باتوں کے علاوہ جو احادیث ان کتابوں اور امامت سے مربوط دیگر کتب میں مذکور ہیں وہ صفویوں سے سینکڑوں سال پہلے لکھی گئی ہیں جیسا کہ ان کی طرف مراجعہ سے معلوم ہوگا۔ یہاں ہم بعض کتابوں کا ذکر یں گے جو صفوی دور سے پہلے امامت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ صفویوں کے زمانے اور ان کے بعد میں اس موضوع سے مربوط کتب تنزل کا شکار ہوئی ہیں اور یہ کہ صفویوں سے پہلے امامت پر لکھی گئی کتب کی تعداد کہیں زیادہ تھی، نیز صفوی حکمران اور ان کی سیاست میں وہ طاقت نہ تھی جو وہ اسلام کے ایک عظیم رکن یعنی امامت کو تراشتے۔

ا۔ ہاشم بن سلیمان بحرینی، ۱۱۰۷ھ ق، گیارہویں صدی کے عظیم ترین شیعہ محدثین، مورخین اور مفسرین میں سے ایک ہیں۔ ان کی اہم ترین تصانیف میں تفسیر البرہان، معالم الزلفی، حلیۃ الابرار اور غایۃ المرام شامل ہیں۔

۲۔ سید حامد حسین ابن محمد علی خان ہندی، ۱۲۴۶۔ ۱۳۰۶ھ ق، ہندوستان کے عظیم شیعہ محدث، فقیہ اور ماہر علم رجال تھے۔ ان کی معرکۃ الآراء کتاب ''عبقات الانوار'' ۲۶ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے۔

یادرہے کہ امامت ایک ایسا موضوع ہے جس کی طرح کسی موضوع پر علما اور دانشوروں نے بحث نہیں کی ہے۔اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں کے بارے میں جاننا کسی کیلئے ممکن نہیں۔ جوکوئی اس موضوع کی بے شمار کتب میں سے بعض کے بارے میں جاننا چاہے وہ عالم متبحر شیخ آقابزرگ طہرانی کی کتاب ''الذریعہ'' کی طرف رجوع کرے تاکہ وہ حقیقت حال سے آشنا ہو۔ یہاں ہم ان میں سے چند کتب کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

قبل ازیں ذکر ہو چکا کہ وہ اس کتاب میں ان ایک سو دو (۱۰۲) کتب کا ذکر کرتے ہیں جو لفظ ''امامت'' کے ساتھ معروف ہیں یا ان کا کوئی نام نہیں لیکن وہ ان کا تعارف لفظ امامت کے ذریعے کراتے ہیں۔ یہ ان کتب کے علاوہ ہیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں لیکن دیگر مخصوص ناموں کی حامل ہیں۔ البتہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

صفویوں سے پہلے امامت پر لکھی گئی بعض کتب کی فہرست

صفویوں سے پہلے امامت کے موضوع پر لکھی گئی بعض کتب کے نام جن کا تعارف فقط ''الامامۃ'' کے ساتھ کیا گیا ہے:

۱۔ الامامۃ: یہ عیسیٰ بن روضہ تابعی کی کتاب ہے جو بنی ہاشم کا موالی یا آزاد کردہ اور خلیفہ منصور کا دربان تھا۔عیسیٰ نے ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

۲۔ الامامۃ: یہ علم عروض ولغت کے ماہر ومصنف خلیل ابن احمد بصری نے لکھی ہے۔خلیل حضرت صادقؑ کے اصحاب میں شامل تھے۔خلیل نے ۱۶۰ھ یا ۱۷۰ھ یا ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

۳۔ الامامۃ: یہ ابوجعفر احمد بن حسین بن عمر بن یزید صیقل کوفی نے لکھی ہے جو ثقہ ہیں اور حضرت صادق وحضرت کاظم علیہما السلام کے اصحاب میں سے ایک ہیں۔

۴۔ الامامۃ: یہ شیعہ قدماء میں سے ایک عالم کی تالیف ہے۔سید ابن طاووس کہتے ہیں کہ اس کتاب کا نسخہ ۲۲۹ھ میں لکھا گیا۔

۵۔ الامامۃ الصغیر۔

۶۔ الامامۃ الکبیر: اس کے مولف ابراہیم بن محمد بن سعید الثقفی ہیں جن کی وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی۔

۷۔ الامامۃ: منصور باللہ اسماعیل بن محمد بن مہدی، متوفی ۳۴۱ھ نے یہ کتاب لکھی۔

۸۔ الامامۃ: ابو محمد حکم بن ہشام بن حکم اس کتاب کے مولف ہیں۔ ہشام کی وفات ۱۹۹ یا ۱۷۹ میں ہوئی۔

۹۔ الامامۃ الکبیر: یہ ناصر الحق، حسن بن علی، متوفی ۳۰۴، کی تالیف ہے۔

۱۰۔ الامامۃ: یہ ابو محمد عبداللہ بن مسکان، متوفی ۱۸۳، کی تالیف ہے۔ ابن مسکان حضرت کاظمؑ کے اصحاب میں شامل تھے۔

۱۱۔ الامامۃ: ابو محمد عبداللہ بن ہارون زبیری، متوفی ۲۱۸ھ نے یہ کتاب لکھی۔

۱۲۔ الامامۃ: یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن زبیری کی کتاب ہے جیسا کہ نجاشی نے ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ الامامۃ: یہ ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری کی کتاب ہے۔ ابو العباس نے ''قرب الاسناد'' بھی لکھی ہے۔ وہ ۲۹۲ھ میں زندہ تھے۔

۱۴۔ الامامۃ الکبیر: اس کے مصنف ابو القاسم علی بن احمد علوی کوفی، متوفی ۳۵۲، ہیں۔

۱۵۔ الامامۃ: یہ ابو الحسین علی بن وصیف کی کتاب ہے۔ ابو الحسین متکلم اور معروف شاعر تھے اور شاعر اہل بیتؑ کے نام سے معروف تھے۔ وہ ۳۶۶ھ میں شہید ہوئے۔

۱۶۔ الامامۃ: یہ ابو محمد فضل بن شاذان بن خلیل نیشاپوری، متوفی ۲۶۰ھ کی کتاب ہے۔

۱۷۔ الامامۃ: اس کے مصنف شیخ متکلم فضل بن عبدالرحمٰن بغدادی ہیں۔ نجاشی نے اس کے استاد سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک بڑی کتاب ہے۔

۱۸۔ الامامۃ: یہ ابو احمد محمد بن ابی عمیر کی تالیف ہے۔ وہ اصحاب اجماع میں سے ایک تھے۔ ابو احمد نے حضرت موسیٰ بن جعفر اور امام علی بن موسی الرضا علیہما السلام کا زمانہ دیکھا اور ۲۱۷ میں وفات پائی۔

۱۹۔ الامامۃ: یہ محمد بن احمد صفوانی کی کتاب ہے۔ صفوانی شیخ کلینی کے شاگرد اور شیخ طوسی و نجاشی کے استاد تھے۔

۲۰۔ الامامۃ: یہ ابو الحسن محمد بن احمد حارثی کی تالیف ہے۔ نجاشی تین واسطوں کے ساتھ حارثی سے نقل کرتے ہیں۔

۲۱۔ الامامۃ: محمد بن بشر حمدونی سوسنجردی اس کے مولف ہیں اس کتاب ... نی سے نقل کیا ہے۔

۲۲۔ الامامۃ: مولفہ، ثقہ جلیل محمد بن حسین بن ابی الخطاب الزیات ہمدانی، متوفی ۲۶۲۔

۲۳۔ الامامۃ: مولفہ، ابو بکر محمد بن خلف رازی۔ وہ جلیل القدر متکلم ہیں۔ نجاشی اور ابن ندیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۴۔ الامامۃ: یہ ابو جعفر سکاک محمد بن خلیل بغدادی کی کتاب ہے۔ وہ ہشام بن حکم کے شاگرد تھے اور ۱۷۹ میں دار فانی سے چل بسے۔

۲۵۔ الامامۃ: یہ محمد بن عبدالرحمٰن ابن قبہ رازی متکلم کی کتاب ہے جو شیخ کلینی کے معاصر تھے اور ۳۱۷ھ میں زندہ تھے۔

۲۶۔ الامامۃ: متکلم جلیل محمد بن عبداللہ بن مملک اصفہانی کی تصنیف ہے۔ وہ جبائی کے معاصر تھے، متوفی ۳۰۳۔

۲۷۔ الامامۃ: یہ جلیل القدر عالم، صدوق الطائفہ محمد بن علی بن حسین بن بابویہ، متوفی ۳۸۱ کی کتاب ہے۔

۲۸۔ الامامۃ: یہ متکلم جلیل اور ثقہ محمد بن علی بن نعمان بن ابی طریفہ بجلی کوفی کی کتاب ہے۔ وہ مومن طاق کے لقب سے معروف ہیں۔

۲۹۔ الامامۃ الکبیر والصغیر: یہ محمد بن علی شلمغانی کی کتاب ہے۔ شلمغانی کو ۳۲۲ میں پھانسی دی گئی۔

۳۰۔ الامامۃ: یہ ابو جعفر محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین کی کتاب ہے جو ابو جعفر حضرت جوادؑ کے اصحاب میں شامل تھے۔

۳۱۔ الامامۃ: متکلم جلیل شیخ مظفر بن محمد بلخی کی تصنیف ہے۔ بلخی شیخ مفید کے استاد ہیں۔ وہ ۳۶۷ھ میں وفات پا گئے۔

۳۲۔ الامامۃ: ابو عیسیٰ وراق محمد بن ہارون کی تالیف ہے۔ نجاشی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۳۔ الامامۃ: ابوالحسن معلّٰی بن محمد بصری کی تالیف ہے۔ نجاشی تین واسطوں سے معلّٰی سے روایت

کرتے ہیں۔

۳۴۔ الامامۃ: قاضی نعمان بن محمد مصری جو دعائم الاسلام کے مصنف ہیں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ان کی وفات ۳۶۷ میں ہوئی۔

۳۵۔ الامامۃ: یہ متکلم جلیل اور ثقہ بزرگ ہشام بن حکم کوفی، متوفی ۱۹۹ یا ۱۷۹ کی کاوش ہے۔

۳۶۔ الامامۃ: یہ کتاب نبوت و وصایت کے اثبات میں لکھی گئی ہے۔یہ ہادی یحییٰ کی تالیف ہے جو فرقہ زیدیہ کے ایک پیشوا ہیں اور ۲۹۸ میں فوت ہوئے ہیں۔

۳۷۔ الامامۃ: یہ ابو محمد یوسف بن عبدالرحمٰن مولیٰ آل یقطین کی کتاب ہے۔وہ حضرت رضاؑ کے اصحاب میں سے تھے اور ۲۰۸ میں رحلت کر گئے۔

۳۸۔ الامامۃ: یہ ابو محمد یحییٰ بن محمد کی کتاب ہے۔ابو محمد نیشاپور کے متکلم و فقیہ تھے۔وہ ۴۷۸ھ سے پہلے زندہ تھے۔

امامت پر لکھی گئی "الشافی"

۳۹۔ الامامۃ: اس کے مولف ابوشداخ ہیں جیسا کہ نجاشی نے احمد بن حسین نے نقل کیا ہے یہ چالیس کتابیں جن کا نام ہم نے لیا وہ ہیں جو امامت کے موضوع پر ائمہؑ کے دور میں یا ان کے قریبی ادوار میں لکھی گئی ہیں لیکن سید مرتضیٰ علم الہدیٰ[۱] متوفی ۴۳۶، کی کتاب "الشافی" اس موضوع کی بہترین اور مشہور ترین کتاب ہے اور ہر ایک کی دسترس میں ہے۔جو کوئی یہ کہتا ہے کہ نظریہ امامت کو صفویوں نے پروان چڑھایا اور نکھارا ہے وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں تا کہ وہ حقیقت حال سے بخوبی آگاہ ہوں اور جان لیں کہ متاخرین نے امامت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس تحقیق سے کمتر ہے جو سید مرتضیٰ نے "الشافی" میں پیش کی ہے۔

ان کے علاوہ وہ سب کتابیں جو شیخ مفید، شیخ الطائفہ خواجہ نصیر الدین طوسی، شیخ صدوق، علامہ اور دیگر معتبر محققین و مصنفین نے صفویوں سے بہت پہلے لکھی ہیں ان لوگوں (کسروی وغیرہ) کی معلومات کی

۱۔علی بن حسین بن موسیٰ المعروف سید مرتضیٰ و علم الہدیٰ (۳۵۵۔۴۳۶ھ ق) وہ عالم اسلام او عالم تشیع کے گرانقدر عالم ہیں۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں: امالی، الذریعہ الی اصول الشیعہ، الناصریات، الانتصار اور الشافی وغیرہ شامل ہیں۔

حقیقت اوران کی عوام فریبی کو برملا کرتی ہیں۔

امامت پر لکھی گئی کتاب الفین

آیت اللہ جمال الدین حسن بن یوسف مطہر علی[۱] المعروف "علامہ" متوفی ۷۲۶ھ نے اپنے فرزند ارجمند فخر المحققین کی خواہش پر اکیلے ہی ایک کتاب امامت پر لکھی ہے جو دو ہزار دلیلوں پر مشتمل ہے۔ان میں سے ایک ہزار دلائل امیر المومنین ؑ کی امامت کے بارے میں اور ایک ہزار دلائل مخالفین کے اعتراضات کی رد میں ہیں۔علامہ سنہ ۷۰۹ میں اس کتاب کے حصہ اول اور سنہ ۷۱۲ میں حصہ دوم کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ان کے بیٹے فخر المحققین نے اس کتاب کو مرتب کیا لیکن جو نسخے اس وقت دستیاب ہیں ان میں دوسری ہزار دلائل میں سے تیس سے کچھ زائد دلیلیں ہی باقی رہ گئی ہیں اور باقی کتاب تلف ہو چکی ہے۔یہ کتاب ۱۲۹۸ میں ایران میں طبع ہو چکی ہے۔

نتیجۂ کلام

امامت کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کے مطالعے سے، نیز ان کتابوں کے مولفین و مصنفین کے ادوار زندگی اور ان ممالک جہاں وہ رہتے تھے کے جائزے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ صفویوں کے دور سے پہلے امامت پر لکھی جانے والی کتابیں تعداد کے لحاظ سے بھی زیادہ تھیں اور مفصل بھی تھیں۔اگر ان کے دور میں یا ان کے بعد کوئی بہت مفصل کتاب لکھی گئی ہو مثال کے طور پر عبقات اور احقاق الحق جو ہندوستان میں لکھی گئیں جہاں صفویوں اور ان کی سیاست کا کوئی عمل دخل اور نام ونشان نہ تھا تو کتب امامت کو صفویوں کی سیاست سے منسوب کرنا جہل کی انتہا، نیز علم رجال کی کتابوں اور راویوں کے حالات سے عدم آگاہی کا نتیجہ ہے۔البتہ علامہ محدثین مجلسی[۲] صفویوں کے دور میں زندگی گزارتے تھے اور ان کی کتابیں اس دور میں لکھی

۱۔آیت اللہ شیخ جمال الدین حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی (۶۴۸۔۷۲۶ھ ق) ان کی کتابوں میں تبصرۃ المتعلمین، المختلف، القواعد اور تذکرۃ الفقہا (فقہ میں)، کشف المرادنی شرح تجرید الاعتقاد (علم کلام میں)، الفین (اثبات امامت میں) الخلاصہ (علم رجال میں) اور تلخیص الکشاف (تفسیر میں) وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی اصفہانی المعروف علامہ مجلسی (۱۰۳۷۔۱۱۱۱ھ ق) جلیل القدر شیعہ عالم ہیں۔ان کی اہم ترین کتاب بحار الانوار ہے۔ان کی دیگر کتابوں میں: مرآۃ العقول (کافی کی شرح میں)، حیاۃ القلوب، زاد المعاد، <--

گئیں۔ نیز بحارالانوار جوان کی مفصل ترین کتاب ہے صفوی سلاطین کی توجہ اور مدد سے لکھی گئی لیکن دیکھنا یہ چاہئے کہ بحار کون سی کتاب ہے اور اس کے مآ خذ کہاں ہیں؟ بحار ایک اہم لائبریری ہے جو کتاب کی شکل میں مرتب ہوئی ہے۔ بحار کے مدارک خود اس کے اندر اپنے مآ خذ کے مولفین کے اسماء واحوال کے ساتھ تفصیلاً درج ہیں۔

آج بحارالانوار کے مآ خذ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صفویوں کی سیاست کی وجہ سے کتابوں کا حجم بڑھ گیا ہے انہیں چاہئے کہ وہ پہلے بحار کو دیکھیں اور روایات واحادیث پر نظر کریں پھر اس کے مآ خذ کو الگ کریں۔ پس اگر کہیں اضافہ ہوا ہو تو اعتراض کریں لیکن بے جا دعووں اور بے دلیل باتوں کے دھوکے میں آ کر بے بنیاد باتوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔(۲۴۸)

۷۔ حق الیقین، جلاء العیون، حلیۃ المتقین اور الاربعون حدیثاً وغیرہ شامل ہیں۔

اولوا الأمر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ

سورۂ نساء/۵۹

أولی الأمر کون هیں؟

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین پر اپنی اطاعت، اپنے رسول کی اطاعت اور صاحبان امر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں روز قیامت تک اسلامی حکومت کی تشکیل کا حکم دیا ہے۔ خوب واضح ہے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کو پوری امت پر واجب قرار نہیں دیا ہے۔

پس چونکہ اولی الامر کی اطاعت کو پوری امت پر واجب قرار دیا ہے اس لئے نتیجتاً حکومت اسلامی بھی ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور ایک سے زیادہ نظام نہیں ہونے چاہیں وگرنہ ہرج ومرج لازم آئے گا۔

اس وقت ہم اطاعت خدا اور اطاعت رسول کو پہچانتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رسول باطنی یعنی عقل کی روشنی میں اس بات کا تحقیقی جائزہ لیں کہ یہ اولوا الامر کون ہیں؟ کس قسم کے لوگ اولی الامر ہوسکتے ہیں؟

سلاطین کے اولوا الامر ہونے کا دعویٰ

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اولوا الامر سے مراد سلاطین، بادشاہ اور حکمران ہیں، نیز خدا نے لوگوں کے اپنے سلاطین اور بادشاہوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ترکی کے صدر مصطفیٰ کمال پاشا اور شاہ ایران رضا خان اپنے آپ کو اولوا الامر سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ نے ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔

اہل سنت معاویہ بن ابی سفیان، یزید بن معاویہ اور دیگر اموی وعباسی خلفا کو اولی الامر قرار دیتے ہیں۔

یہاں ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سلیم سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں آسمانی احکام

کے ساتھ پیغمبر اسلام ؐ کو مبعوث فرمایا اور اپنی حکومت کی بنیادوں کو توحید اور عدل پر استوار کیا، نیز لوگوں کو بعض چیزوں کا حکم دیا اور بعض امور سے منع کیا۔ کیا یہ معقول ہے کہ زبردست جدوجہد، نیز احکام خدا کی تعلیم اور انکے نفاذ کے بعد یہی خدا جس نے مسلمانوں کی قربانیوں کے ذریعے دنیا میں عدل کی بنیادوں کو مستحکم کیا، نیز ظلم وستم اور بے حیائی کے کاموں سے اس قدر سختی کے ساتھ منع کیا، لوگوں کو حکم دے کہ تم سب "اتاترک کی اطاعت کرو" جو یہ کہتا ہے کہ ملک کے اندر دین کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے؟ سب کو معلوم ہے کہ اتاترک نے دینداروں کے ساتھ کیا کیا، لوگوں پر کس طرح کے ستم کیے، ترکی میں کس طرح کی بے حیائی پھیلائی اور دین خدا کی کیسی مخالفتیں کیں۔ یا یہی خدا کہے کہ رضا خان پہلوی کی اطاعت کرو جبکہ آپ سب اس کے کرتوتوں کو جانتے ہیں کہ اس نے دین اسلام کی جڑوں کو اکھاڑنے کیلئے کیا کیا جتن کیے؟ اگر کوئی شخص قرآن کے ساتھ رضا خان پہلوی کی کھلم کھلا مخالفتوں کو گننا چاہے تو اسے ایک کتاب کی ضرورت پڑے گی۔

جو خدا دین اور عدل کی بنیادوں کو خود قائم کرنے کے بعد خود ہی اسے خراب کرنے کا حکم دے ایسے خدا کو صاحبان عقل نہ خدا سمجھیں گے نہ صاحب عدل وانصاف۔ خداوند عالم اس قسم کے بیہودہ اور غیر معقول کام سے منزہ ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اسے ان ظالموں کے طرز حکومت کا علم نہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ اس کی باتوں کے ساتھ موافق ہیں تو یہ بات بھی خلاف عقل ہے۔ جو خدا اپنے بندوں کو نہ پہچانے ہم اسے خدا نہیں مانتے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنی بات سے پشیمان ہوا یعنی کچھ دنوں تک وہ لوگوں کے درمیان توحید، تقویٰ اور عدل کا خواہاں رہا اس کے بعد اس نے خود لوگوں کو شرک، ظلم اور بے حیائی کی دعوت دی تو یہ بھی عقل وخرد سے دور بات ہے اور ایسے خدا کو ہم خدا ہی نہیں مانتے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ سلاطین اور بادشاہ اولوا الامر نہیں ہیں۔

ان سب سے قطع نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور پیغمبر اسلام ؐ نے حدیث میں عورتوں کی بے پردگی اور اوقاف میں تصرف کو حرام قرار دیا ہے لیکن بادشاہ یا خلیفہ لوگوں کو اس کا حکم دے تو اس صورت میں لوگوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ ایک طرف سے اللہ یہ حکم دے کہ خدا ورسول کی اطاعت کرو۔ پس بے پردگی سے اجتناب کرو اور اوقاف میں تصرف نہ کرو اور دوسری طرف سے یہ کہے کہ بادشاہ کا حکم مانو اور اوقاف کو فروخت کردو تو انسان کیا کرے؟

وائے ہو ان ظالموں پر جو خدائے عادل کے ساتھ ان بے ہودہ کاموں کو منسوب کرتے ہیں۔
کیا عقل و خرد جو اللہ کی طرف سے عطا شدہ رسول باطنی ہے یہاں یہ حکم نہیں دیتی کہ اولوا الامر کو ایسا فرد ہونا چاہئے جو اپنی امارت کی ابتدا سے لے کر آخر تک ایک لفظ بھی خدا اور رسول کے احکام کے برخلاف نہ کہے؟ کیا عقل یہ نہیں کہتی کہ اولی الامر کی حکومت وہی حکومت الٰہی ہو جو رسول کی تھی؟ ان تینوں کی اطاعت کے ایک ساتھ ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کا سرچشمہ ایک ہے۔(۲۴۹)

اولوا الامر، رسولؐ کا تابع ہونا

اہل سنّت کے علمانے یہ باور کرلیا ہے کہ ہر لاٹھی والے کی اطاعت کرنی چاہئے۔ یہ بات بھی انہی لاٹھی والوں کی اختراع ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلامؐ یہ حکم دے کہ اتاترک کی اطاعت کرو جو ہمارے احکام کو مٹانے والا ہے؟ اسے کون سی عقل تسلیم کرے گی؟ پیغمبر خداؐ حکم دے اور اللہ تعالیٰ بھی حکم دے کہ نماز پڑھو پھر اس کے بعد یہ حکم دے کہ اتاترک کی اطاعت کرو جبکہ اتاترک یہ کہتا ہے کہ نماز نہ پڑھو۔ اب ہم کس کی مانیں؟ خدا کی بات مانیں یا اتاترک کی؟ کون سی عقل اسے مانے گی؟ واضح ہے کہ قرآن میں جس اولوا الامر کا ذکر ہوا ہے وہ رسولؐ کا سو فیصد تابع ہوگا کیونکہ اولوا الامر خود خدا بھی ہے اور رسول بھی۔ اولوا الامر کو مخصوص صفات کا حامل ہونا چاہئے۔ یہ معقول بات نہیں کہ اللہ لوگوں کو رضا خان کی اطاعت کا حکم دے جو تمام شرعی اور اسلامی احکام کو بالائے طاق رکھتا تھا۔ یہ غیر معقول بات ہے کہ خدا پہلے ایک دین بھیجے پھر ایک بے دین کی اطاعت کا حکم دے۔ گویا یہ کہے کہ تم خود بھی بے دین بن جاؤ۔(۲۵۰)

شیعوں کی نظر میں اولوا الامر کے مصادیق

رحلت رسولؐ کے بعد شیعوں اور اہل سنت کا ان دو باتوں میں اختلاف رہا ہے جن کا فیصلہ ہم نے عقل سلیم سے حاصل کیا ہے۔ ابتدائی ایام میں رسول اکرمؐ کے بزرگ اصحاب جن کی عظمت کے تمام مسلمان قائل تھے اور کسی نے ان کی پاکدامنی کے برخلاف کوئی بات نہیں کی ہے، مثلاً امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور حسن و حسین علیہم السلام، نیز سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، عباس اور ابن عباس وغیرہ نے مخالفت کی اور انہوں نے چاہا کہ اولوا الامر کے معاملے میں اللہ اور رسولؐ کے حکم پر عملدرآمد کریں۔ لیکن گروہ بندی جو ابتدائے خلقت بشر سے لے کر اب تک خردمندوں کے فیصلوں کو منجمد کرتی رہی ہے، نیز لالچ اور ہوس پرستی جس نے ہر دور

میں حق وحقیقت کو پامال کیا ہے نے اس دن بھی اپنا اثر دکھایا۔ معتبر تواریخ کی شہادت کے مطابق ادھر یہ حضرات دفن رسولؐ میں مشغول تھے اور ادھر سقیفہ کے اجلاس نے ابوبکر کو حکمرانی کیلئے منتخب کر لیا۔ یوں یہ ''خشت اول'' ٹیڑھی رکھی گئی۔ پس اسلام کے صدر اول سے ہی دونوں فریقین کے درمیان یہ اختلاف موجود رہا ہے۔ شیعہ جو حضرت علیؑ کے پیروکار ہیں یہ کہتے ہیں کہ عقل کی روشنی میں امامت کی تعیین اللہ کی طرف سے ہونی چاہئے اور خلفا و سلاطین اس کے اہل نہیں ہیں، نیز علیؑ اور آپؑ کی معصوم اولادؑ ہی اولوا الامر ہیں جنہوں نے حکم خدا کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور نہ ایسا کریں گے اور یہ بھی پیغمبر اسلامؐ کی تعیین کا نتیجہ ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کا ذکر ہوگا اور ہم ثابت کریں گے کہ رسول اکرمؐ نے امام کو معین کیا تھا جو علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ (۲۵۱)

معصومینؑ کی طرف سے بادشاھوں کی قولی و عملی مخالفت

ہمارے درمیان بھی کچھ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اولوا الامر جو کوئی ہو ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ کیا اولوا الامر ایسا ہوتا ہے؟ کیا ایک ڈکٹیٹر اولوا الامر ہو سکتا ہے؟ ڈکٹیٹر کے ساتھ تو بات بھی نہیں کرنی

چاہئے۔ اگر اولی الامر یہی ہیں تو پھر امام حسنؑ نے اور امام حسینؑ نے اس قسم کے اولی الامر کی کیوں مخالفت کی؟ جب یزید اولوا الامر تھا سازش کرتا تھا۔ ایک مولوی نے مجھے خط لکھا تھا: آپ کیوں مخالفت کرتے ہیں اس کی؟ یہ حکومت اسے اللہ نے دی ہے... لیکن یہ قرآن کا حکم ہے۔ کیا فرعون کو کسی اور نے حکومت دی تھی؟ اسے بھی خدا نے ہی دی تھی۔ پس موسیٰ نے جا کر اس کی مخالفت کیوں کی؟ کیا نمرود کو کسی اور نے حکومت دی تھی؟ اسے بھی خدا نے ہی حکومت دی تھی۔ پس ابراہیمؑ کیوں اس کی مخالفت پر اتر آتے ہیں؟ پیغمبرؐ کیوں مخالف ہیں؟ حضرت امیرؑ معاویہ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ معاویہ بھی اپنی جگہ ایک اولی الامر ہے؟ پھر امام حسنؑ نے معاویہ کی مخالفت کیوں کی؟ امام حسنؑ نے معاویہ کو خوب سبق سکھایا۔ امام حسینؑ نے قیام کیوں فرمایا؟ آپؑ اپنے چند اہل وعیال کے ساتھ، پچاس ساٹھ افراد کے سات کیوں نکلے؟ آپؑ کیا اولی الامر کی مخالفت کیلئے نکلے؟ یہ نامربوط باتیں ہیں۔ وہ اولی الامر جس کا ذکر خدا اور رسولؐ کے ساتھ ہوتا ہے اسے خدا اور رسولؐ کے ساتھ ہی ہونا چاہئے۔ اسے خدا و رسولؐ کی طرح (بلاتشبیہ) ہونا چاہئے یعنی اسے ظل اللہ اور رسولؐ کا پرتو ہونا چاہئے۔ اسلامی حکمران کی حکومت ظل اللہ ہے۔ ظل (سایہ) سے مراد یہ ہے

کہ اس کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی بلکہ وہ صاحب سایہ کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے۔ انسان کا سایہ خود حرکت نہیں کرتا بلکہ جب بھی انسان حرکت کرتا ہے تو اس کے ساتھ سایہ بھی حرکت کرتا ہے۔ ظل اللہ کا مفہوم یہ ہے۔ اسے ظل اللہ کہتے ہیں۔ جسے اسلام نے ظل اللہ قرار دیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کرے بلکہ اسلام کی متابعت میں حرکت کرے۔ اس کی حرکات درست ہوں۔ رسول اللہؐ ایسے ہی تھے۔ آپ ظل اللہ تھے۔ کیا یہ آدمی (رضا خان) بھی ظل اللہ ہے؟ اولی الامر ہے؟ ہمارا ایک بیچارہ گروہ بھی اولوا الامر کے بارے میں اشتباہ وغفلت سے دوچار ہوا ہے۔ ان کی نظر میں یزید بھی اولوا الامر تھا اور یزید کے خلاف قیام کرنے والا واجب القتل تھا۔ یہ بے عقل بے چارے یزید کے مخالفین کو واجب القتل گردانتے ہیں۔ ان کی نظر میں جب قاضی حکم کرے تو وہ شخص واجب القتل ہوتا ہے اس کا عمل مسلمانوں کے مفادات کے برخلاف قیام قرار پاتا ہے اور وہ واجب القتل ہوتا ہے۔

خوب! کتاب وسنت کا کیا کریں؟ ہم نے قرآن کو نہیں پڑھا؟ ہم اسے نہیں پہچانتے؟ ہم قرآن کے طرز فکر کو نہیں سمجھتے؟ ہمیں چاہئے کہ قرآن کو پڑھیں۔ سب سے پہلے یہ پڑھیں کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ ہماری ذمہ داریوں کو معین فرماتا ہے۔ کیا اللہ قرآن میں قصہ گوئی فرماتا ہے؟ کیا وہ صرف داستان سرائی کرنا چاہتا ہے؟ (۲۵۲)

راقم اپنی گفتگو کا نتیجہ یہاں کچھ یوں رقم کرتا ہے:

"خلاصہ یہ کہ انسانوں کیلئے یقیناً ایک منتظم کی ضرورت ہے اور یہ کام کسی ایک شخص یا گروہ کا حق نہیں ہے بلکہ حکومت صرف عوام کے امور کو چلانے کیلئے ہوتی ہے۔ پس صرف وہ شخص حاکم بن سکتا ہے جو اس کام سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہو۔ پس جو شخص اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے انجام دے سکے وہی اولی الامر ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے وگرنہ اسے ہٹانا چاہئے اور اس کی جگہ ایسے آدمی کو رکھنا چاہئے جو اس کام کا اہل ہو۔ چنانچہ صدر اسلام میں انہی لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا جو خلفا کے اطاعت گزار تھے"۔

اولوا الامر وہ ہے جس کا حکم، حکم خدا کے مطابق ہو

ہم نے امامت کی بحث میں "اولوا الامر" کے مفہوم کو بیان کیا ہے، نیز اس بات کو بھی کہ عقل کی رو سے اولوا الامر کون ہیں۔ قارئین وہاں رجوع کریں۔ یہاں دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اگر اولوا

الامر اپنی ذمہ داری ادا کرے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔اس کی اطاعت کا وجوب یا تو قرآن کی اس آیت ﴿أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُم﴾ ۱ سے ماخوذ ہے یا عقل سلیم سے۔

اگر آپ کا مقصود یہ ہے کہ اولوا الامر کی اطاعت کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے اور اولوا الامر سے مراد رضا خان، مصطفیٰ کمال اتاترک اور دیگر سلاطین ہیں تو پھر آپ سے یہ سوال ہے کہ اگر وہ خدا اور رسولؐ کے فرامین کے برخلاف کوئی بات کریں تو پھر ہم خدا اور رسولؐ کی اطاعت کریں یا ان کی بات مانیں؟ ہم ان میں سے جس کی بھی نافرمانی کریں تو کیا وہ خدا کی نافرمانی ہوگی؟ پس بہتر ہے کہ آپ ان لوگوں کی ذمہ داری معین کریں جو اس آیت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ جو کوئی خدا کے فرامین کے خلاف کوئی بات کرے وہ اولوا الامر نہیں اور آپ کیلئے ایسا کہے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں پس ہر وہ حکمران یا خلیفہ جس نے فرمان خدا کے برخلاف کوئی بھی بات کی ہو وہ عقل کی رو سے اولوا الامر ہونے کے قابل نہیں ہے۔صرف وہ شخص اولی الامر ہو سکتا ہے جو اپنی ماموریت کے پورے عرصے میں خدا اور رسولؐ کے حکم کے برخلاف کوئی بات نہ کرے۔

پس اولوا الامر وہی ہے جس کا بازو پکڑ کر پیغمبر اکرمؐ نے ستر ہزار افراد کے اجتماع میں اس کا تعارف کرایا اور وہی اولوا الامر ہے جو آج پردۂ غیبت میں ہے۔رسولؐ نے آج کے دور کے لوگوں کی ذمہ داری کو بھی معین فرمایا ہے۔(۲۵۳)

۱۔سورۂ نساء، آیت ۵۹۔

قرآن میں ائمہؑ کے ناموں کا ذکر

قرآن میں امامت اور ائمہؑ کے ناموں کی عدم تصریح کی وجہ

بعد اس کے کہ عقل وخرد کی روشنی میں اور قرآن کی رو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امامت اسلام کے اصولوں میں سے ایک ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر اس مسلّمہ اصول کا تذکرہ فرمایا ہے، اب ہم اس سوال کا جواب دیں گے کہ خدا نے اماموں کے ناموں کا ذکر شناختی نمبروں کے ساتھ کیوں نہیں فرمایا تا کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہوتا اور اس قدر خونریزی نہ ہوتی؟

اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

ا۔ یہ کہ یہی اعتراض ہو بہو آپ معترض پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ دینداروں کی طرف سے یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر امامت ایک جھوٹا مسئلہ ہے تو خدا نے اس کے جھوٹا ہونے کا اعلان کیوں نہیں فرمایا تا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ ہوتا اور اس مسئلے پر اس قدر خونریزی نہ ہوتی؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ ایک سورت نازل فرماتا کہ علی ابن ابی طالبؑ اور آپؑ کی اولادؑ کو رسول اکرمؐ کے بعد امامت کا منصب حاصل نہیں ہے۔ اس صورت میں یقیناً اختلاف کا خاتمہ ہو جاتا کیونکہ علی ابن ابی طالبؑ جیسا کہ تمام دنیا آپ کو پہچانتی ہے خدا کے حکم سے ایک لحظہ کیلئے بھی انحراف نہیں فرماتے تھے، نیز سب جانتے ہیں کہ آپؑ اقتدار کے بھوکے نہیں تھے لیکن ہم ثابت کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لیا ہوتا تب بھی اختلاف موجود رہتا بلکہ اس طرح مزید خرابیاں پیدا ہوتیں۔

قرآن کا انداز بیان

۲۔ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن بے دینی کے مقابلے میں دینداری کی دعوت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ عظیم آسمانی کتاب عہد جاہلیت کے باطل عقاید ونظریات کا خاتمہ کرنے کیلئے نازل ہوئی تھی۔ اس لئے اس

کتاب کا سروکار جزئیات سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے صرف کلیات کو ہی بیان کرنا چاہئے۔ اللہ نے جزئیات اور خصوصیات کی تشریح کی ذمہ داری پیغمبرؐ پر ڈالی ہے۔ چنانچہ اللہ نے خود اپنا تعارف جو علی ابن ابی طالبؑ کے تعارف سے زیادہ اہم ہے اس طرح سے نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ رہے۔ مثال کے طور پر اس بارے میں کہ بنیادی طور پر اللہ صفات کا حامل ہے یا نہیں اور اگر صفات رکھتا ہے تو کیا اسکی صفات اور ذات ایک ہی چیز ہیں یا ذات وصفات الگ الگ ہیں، نیز کیا اللہ جسم اور مکان کا حامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ان سب امور کے بارے میں مسلمان اختلاف کا شکار ہیں۔ اسی طرح اللہ کے کلام اور ارادہ میں اختلاف ہے کہ وہ حادث ہیں یا قدیم؟ بلکہ اس بارے میں بھی مسلمانوں کے اندر اختلاف ہے کہ اللہ کی صفات قدیم ہیں یا حادث۔ علاوہ ازیں پیغمبرؐ اور خلیفہ کی صفات کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایسے اصول وفروع کم ہیں جن میں مسلمان اختلاف نہ رکھتے ہوں۔ پس بہتر ہے کہ سب مل کر یہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو قرآن میں واضح طور پر کیوں نہیں لکھا تھا کہ لوگ اختلاف کا شکار نہ ہوتے؟

ہم آیندہ صفحات میں واضح کریں گے کہ مسلمانوں کے درمیان تمام امور میں موجود یہ اختلافات یوم سقیفہ کے آثار ہیں۔ اگر سقیفہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کے درمیان آسمانی قوانین کے بارے میں اس قدر اختلافات نہ ہوتے۔

اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے کا خطرہ

۳۔ بالفرض قرآن میں امام کا نام صریحاً لیا جاتا تب بھی اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ ہوتا؟ جو لوگ سالہا سال سے طلب اقتدار کی خاطر پیغمبرؐ کے دین سے چپکے ہوئے تھے اور گروہ بندی میں مصروف تھے ان کا قرآن کے کہنے پر اپنے کاموں سے دست بردار ہونا ممکن نہ تھا وہ ہر حیلے بہانے سے اپنا الّو سیدھا کر لیتے بلکہ شاید اس صورت میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ایسی شکل اختیار کر جاتا جو اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنے پر منتج ہوتا کیونکہ جب اقتدار طلب لوگ یہ دیکھتے کہ اسلام کے بہانے وہ اپنے مقاصد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تو ممکن تھا کہ وہ یکدم ایک اسلام دشمن حزب بنا لیتے۔ اس صورت میں مسلمان قیام کرتے پھر علی ابن ابی طالبؑ اور دیگر دیندار حضرات سکوت کو جائز

نہ سمجھتے۔ چونکہ اسلام کا پودا ابھی نورس تھا اس لئے مسلمانوں کے درمیان اس قسم کا عظیم اختلاف اسلام کی جڑوں کو ہمیشہ کیلئے اکھاڑ پھینکتا اور بچے کھچے اسلام کو بھی باد فنا کے سپرد کر دیتا۔ پس علیؑ کا قرآن میں نام لینا نہ صرف یہ کہ نظریۂ امامت کیلئے نقصان دہ ہوتا بلکہ دین کیلئے بھی نقصان ہوتا۔

قرآن میں تحریف کا خطرہ

۴۔ اگر امام کا نام قرآن میں مذکور ہوتا تو وہ لوگ جو صرف حصول اقتدار اور طلب دنیا کی خاطر اسلام وقرآن سے رابطہ رکھے ہوئے تھے اور قرآن کو اپنے غلط اغراض کا سپر بنائے ہوئے تھے ان کی طرف سے ممکن تھا کہ وہ ان آیات کو قرآن سے نکال لیتے اور کتاب آسمانی میں تحریف کرتے اور قرآن کو ہمیشہ کیلئے دنیا والوں کی نظر سے گرا دیتے، نیز قیامت تک یہ ننگ وعار مسلمانوں اور قرآن کے گلے کا زیور ہوتا اور جو اعتراض مسلمان، یہود و نصاریٰ کی کتابوں پر کرتے ہیں وہی اعتراض خود مسلمانوں پر بھی وارد ہوتا۔

جعلی احادیث گھڑنے کا الزام

۵۔ اگر ہم فرض کریں کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی واقع نہ ہوتا تب بھی مسلمانوں کے درمیان

اختلاف باقی رہتا کیونکہ ممکن تھا کہ وہ اقتدار پرست گروہ جن کا اپنے کرتوتوں سے دست بردار ہونا ممکن نہ تھا فوراً پیغمبرؐ کی طرف سے ایک حدیث گڑھ لیتے اور یہ کہتے (مثلاً) کہ رسولؐ نے رحلت کے قریب فرمایا: ''تمہارا مسئلہ شوریٰ کے حوالے کرتا ہوں کیونکہ علی ابن ابی طالبؑ کو اللہ نے اس منصب سے الگ کر دیا ہے''!۔(۲۵۴)

پیغمبرؐ کو تحریف کا خطرہ تھا

ہم نے اس موضوع کی ابتدا میں ثابت کیا ہے کہ پیغمبرؐ قرآن میں امام کے نام اور تعیین سے خوف کھاتے تھے کہ مبادا لوگ آپؐ کی رحلت کے بعد قرآن کو چھیڑیں یا مسلمانوں کے درمیان اختلاف شدید ہو جائے اور اسلام کا کام تمام ہو جائے۔ یہاں ہم قرآن سے استدلال کرتے ہیں کہ امام کے نام ونشان کا ذکر کرنے میں قرآن نے احتیاط سے کام لیا ہے اور رسولؐ منافقین سے خوف محسوس کرتے تھے۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿یآ اَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسالَتَہُ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾

یہ آیت اہل سنت کے اعتراف کے مطابق اور ان کے ہاں معتبر طرق سے ابوسعید، ابورافع اور ابوہریرہ سے ہونے والی روایت کی رو سے، نیز شیعوں کے اتفاق کی بنا پر غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالبؑ کی امامت کے اعلان کے بارے میں نازل ہوئی اور سورۂ مائدہ سب سے آخر میں نازل شدہ سورت ہے۔ یہ آیت اور اسی سورہ کی آیت ۳: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُم...﴾ حجۃ الوداع یعنی رسولؐ کے آخری سفر حج کے دوران نازل ہوئیں۔ اس آیت اور وفات رسولؐ کے درمیان دو ماہ دس دن سے زیادہ کا فاصلہ نہیں تھا۔ واضح ہے کہ اس وقت تک رسولؐ تمام احکام کی تبلیغ فرما چکے تھے جیسا کہ خود آنحضرتؐ غدیر خم کے خطبے میں فرماتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ تبلیغ امامت سے مربوط تھی اور خدا کا یہ وعدہ فرمانا کہ وہ رسولؐ کو محفوظ رکھے گا اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ اس قسم کی کسی بات کی تبلیغ فرمانا چاہتے تھے ورنہ دیگر احکام کی تبلیغ میں کسی قسم کے خوف یا احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت، مذکورہ قراین وشواہد اور احادیث کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ امامت کے معاملے میں رسولؐ کو لوگوں سے خوف تھا۔ اگر کوئی تاریخ واحادیث کی طرف رجوع کرے تو وہ جان لے گا کہ رسولؐ کا خوف بجا تھا لیکن اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ ضرور اعلان وتبلیغ کریں اور یہ وعدہ کیا کہ رسول کو محفوظ رکھے گا۔ رسولؐ نے بھی تبلیغ فرمائی اور اس سلسلے میں آخری دم تک کوششیں کیں لیکن حزب اختلاف نے کامیاب ہونے نہ دیا۔ (۲۵۵)

علیؑ پر شوریٰ کی رائے قبول کرنے کا الزام

اس مولف (خسروی) نے بغیر کسی مناسبت کے نہج البلاغہ کی ایک عبارت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

''اگر ہم نہج البلاغہ سے استدلال کریں تو خود امام علی علیہ السلام معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگر مہاجرین وانصار پر مشتمل شوریٰ کسی کو امام قرار دیں تو وہی رضائے الٰہی ہے۔[۱]

ہم اسی نہج البلاغہ کے چند جملے یہاں نقل کریں گے تاکہ معلوم ہوجائے کہ علی ابن ابی طالبؑ نے

۱۔ ﴿وَاِنَّمَا الشُّوریٰ لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوا عَلیٰ رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًی عَنْهُ﴾۔ مشورہ مہاجرین وانصار کا حق ہے۔ اگر وہ ایک شخص پر متفق ہوجائیں اور اسے امام کہیں تو اللہ کی خوشنودی اسی میں ہے۔ (نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۶)

معاویہ کو یہ بات اس لئے لکھی تا کہ اس کے خلاف دلیل قائم کریں کیونکہ معاویہ وغیرہ خود اس اصول کو تسلیم کرتے تھے اور خلفا کے دور میں مدتوں تک اس پر عمل پیرا رہے تھے۔ امامؑ کا مقصد یہ فرمانا ہرگز نہ تھا کہ خدا سچ مچ اس امر سے راضی ہے۔

یہاں ہم حضرت علیؑ کی امامت کے حق میں موجود اس قدر احادیث و آیات سے، نیز علی، حسن، حسین اور زہرا (سلام اللہ علیہم اجمعین)، سلمان، مقداد، ابن عباس، ابوذر، عمار، بریدۃ الاسلمی، ابوالہیثم التیہان، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، خزیمۃ بن ثابت ذو الشہادتین، ابی ابن کعب، ابو ایوب انصاری اور دیگر لوگوں رضی اللہ عنہم کے استدلالات سے چشم پوشی کریں گے جو کتاب احتجاج میں موجود ہیں اور شیعہ و سنی طرق سے ثابت ہیں۔ یہاں ہم نہج البلاغہ کے بعض جملے نقل کریں گے جن سے آپ پر عیاں ہو کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے حق کو مغصوب اور خلفا کو باطل و ناحق سمجھتے تھے۔

غصب خلافت پر علیؑ کا تبصرہ

۱۔ اگر کوئی خطبہ شقشقیہ کا صحیح مطالعہ کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ علی علیہ السلام کا خلفا کے بارے میں کیا نقطہ نظر ہے اور آپ نے ان کا ذکر کس طرح کیا ہے۔ حقیقت حال سے آگاہی کیلئے خود خطبہ شقشقیہ کی طرف رجوع ہو۔[۱]

۲۔ خطبہ ۲۱۷ میں فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْتَعِيْنُکَ عَلىٰ قُرَيْشٍ وَمَنْ اَعانَهُمْ فَاِنَّهُمْ قَطَعُوا رَحِمِي وَصَغَّرُوا عَظِيمَ مَنْزِلَتِي وَاَجْمَعُوا عَلىٰ مُنازَعَتِي اَمْراً هُوَ لِي﴾ یعنی، اے اللہ! میں تجھ سے قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کے خلاف مدد کا طالب ہوں کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ قطع رحمی کا مظاہرہ کیا، میرے عظیم مقام کو حقیر سمجھا اور میرا حق چھیننے میں میرے خلاف اکٹھے ہو گئے۔

اس دوران کسی نے کہا: ﴿اِنَّکَ عَلىٰ هٰذا الْاَمْرِ يَابْنَ اَبِي طالِبٍ لَحَرِيصٌ﴾ یعنی، اے فرزند ابوطالب! آپ خلافت کے حریص ہیں۔ فرمایا: ﴿بَلْ اَنْتُمْ وَاللهِ لَاَحْرَصُ وَاِنَّما طَلَبْتُ حَقّاً لِي وَاَنْتُمْ تَحُولُونَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ﴾ یعنی، اللہ کی قسم تم لوگ زیادہ حریص ہو۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے جبکہ تم لوگ میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہوئے ہو۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۔

۳۔ چھٹے خطبے میں فرماتے ہیں: ﴿فَوَاللهِ مازِلْتُ مَدْفُوعاً عَنْ حَقّي مُسْتَأثِراً عَلَيَّ مُنْذُ قَبَضَ اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ حَتّىٰ يَومِ النّاسِ هٰذا﴾ یعنی اللہ کی قسم جب سے اللہ نے اپنے نبیؐ کی روح قبض کی ہے تب سے لے کر آج تک مجھے اپنے حق سے محروم رکھا گیا ہے اور میری جگہ دوسروں کو ترجیح دی گئی ہے۔

۴۔ خطبہ/۱۵۰ میں فرماتے ہیں:

﴿حَتّىٰ إذا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجَعَ قَومٌ عَلىٰ الأعْقابِ وَغالَتْهُمُ السُّبُلُ وَاتَّكَلُوا عَلَى الوَلائِجِ وَوَصَلُوا غَيْرَ الرَّحِمِ وَهَجَرُوا السَّبَبَ الَّذي اُمِرُوا بِمَوَدَّتِهِ وَنَقَلُوا البِناءَ عَنْ رَصِّ أساسِهِ فَبَنَوهُ في غَيْرِ مَوضِعِهِ. مَعادِنُ كُلِّ خَطِيئَةٍ وَأبوابُ كُلِّ ضارِبٍ في غَمْرَةٍ قَدْ مارُوا في الحَيْرَةِ وَذَهَلُوا في السَّكْرَةِ عَلىٰ سُنَّةٍ مِنْ آلِ فِرْعَونَ مِنْ مُنْقَطِعٍ إلَى الدُّنْيا راكِنٍ أوْ مُفارِقٍ لِلدّينِ مُبايِنٍ﴾

یعنی جب پیغمبرؐ نے رحلت فرمائی تو کچھ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے اور انہوں نے ہلاکت کے راستے اختیار کئے، نااہل لوگوں پر اعتماد کیا، غیروں کے ساتھ صلہ برقرار کیا اور اس وسیلے کو ترک کیا جس سے مودت کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ عمارت کو اس کی بنیاد سے ہی الگ کر دیا اور غلط جگہ میں اس کی تعمیر کی جو تمام خطاؤں کے سرچشموں اور جملہ گمراہیوں کے دروازوں سے عبارت ہیں۔ وہ نہایت سرعت سے حیرت و سرگردانی میں غوطہ ور ہوئے اور نشے میں دھت ہو گئے آل فرعون کے طریقے پر۔ یہ لوگ یا تو وہ تھے جو دنیا کے ہو کر رہ گئے اور اسی کی طرف راغب ہوئے یا وہ جو دین کو چھوڑ کر اس سے الگ اور جدا ہو گئے۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی بیعت انجام پا جانے کے بعد ایک خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿لا يُقاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ أحَدٌ... وَلَهُمْ خَصائِصُ حَقِّ الوِلايَةِ وَفِيهِمُ الوَصِيَّةُ وَالوِراثَةُ الآنَ إذْ رَجَعَ الحَقُّ إلىٰ أهْلِهِ وَنُقِلَ إلىٰ مُنْتَقَلِهِ﴾[1] یعنی، اس امت کے کسی فرد کا قیاس آل محمدؐ پر نہیں کیا جا سکتا۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کیلئے ثابت ہیں۔ رسولؐ کی وصیت اور وراثت بھی صرف انہی تک محدود ہے۔ اب حق اپنے حقدار کی طرف لوٹ چکا ہے اور اپنے اصلی مقام کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

یہ امیر المومنین علیہ السلام کے حق کے غصب ہونے کے بارے میں نہج البلاغہ میں آپؑ کے فرمودات کی

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۲۔

۔اب قارئین کرام، معاویہ کے نام امیر المومنین علیہ السلام کے مکتوب کا مطالعہ کریں۔ جس میں اپنے حق کے غصب ہونے پر اس قدر اپنی مظلومیت کا تذکرہ کیا ہے۔ کیا اس مکتوب کے مذکورہ جملے کی تاویل اس کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے کہ یا تو آپؑ نے خود ان لوگوں (معاویہ وغیرہ) کے نظریے اور عقیدے کی بنا پر فرض قائم کر کے ایسا فرمایا ہے یا یہ کہ آپؑ کو اس بات کا خطرہ تھا کہ معاویہ کا غذ کو اپنے فاسد اور ناجائز اغراض و مقاصد کیلئے استعمال کرے گا اور لوگوں کو آپؑ سے بدظن کرے گا۔(۲۵۶)

خلافت علیؑ پر ایک اجمالی نظر

خلفا کے ساتھ امامؑ کے تعاون کی وجہ

علی ابن ابی طالب علیہ السلام جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین بنایا اسلام کے مفادات کے تحفظ کی خاطر بیس سال سے زائد عرصے تک ان لوگوں کے ساتھ نباہتے رہے جو آپؑ کی نظر میں غاصب خلافت تھے! مصالح اسلامی کا تقاضا یہی تھا۔ اگر آپؑ اس زمانے میں مخالفت اور مقابلہ کرتے تو اسلام خطرے میں پڑ جاتا۔(۲۵۷)

خلفا کے ساتھ تعاون

حضرت امیر المومنین علیہ السلام خلفا کے ساتھ تعاون فرماتے تھے کیونکہ وہ بظاہر دینی احکام پر عمل کرتے تھے اس لئے کوئی بحرانی کیفیت نہیں تھی۔(۲۵۸)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی مدتوں تک ملت آپؑ کی قیادت سے محروم رہی لیکن اس کے باوجود آپؑ کنارہ کش نہیں ہوئے بلکہ مسلمانوں کے مفادات کی خاطر آپؑ نے ساتھ دیا۔ آپؑ صبر فرماتے تھے۔ اس دوران کسی چیز کا بالکل اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپؑ مخالفت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ جب ان لوگوں نے اختیارات سنبھال لئے تو اس وقت آپؑ سے مشورہ لیتے تھے۔ آپؑ ان کی رہنمائی فرماتے تھے اور اپنے فرزندوں کو جنگ کیلئے بھیجتے تھے۔(۲۵۹)

خلفا کے ساتھ نماز

حضرت امیر المومنینؑ بیس سال سے زیادہ عرصے تک اسلام کے مصالح عالیہ کے تحفظ کی خاطر ان کی نمازوں میں جاتے رہے کیونکہ ایسی مصلحت آپؑ کے سامنے تھی جو ان مسائل سے کہیں اہم تھی۔(۲۶۰)

حضرت علیؑ کی بیعت

جب آپؑ کی بیعت کی گئی تو باوجود اس کے کہ آپؑ خود کو برحق (امام) سمجھتے تھے آپ نے فرمایا: جاؤ کسی اور کو تلاش کرو کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ کام کے بندے نہیں ہیں لیکن لوگوں نے آپ کے اوپر خوب دباؤ ڈالا اور آپؑ کی بیعت کی۔(۲۶۱)

مثالی اسلامی حکومت کے جلوے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہترین اسلامی حاکم حضرت امیر علیہ السلام تھے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آپؑ کی مدت حکومت نہایت کم رہی۔ ہم تاریخ میں آپؑ کی عملی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ آپؑ کے خطبوں اور خطوط میں آپ کے فرامین کو دیکھتے ہیں، رعایا کے ساتھ آپؑ کے سلوک اور آپ کے ساتھ رعایا کی روش کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان والیوں کے کردار کو دیکھتے ہیں جنہیں آپؑ مختلف علاقوں میں روانہ فرماتے تھے۔ آپ کی حکومت کا دائرہ وسیع تھا۔ حجاز، مصر، ایران، عراق، شام اور یورپ کا کچھ حصہ آپؑ کی قلمرو میں شامل تھے۔ جب آپؑ والی روانہ فرماتے تھے تو انہیں نصیحت فرماتے تھے کہ ان کا طرز

عمل کیسا ہو۔ پھر وہ جس قسم کا طرز عمل اپناتے تھے اور لوگوں کا ان والیوں کے ساتھ جو رویہ تھا وہ سب تاریخ میں ثبت ہیں۔

عدل، زھد، رحم اور غریبوں کی مدد کا مثالی نمونہ

خود امیر المومنین علیہ السلام کا طرز زندگی مشہور و معروف ہے۔ ایک عام آدمی اس قسم کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہاں تک کہ یہ اعتراض ہوا تھا کہ اگر آپ کی زندگی اس قدر سادہ ہے تو پھر آپ اتنے طاقتور کیوں ہیں؟ ایک جگہ فرماتے ہیں: "یہ درخت جو بیابانوں میں اگتے ہیں ان کی لکڑی کی مضبوطی بھی زیادہ ہے اور اس کی آگ بھی زیادہ طاقتور ہے کیونکہ انہیں پانی کم ملتا ہے"۔ ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی زیادہ کھائے، نیز مرغن اور لذیذ غذا کھائے وہ طاقتور انسان بن جائے بلکہ شاید ان میں سے بہت سی غذائیں خصوصاً غیر عادی غذائیں انسان کے اندر سستی اور کمزوری وغیرہ پیدا کرنے کی باعث بنتی ہیں۔ بہرحال جب انسان آپؑ کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ آپؑ کے پاس ایک چمڑا تھا، جیسا کہ نقل ہوا ہے جسے آپؑ رات کو بچھاتے تھے۔ آپؑ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس چمڑے پر سوتے تھے اور دن کے وقت اسی چمڑے کے اوپر اپنے اونٹ

کیلئے گھاس پھوس ڈالتے تھے۔خوراک کے معاملے میں بھی کوئی آپ ؑ کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا۔کوئی ایسا نہیں کرسکتا۔آپ ؑ خود فرماتے ہیں:''تم لوگ ایسا نہیں کرسکتے البتہ تقویٰ اور پرہیزگاری میری متابعت کی کوشش کرو،میری پیروی کرو''آپ ؑ کی حکومت اس قسم کی تھی کہ ایک وسیع وعریض مملکت اور طاقتور فوج کا سربراہ ہونے کے باوجود آپ قانون کے آگے سرتسلیم خم تھے۔

آپ ؑ قانون کے اتنے پابند تھے کہ جب آپ کا اپنا نصب کردہ قاضی ایک مقدمے میں آپ کو طلب کرتا ہے تو آپ ؑ تشریف لے جاتے ہیں۔یہ مقدمہ ایک زرہ کے بارے میں تھا جس پر کسی نے دعویٰ کیا تھا یا آپ نے دعویٰ دائر کیا تھا۔پھر فریق مخالف یہودی بھی تھا اور قاضی کو بھی آپ ؑ نے خود معین کیا تھا لیکن جب وہ بلاتا ہے تو آپ چلے جاتے ہیں۔جب قاضی کہتا ہے:''یااباالحسن''تو آپ ؑ فرماتے ہیں کہ یہ طرز تخاطب درست نہیں۔آپ کو چاہئے کہ مجھے اور اسے ایک ہی نظر سے دیکھیں۔مجھے کنیت کے ساتھ نہ پکاریں جو ایک طرح کا احترام ہے بلکہ''یاعلی''کہیں۔پھر جب قاضی مقدمے کی سماعت کرتا ہے اور حضرت امیر ؑ کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو آپ ؑ اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن یہودی مسلمان ہوجاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا

ہے کہ اسلام یہ ہے۔

لوگوں کے ساتھ آپ ؑ کا رہن سہن،آپ کی وضع زندگی،آپ ؑ کا عدل وانصاف اور فقراء کیلئے آپ کی مدد معروف ہے۔اس کے علاوہ تاریخ کہتی ہے کہ ایسے گھرانے بھی تھے جنہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کب تشریف لائیں گے اور کب ان کیلئے اسباب وسامان لائیں گے۔آپ لے جاتے تھے۔آپ ایک جگہ تشریف لے گئے تو وہاں بچے رو رہے تھے۔آپ نے وہاں پہنچ کر انہیں کھلایا،ان سے اظہار لطف ومہربانی وغیرہ فرمایا۔پھر آپ نے اونٹ کی آواز جیسی آواز نکالنی شروع کی تاکہ بچوں کو ہنسائیں۔فرمایا:''جب میں یہاں آیا تو بچے رو رہے تھے اب جب میں جا رہا ہوں تو میری خواہش ہے کہ بچے ہنسیں''۔یہ ہے وہ اسلامی حاکم جس کی حکومت کی حدیں حجاز سے مصر تک اور ایران سے افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔(۲۶۲)

علی ؑ کا زھد وعدل

آپ اس خیال سے خود بھوکے رہتے ہیں کہ کہیں آپ کی مملکت کے کسی دور دراز گوشے میں کوئی بھوکا

نہ ہو۔[۱] آپ وہی ہیں جو اپنے دارالامارہ کی مسجد اور اپنی مسند قضاوت کے پاس زمین پر بیٹھے ہیں۔ وہ بھی مسجد کوفہ ہے۔ مسجد کوفہ کے ایک کونے میں آپ کی مسند قضاوت موجود تھی۔ آپ وہاں زمین پر بیٹھتے تھے ﴿وَيَاكُلُ كَمَا يَاكُلُ الْعَبِيْدُ وَيَمْشِي كَمَا يَمْشِي الْعَبِيْدُ﴾ [۲] جب آپ کو لباس ملتا ہے تو آپ نیا لباس قنبر کو دیتے ہیں اور پرانا لباس خود رکھتے ہیں اور اس کی لمبی آستین کاٹ لیتے ہیں اور اسی حالت میں اسے پہن کر جاتے ہیں اور خطبہ دیتے ہیں جبکہ آپ کی حکومت (موجودہ) ایرانی حکومت سے دس گنا بڑی تھی۔ (۲۶۳)

بیت المال کے تصرف میں احتیاط

روایت ہے کہ آپ نے اپنے کسی عامل کے نام اپنی تحریر میں لکھا: ''قلم کی نوک باریک رکھو، سطروں کو نزدیک رکھو۔ بے فائدہ چیزوں سے پرہیز کرو''۔[۳] یہ ایک حکم ہے سب کیلئے یعنی ایک حکم ہے ان لوگوں کیلئے جو بیت المال سے مربوط ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنے دور حکومت میں فضول خرچی سے اجتناب کی خاطر اس طرح کا حکم دیتے تھے۔ آپ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ اگر ایک صفحے میں دس سطریں لکھی جا سکتی ہوں تو اس کی جگہ پانچ سطریں لکھی جائیں اور وہ قلم جس کیلئے اس زمانے کی سیاہی استعمال ہوتی تھی اس کی نوک باریک ہوتا کہ خرچ کم ہو۔ غیر ضروری الفاظ نہ لکھے جائیں تا کہ فضول خرچی نہ ہو۔ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ بیت المال کا حساب کر رہے تھے۔ اس وقت ایک چراغ جل رہا تھا۔ اتنے

۱۔ ﴿هَيهَاتَ اَنْ يَغْلِبَنِي هَوَايَ وَيَقُودَنِي جَشَعِي اِلىٰ تَخَيُّرِ الأَطْعِمَةِ وَلَعَلَّ بِالحِجازِ اَوِ اليَمامَةِ مَنْ لا طَمَعَ لَهُ فِي القُرْصِ وَلا عَهْدَ لَهُ بِالشِّبَعِ اَوْ اَبِيتَ مِبْطاناً وَحَولِي بُطُونٌ غَرْثىٰ وَاَكْبادٌ حَرّىٰ﴾ میری خواہشات نفسانی میرے اوپر ہرگز غالب نہیں آ سکتیں اور لالچ مجھے رنگ برنگے کھانوں کی طرف راغب نہیں کر سکتی۔ شاید حجاز یا یمامہ میں کوئی ایسا ہو جسے ایک روٹی کے حصول کی بھی امید نہ ہو اور اس کا شکم کبھی سیر نہ ہوا ہو اور یہ بھی دور کی بات ہے کہ میں پیٹ بھر کر سو جاؤں جبکہ میرے اردگرد ایسے لوگ ہوں جن کے شکم بھوک کی وجہ سے پشت سے چپکے ہوئے ہوں اور ان کے جگر پیاس سے سوکھے ہوں۔

(نہج البلاغہ، مکتوب/۴۵)

۲۔ وہ غلاموں کی طرح کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح راستہ چلتے تھے۔

۳۔ ﴿اَلِقْ دَوَاتَكَ وَاَطِلْ جِلْفَةَ قَلَمِكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ السُّطُورِ وَقَرْمِطْ بَيْنَ الْحُرُوفِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَجْدَرُ بِصَبَاحَةِ الْخَطِّ﴾۔

(نہج البلاغہ، حکمت ۳۱۵، ص ۵۳۰)

میں کوئی آیا جو یہ چاہتا تھا کہ امام کے ساتھ کوئی اور بات کرے۔ آپ نے وہ شمع بجھادی اور فرمایا کہ یہ بیت المال کی ملکیت تھی جبکہ تم کوئی اور بات کرنا چاہتے ہو۔(۲۶۴)

قانون کی حکومت

رسول اللہ ؐ کی حکومت اور امیر المومنین ؑ کی حکومت قانون کی حکومت ہے یعنی اللہ کے قانون نے ان کی تعیین کی ہے۔ وہ قانون الٰہی کی رو سے واجب الاطاعت ہیں۔ پس یہاں قانون خداوندی کی حکمرانی ہے اور اللہ کا قانون حاکم ہے۔(۲۶۵)

معنوی اقدار کی حکومت

صدر اسلام میں دو مختلف زمانوں میں دوبار حقیقی اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ ان میں سے ایک عہد رسول میں اور دوسری اس وقت جب کوفے میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام حکومت فرماتے تھے۔ ان دو حکومتوں کے دوران معنوی اقدار کی حکمرانی تھی۔ یعنی عدل پر مبنی قائم تھی اور حکمران قانون سے بال برابر انحراف نہیں کرتا تھا۔ ان دو زمانوں میں قانون کی حکمرانی تھی۔(۲۶۶)

کمترین سطح زندگی

اسلامی حکومت کے اندر مطلق العنانیت کی گنجائش نہیں جس طرح علی ابن ابی طالب ؑ کی حکومت میں ڈکٹیٹر شپ نہیں تھی۔ یہ عدل پر مبنی حکومت ہوتی ہے۔ اس حکومت میں حاکم کی زندگی دیگر رعایا کی بہ نسبت سخت تر گزرتی ہے۔ عام لوگ امام ؑ کی طرح زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ آپ ؑ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔ آپ ؑ ایک دو لقمے اٹھاتے تھے اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ اس قسم کی حکومت کیا مطلق العنان ہو سکتی ہے؟ وہ مطلق العنانیت کیوں اپنائے؟ یہاں کسی قسم کی عیش و عشرت نہیں جس کیلئے امام عادل مطلق العنانیت اختیار کریں۔(۲۶۷)

عوام کی خادم حکومت

حضرت امیر (سلام اللہ علیہ) جو ہر چیز کے ولی امر تھے کی برحق حکومت عوام کی خدمتگار حکومت تھی۔ آپ حکومت برائے حکومت نہیں چاہتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ لوگ بلاوجہ اطاعت کریں۔ آپ ؑ طاقت کے بل پر حکومت کرنے کے خواہاں نہ تھے۔ آپ لوگوں پر جبر و ظلم نہیں چاہتے تھے کہ لوگ اس ظلم کے باعث

آپ سے متنفر ہوں۔(۲۶۸)

رعایا کے دلوں پر حکومت

حضرت امیرؑ حکم دیتے ہیں کہ جاؤ اور بلاؤ ان لوگوں کو زکات کی خاطر۔ان سے کہو: (بمطابق روایت) کہ تم نے اپنی زکات دی ہے یا نہیں دی؟ اگر وہ کہیں کہ ہم دے چکے ہیں تو لوٹ جاؤ۔[۱] وہ لوگ بھی گڑبڑ نہیں کرتے تھے۔چونکہ حکومت نے اس قسم کی روش اپنائی تھی اور لوگ بھی اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مسئول و ذمہ دار اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتے تھے۔اس لئے وہ گڑبڑ نہیں کرتے تھے اور مالی واجبات کو ادا کرتے تھے،زکات دیتے تھے اور خمس ادا کرتے تھے۔(۲۶۹)

حکام کا عوام سے میل جول

اسلامی حکمران دیگر حکمرانوں کی طرح مثلاً سلاطین اور صدور کے مانند نہیں ہوتا۔اسلامی حکمران وہ ہے جو مدینہ کی اسی چھوٹی سی مسجد میں لوگوں کے درمیان حاضر ہوتا تھا اور لوگوں کی باتیں سنتا تھا۔حکومت کے ارباب بست و کشاد عام لوگوں کی طرح مسجد میں جمع ہوتے تھے۔وہ اسی طرح سے مخلوط ہوتے تھے کہ باہر سے آنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سربراہ مملکت ہے کون سرکاری عہدیدار ہے اور کون عام آدمی ہے۔ان کا لباس عام لوگوں جیسا تھا اور ان کا رہن سہن رعایا کی طرح تھا۔عدل و انصاف پر عملدرآمد کرنے میں ان کی روش یہ تھی کہ اگر معاشرے کا ایک کمزور ترین فرد ملک کے حکمران کے خلاف قاضی کے پاس کوئی دعویٰ دائر کرتا تو قاضی ملک کے مرد اول کو عدالت میں بلاتا تھا اور وہ حاضر ہوتا تھا۔(۲۷۰)

۱۔﴿كانَ يَكْتُبُها لِمَنْ يَسْتَعْمِلُهُ عَلَى الصَّدقاتِ... ثُمَّ امْضِ اِلَيْهِمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقارِ حَتّیٰ تَقُومَ بَيْنَهُمْ فَتُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ وَلا تُخْدِجْ بِالتَّحِيَّةِ لَهُمْ ثُمَّ تَقُولُ: عِبادَ اللّٰهِ! اَرْسَلَنِي اِلَيْكُمْ وَلِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيفَتُهُ لِآخُذَ مِنْكُمْ حَقَّ اللّٰهِ فِي اَمْوالِكُمْ فَهَلْ لِلّٰهِ فِي اَمْوالِكُمْ مِنْ حَقٍّ فَتُؤَدُّوهُ اِلیٰ وَلِيِّهِ فَاِنْ قالَ قائِلٌ لا فَلا تُراجِعْهُ﴾

یہ حکم ان لوگوں کے نام لکھتے تھے جو آپ کی طرف سے زکات جمع کرنے پر مامور تھے۔(پھر لکھتے تھے)...آہستہ اور سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف جاؤ یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ جاؤ تو انہیں سلام کرو اور سلام کہنے میں کوتاہی نہ کرو۔پھر کہو: اے بندگان خدا! مجھے اللہ کے ولی اور خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اموال سے اللہ کا حق وصول کروں تو کیا تمہارے اموال میں اللہ کا کوئی حق (واجب الاداء) ہے تاکہ تم وہ حق، ولی حق کے حوالے کرو؟ پس اگر کوئی کہے: ''نہیں ہے'' تو اسے کچھ نہ کہو۔(نہج البلاغہ، مکتوب/۲۵)

حضرت امیر پر ٹھونسی گئی جنگیں

حضرت امیر علیہ السلام کو اس بات کا موقع نہیں دیا گیا کہ آپ اس طرح سے اپنے جوہر دکھائیں جس طرح دکھانے کا حق ہے یا جس طرح اسلام چاہتا ہے۔ آپ کی ظاہری خلافت وحکومت کی مختصر سی مدت کے دوران تین جنگیں پیش آئیں جوخود مسلمانوں کی طرف سے تھیں۔(۲۷۱)

حکم شرع کی تعمیل اور مصلحت اسلام کیلئے جنگ

حضرت امیرؑ نے جو تین جنگیں لڑی ہیں وہ اصحاب پیغمبرؐ، پیغمبرؐ کے قریب رہنے والوں اور دھوکہ باز تقدس مآبوں کے ساتھ لڑی ہیں۔ یہ اسلام کے مفاد کی خاطر تھا۔ حضرت امیرؑ اسلام کے تابع ہیں۔ اگر اسلام مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حکم دے تو آپ جنگ کرتے ہیں۔ اگر کہے کہ کافروں سے جنگ کرو تو ایسا ہی کرتے ہیں۔

جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے سازش کی کہ اسلام کا جو شگوفہ پھوٹنا چاہتا ہے اسے ختم کردے اور دوسرے گروہ نے اس کے بعد دھوکہ وفریب سے کام لیا تو حضرت امیرؑ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ تلوار اٹھائیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی تین جنگوں میں تلوار چلائیں، یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنگ کریں جو اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اسلام کا نعرہ لگاتے تھے۔ البتہ سب لوگ صدام کی بہ نسبت زیادہ مسلمان تھے۔ آپؑ نے امر خداوندی کی تعمیل اور اسلام کی بنیادوں کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ تین جنگیں لڑیں۔(۲۷۲)

قیام عدل کیلئے نام نہاد مسلمانوں سے جنگ

جس دن مسلمانوں نے کئی بحرانوں سے گزرنے کے بعد امامؑ کی بیعت کی تو اس دن بھی آپ نے اپنا مدعا بیان کیا۔ پہلے اپنی پالیسی بیان کی۔ آپ کی اہم ترین پالیسی یہ تھی کہ "میں تم لوگوں سے وہ کالا دھن بھی لے لوں گا جو تم لوگوں نے مہر کے طور پر اپنی عورتوں کو دیا ہے۔ جب آپ نے یہ آواز بلند کی تو کچھ لوگوں نے دیکھ لیا کہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنا اور رہنا مشکل ہے اور اب وہ سابقہ حالات نہیں رہے۔ پس انہوں نے سازش شروع کردی۔ یوں حضرت امیرؑ نے تین اہم جنگیں لڑیں۔ کس قدر مسلمان مارے گئے؟ کتنے اس طرف سے مارے گئے؟ یہ سب مسلمان تھے۔ وہ فریب خوردہ مسلمان تھے۔ فریق مخالف میں

فریب خوردہ مسلمان تھے اور امامؑ کی طرف ہدایت یافتہ مسلمان تھے لیکن جب فریب خوردہ مسلمان ہدایت یافتہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر اتر آئے تو اس کا جواب بھی تلوار ہے۔ اگر دلائل و براہین سے کام نہ چلے تو اس کا علاج تلوار ہے۔ (۲۷۳)

حقیقی اسلام کی حفاظت کی خاطر جنگ

ان لوگوں کو اس اسلام سے کوئی خوف نہیں تھا جو ان کے مفادات کا محافظ ہو۔ وہ تو علی ابن ابی طالب (علیہ صلوات اللہ وسلامہ) کے اسلام سے خوف کھاتے ہیں۔ اگر اسلام کے یہ دلباختہ شہید اور حقیقی اسلام شناس ان لوگوں کی طرح سوچتے اور گوشہ عزلت وتنہائی میں بیٹھ کر مشغول عبادت ہوتے اور آپ کی دوڑ گھر سے مسجد تک رہتی تو نہ جنگ صفین ہوتی نہ جنگ نہروان پیش آتی نہ جنگ جمل کی نوبت آتی اور نہ ہی مسلمان گروہ در گروہ قتل ہوتے یا شہید ہوتے۔ (۲۷۴)

جنگ صفین

جب معاویہ کو اقتدار مل گیا اور وہ خلفا کی روش سے منحرف ہو گیا، نیز اس نے خلافت کو بادشاہت میں

تبدیل کر لیا تو اس موقع پر امامؑ اس کے خلاف اقدام پر مجبور ہوئے کیونکہ آپ خاموش نہیں رہ سکتے تھے اس لئے کہ شرع وعقل کے اصولوں کی رو سے آپ معاویہ کو ایک دن کیلئے بھی منصب خلافت پر براجمان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کچھ نصیحت کرنے والے اپنی ناآگاہی کی بنا پر امامؑ کو نصیحت کرتے تھے اور کہتے تھے: ''معاویہ کو رہنے دیں یہاں تک کہ آپ کی حکومت وخلافت کی بنیادیں مضبوط ہوں اس کے بعد اسے اپنے موجودہ منصب سے اتار دیں''۔ یہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ اگر آپؑ صبر کرتے تو بعد میں مسلمان اعتراض کرتے اور جب کام پکا ہو جاتا تو پھر اسے معزول کرنا ممکن نہ ہوتا۔

آج بھی شاید کچھ غافل لوگوں کے اذہان میں یہ بات ہو کہ بہتر تھا امامؑ اپنی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے بعد معاویہ کو معزول فرماتے لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے۔ اسی لئے جب آپؑ نے مشاہدہ فرمایا کہ ایک ظالم حکمران حکومت کرنا چاہتا ہے تو آپ کی شرعی ذمہ داری یہ تھی کہ قیام فرماتے اور آپ نے عملاً ایسا ہی کیا۔ (۲۷۵)

غلط لوگوں سے عدم تعاون

آپؑ کی دلیل یہ تھی کہ جو شخص احکام شرع کے برخلاف عمل کرے اور ملک میں ظلم کو روا رکھے میں ایک لحظہ کیلئے بھی اسے حاکم قرار نہیں دے سکتا۔ اگر آپ اسے حاکم قرار دیتے تو یہ اس بات کی دلیل بنتی کہ ایک فاسق بھی ولی امر کی طرف سے حاکم اور والی بن سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت امیرؑ نے یہ بات قبول نہیں کی کہ معاویہ کو ایک دن کیلئے بھی حکومت پر برقرار رکھنے کی اجازت دیں اگرچہ بالفرض اس وقت کچھ مصلحتیں بھی موجود تھیں مثلاً یہ کہ اگر آپ کے قدم مضبوط ہو جاتے تو پھر معاویہ کو ہٹانا ناممکن تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپؑ نے معاویہ کو ایک دن کیلئے بھی اقتدار میں باقی رکھنا گوارا نہ فرمایا۔(۲۷۶)

واقعہ حکمیت اور قرآن کو نیزوں پر چڑھانا

یہ واقعہ قرآن سے مربوط ہے جسے انہوں نے نیزوں پر چڑھایا امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلے میں۔ معاویہ نے امیر المومنینؑ کو قرآن کے بہانے سے شکست دی ورنہ کچھ منٹوں کے بعد یا کچھ گھنٹوں کے بعد بنی امیہ کے سارے آثار مٹ جاتے۔ لیکن انہوں نے حیلہ سے کام لیا اور قرآن لے آئے اور بولے:

''ہم بھی مسلمان اور تم بھی مسلمان ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا الله﴾ یہ رہا قرآن؟''

ادھر یہ بدبخت اور احمق خوارج ہیں جو احمق ہونے کے ساتھ تقدس مآب بھی ہیں۔ ان احمق مقدسوں نے امامؑ کو نہیں پہچانا تھا۔ حضرت امیرؑ نے جس قدر فرمایا کہ جلد بازی نہ کرو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ قرآن، خدائی حَکَم نہیں ہوسکتا، نہیں ہوسکتا، نہیں ہوسکتا۔ لیکن خوارج حضرت امیرؑ کو قتل کرنے پر اتر آئے۔ یہی خوارج جو آپ کے اصحاب تھے، آپ کے انصار تھے۔ ادھر دشمن نے قرآن کو نیزوں پر چڑھایا کہ ﴿اَلْحَكَمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ، اَلْحَكَمُ كِتَابُ الله﴾[۱] امامؑ نے اپنے ان ساتھیوں کو واپس بلایا جو جنگ کر رہے تھے۔ وہ بولے: ''آقا! ہمیں مہلت دیجئے بس ایک گھڑی باقی ہے''۔ آپؑ نے فرمایا: ''یہ لوگ مجھے قتل کر رہے ہیں انہوں نے میرا محاصرہ کرلیا ہے اور تلواریں سونت لی ہیں۔ اگر تم نہ آؤ گے تو مجھے ماریں گے''۔ یوں انہوں نے قرآن کے ذریعے اسلام کو شکست دی۔(۲۷۷)

---

[۱] ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا قرآن ہے، قاضی و ثالث کتاب خدا ہے۔

حکمیت اور قرآن کے ذریعے قرآن کی شکست

قرآن کو نیزوں پر چڑھایا اور یوں امیر المومنین علیہ السلام کو شکست دی۔ آپ ؑ نے جس قدر فرمایا کہ میں قرآن ہوں، میں قرآن ناطق ہوں، میری بات سنو، یہ مکر وحیلہ ہے، لیکن ان بے وقوفوں نے تلواریں سونت لیں اور کہا: اگر آپ واپسی کا حکم نہیں دیتے تو ہم آپ کو قتل کریں گے۔ آپ نے لشکر اسلام کو واپس لوٹایا۔ یوں ان لوگوں نے آپ کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔(۲۷۸)

خوارج کا اعتراض

امیر المومنین علیہ السلام صدر اسلام میں ہر زمانے کے ہر حاکم سے زیادہ مظلوم تھے۔ آپ کو اتنی تکالیف دی گئیں۔ یہی عبادت گزار لوگ آپ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ بولے کہ قرآن کو نیزوں پر چڑھانا چاہئے۔ اگر آپ قبول نہ کریں گے تو ہم ایسا کریں گے۔ انہوں نے امام ؑ کو اپنی بات ماننے پر مجبور کیا اور بعد میں آپ کو کافر قرار دیا اور کہنے لگے: ''توبہ کرو کہ کافر ہو چکے ہو''!(۲۷۹)

خوارج سے جنگ

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی تمامتر عطوفت ورحم دلی کے باوجود جب یہ دیکھا کہ خوارج فاسد اور مفسد عناصر ہیں تو آپ نے تلوار اٹھائی اور ان سب کو سوائے چند فرار ہونے والوں کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۲۸۰)

جنگ نہروان

یوم خوارج یعنی وہ دن جب امیر المومنین علیہ السلام نے تلوار نکالی اور ان فاسد عناصر کو، ان سرطانی غدوں کو کاٹ پھینکا۔ یہ بھی یوم اللہ تھا۔ یہ تقدس مآب لوگ جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے داغ پڑ گئے تھے لیکن وہ اللہ کو نہیں پہچانتے تھے انہی لوگوں نے امیر المومنین ؑ کو قتل کیا۔ ان لوگوں نے امیر المومنین ؑ کے خلاف بغاوت کی۔ یہ لوگ آپ کے لشکر کے ہی آدمی تھے۔ صفین میں رونما ہونے والے واقعات کے باعث ان لوگوں نے آپ کے خلاف قیام کیا۔ امام ؑ نے دیکھا کہ اگر یہ لوگ باقی رہیں تو یہ ملت کو بگاڑ دیں گے اس لئے ان سب کو قتل کر دیا سوائے بعض لوگوں کے جو بھاگ گئے۔ یہ ایک یوم اللہ تھا۔(۲۸۱)

حصۂ پنجم

ائمہؑ کا مقام اور ان کی شخصیت

پہلی فصل: امیر المومنینؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

دوسری فصل: حضرت زہراءؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

تیسری فصل: امام حسینؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

چوتھی فصل: امام زمانؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

امام زمانؑ: اوصاف وخصوصیات

ظہور حجت علیہ السلام

انتظار ظہور: نظریات واعتراضات

امیر المومنینؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

معروفترین سردار، گمنام ترین سپاہی

عام طور پر اگر چہ سپاہی مشہور و معروف ہوں لیکن وہ اس دنیا میں گمنام ہوتے ہیں۔ اسلام کا سب سے معروف اور جانباز سپاہی امیر المومنینؑ ہیں لیکن آپ گمنام ترین سپاہی ہیں۔ کس عرفانی، فلسفی اور سیاسی فکر کے سہارے نیز کس قلم، زبان اور بیان کے ذریعے انسان اس گمنام سپاہی کا تعارف پیش کر سکتا ہے، اسے پہچان سکتا ہے اور اس کا تعارف کروا سکتا ہے؟ (۲۸۲)

اللہ کا بندۂ مطلق

بڑے بڑے عالمی دانشور مولا امیر المومنینؑ کا تعارف پیش کرنا اور دوسروں کو آپ کی پہچان کروانا چاہتے ہیں... ہم کس بساط اور کس سرمائے کے سہارے اس میدان میں اترنا چاہتے ہیں؟ علی ابن ابی طالب کی شخصیت کے بارے میں ہم آپ کی ناشناختہ حقیقت کی بات کریں یا اپنی محجوب و مہجور شناخت کے ذریعے گفتگو کریں؟ حقیقتاً علیؑ کیا ایک دنیوی انسان ہیں جس کے بارے میں دنیا والے گفتگو کریں یا ایک ملکوتی مخلوق ہیں جس کا اندازہ ملکوتیوں کو لگانا چاہئے؟ اہل عرفان اپنی عرفانی عینک کے بغیر اور فلسفی حضرات اپنے محدود علوم کے علاوہ کس چیز کے ذریعے آپ کا تعارف پیش کر سکتے ہیں؟

انہوں نے آپؑ کو کتنا پہچانا ہے جو وہ ہم مہجوروں کو آگاہی دے سکیں؟ دانشوروں، صاحبان کمال، عرفاء اور فلسفیوں نے اپنے تمام کمالات اور گرانقدر علم و دانش کے باوجود حق کے اس جلوۂ تام سے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنے وجود کے حجاب اور اپنی نفسانیت کے محدود آئینے میں حاصل کیا ہے جبکہ مولا کی حقیقت کچھ اور ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ہم اس موضوع کو چھوڑ دیں اور صرف یہ کہیں کہ علی ابن ابی طالبؑ صرف بندۂ خدا تھے۔ یہ آپ کی عظیم ترین خصوصیت ہے جس کا ذکر کیا جا سکتا ہے، نیز یہ کہیں کہ آپ رسول اللہؐ کے

پروردہ اور پیغمبر عظیم الشان ﷺ کے ہاں تربیت یافتہ تھے جو آپ کے سب سے بڑے اور قابل فخر کمالات میں سے ایک ہے۔

کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ بندۂ خدا ہے اور دیگر تمام بندگیوں سے مبرا و جدا ہے سوائے انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے جن کے صف اول میں علیؑ ہیں جو غیر اللہ سے نجات یافتہ و مبرا، محبوب برحق سے متصل اور عظمت کے معدن تک پہنچے ہوئے ہیں؟ کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے بچپن سے لے کر رسول اکرمؐ کی عمر کے آخری حصے تک وحی کے دامن میں تربیت پائی ہے اور اس کا حامل رہا ہے سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے جس کی روح و جان کی گہرائیوں میں وحی اور صاحب وحی کی تربیت رچی بسی ہوئی تھی؟

پس آپ حقیقی معنوں میں عبد خدا ہیں اور آپ نے اللہ کے عظیم ترین بندے کے پاس تربیت پائی ہے۔(۲۸۳)

اسم اعظم کا مظہر اور انسانیت کا نمونہ

بے حساب درود و سلام ہو رسول اعظمؐ پر جس نے اس الٰہی مخلوق کو اپنے دامن میں تربیت دی اور اسے کمال انسانیت کی آخری منزل تک پہنچا دیا۔ درود و سلام ہو ہمارے مولا پر جو انسانیت کا نمونہ اور قرآن ناطق ہیں جس کا نام گرامی ابد تک باقی رہے گا، نیز جو خود انسانیت کیلئے نمونہ اور اسم اعظم کا مظہر ہیں۔(۲۸۴)

حضرت علیؑ، عالم اکبر

حضرت امیر علیہ السلام اپنی معنوی خصوصیات اور حقیقت کی رو سے ایک فرد نہیں تھے بلکہ پورا عالم تھے اور سب کچھ تھے۔(۲۸۵)

بعثت کا عظیم ترین ثمرہ

رسول اللہؐ چاہتے تھے کہ تمام لوگوں کو علی ابن ابی طالبؑ بنائیں لیکن ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اگر بعثت رسولؐ کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوتا سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے اور سوائے امام زمان (سلام اللہ علیہ) کے تو بھی یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ رسولؐ کو صرف اس طرح کے انسان کامل کی تربیت کیلئے بھیجتا تو بھی سزاوار تھا۔(۲۸۶)

وجودِ علیؑ کے حدود و مراتب

جس طرح میں نے قرآن کے بارے میں عرض کیا ہے جیسا کہ روایات میں منقول ہے کہ قرآن مختلف منازل و مراتب میں نازل ہوا ہے اور اس کی کلیات سات یا ستر یا اس سے زیادہ ہیں یہاں تک کہ اب ہمارے ہاتھوں میں ایک تحریر کی شکل میں پہنچا ہے اسی طرح حضرت امیرؑ کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے، رسول اکرمؐ بھی ایسے ہیں۔ وہ کئی مراحل سے گزرے ہیں۔ ہم تک پہنچنے کیلئے وہ تنزل سے روبرو ہوئے ہیں۔ وہ وجود مطلق سے نیچے اترے ہیں۔ وجود جامع سے نیچے اترے ہیں اور اس قدر نیچے آئے ہیں کہ عالم مادہ اور عالم رنگ و بو تک پہنچے ہیں۔ اس مقدس ہستی (علی علیہ السلام) اور اس مقدس ہستی (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اللہ کے بڑے اولیا کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ بنابریں اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ حدیث غدیر نے حضرت امیرؑ کی معنویت یا آپ کی منزلت و خصوصیات میں اضافہ کیا ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس حضرت امیرؑ کی عظمت نے غدیر کو جنم دیا ہے۔ آپ کا بلند مقام ہے جس کے باعث اللہ نے آپؑ کو لوگوں کا حاکم قرار دیا ہے۔ (۲۸۷)

اسمائے الٰہیہ کی برابر خصوصیات کا حامل انسان

میں حضرت امیرؑ کی شخصیت کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اور کون ہے جو آپؑ کے بارے میں کچھ کہہ سکے؟ اس عظیم شخصیت کی مختلف صفات و خصوصیات کو ہماری گفتگو اور بشری اندازوں کے ذریعے بیان کرنا ممکن نہیں۔ جو شخص انسان کامل ہے اور اللہ کے تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے حساب سے ایک ہزار پہلوؤں کا حامل ہونا چاہئے جبکہ ہم ان میں سے ایک کو بھی بیان کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ یہ انسان جو جامع تضادات ہے اور اس کے اندر متضاد صفات جمع ہیں اس کی خصوصیات کے بارے میں کوئی بھی شخص بات نہیں کر سکتا۔ (۲۸۸)

ہمیں ایک ایسے کامل انسان کا پیروکار ہونا چاہئے جس کی ہر خصوصیت کے آگے متخصص لوگ سر تسلیم خم کریں۔ اگر کوئی شخص جملہ خصوصیات میں اور تمام زاویوں سے کسی کی مثال پیش کرنا چاہے تو آپؑ کی ہی مثال دے گا۔

ہزار پہلو شخصیت

زہد کا زاویہ ہو یا علم کا، غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ شفقت کا زاویہ ہو یا جنگ وشجاعت کا، ہر لحاظ سے آپ ہی کی مثال دی جاتی ہے۔ درحقیقت آپ ؑ ہزار پہلو شخصیت ہیں۔ ہمیں ایسے انسان کا ہی تابع وپیرو کار ہونا چاہئے اگر چہ کوئی شخص ہزار میں سے ایک درجہ بھی ان کا شبیہہ نہیں ہوسکتا لیکن اس کے باوجود ہم سے جس قدر ہوسکتا ہے ان کی پیروی کرنی چاہئے کیونکہ وہ اسلام کے ساتھ مخلص تھے اور ان کا سب کچھ اسلام کیلئے تھا۔ (۲۸۹)

اللہ تعالیٰ کے اسم جامع کا مظہر

ہمیں اس بات کا افسوس کرنا چاہئے کہ آپ ؑ کے دور حکومت میں خیانت کاروں کی بڑھکائی ہوئی جنگوں اور جنگ کی آگ بڑھکانے والوں نے اس بات کا موقع نہیں دیا کہ یہ عظیم ہستی اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہو۔ آپ کی عظیم شخصیت بہت ساری خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ ؑ اللہ تعالیٰ کے اسم جامع کے مظہر ہیں۔ اسم جامع تمام اسماوصفات پر محیط ہے۔ اس دنیا اور اس عالم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اس شخصیت (علی علیہ السلام) کے اندر تمام اسماوصفات الٰہی کا ظہور عمل میں آیا ہے۔

آپ کی جو خصوصیات پنہاں اور مخفی ہیں ان کی تعداد ان خصوصیات سے زیادہ ہے جو ظاہر وعیاں ہیں۔ آپ کی جن خصوصیات تک انسان کی رسائی ہوئی ہے یا ہوسکتی ہے ان میں بعض ایسی متضاد اور متناقض صفات ہیں جو ایک ہی انسان کے اندر جمع ہوئی ہیں۔

آپ ایک ایسے انسان ہیں جو ایک زاہد بلکہ عظیم ترین زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ مرد میدان جہاد بلکہ اسلام کا دفاع کرنے والے عظیم ترین مجاہد ہیں۔ یہ متضاد صفات عام انسانوں میں قابل جمع نہیں ہیں۔ عام طور پر جو آدمی زاہد ہوتا ہے وہ مجاہد نہیں ہوتا اور جو مجاہد ہوتا ہے وہ زاہد نہیں ہوتا۔ آپ ؑ اپنی معاشی زندگی میں اس قدر کم خرچ تھے اور خوراک وغیرہ میں اس قدر قناعت فرماتے تھے لیکن اس کے باوجود اس قدر طاقت بازور کھتے تھے۔ یہ بھی ان امور میں سے ایک ہے جن کا باہم جمع ہونا ''اجتماع ضدین'' کہلاتا ہے۔

باوجود اس کے کہ آپ ؑ متعدد علوم کے حامل، نیز معنوی، روحانی اور دیگر اسلامی علوم ومعارف کے مالک تھے اسکے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شعبے کے لوگ آپ کو اپنے مخصوص شعبے کا انسان سمجھتے ہیں۔ پہلوان

لوگ حضرت امیرؑ کو اپنے شعبے کا آدمی سمجھتے ہیں، فلسفی حضرات، حضرت امیرؑ کو اپنے شعبے میں شامل کرتے ہیں، عرفا، حضرت امیرؑ کو اپنا ہم مشرب قرار دیتے ہیں اور فقہا، حضرت امیرؑ کو اپنا گردانتے ہیں۔غرض ہر طبقے کا انسان حضرت امیرؑ کو اپنے حلقے میں شامل سمجھتا ہے جبکہ حضرت امیرؑ کا تعلق سب سے ہے۔آپؑ تمام اوصاف کے حامل ہیں اور تمام کمالات کے مالک ہیں۔(۲۹۰)

متضاد خصوصیات کا مجموعہ

یہ عظیم انسان جوامت کا امام بن گیا اس کی شخصیت وہ شخصیت ہے جس کی مثال اسلام کے اندر ظہور اسلام سے پہلے اور ظہور اسلام کے بعد کہیں نہیں ملتی۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے اپنے اندر متضاد صفات کو جمع کررکھا ہے۔

عام طور پر جو شخص مجاہد ہو وہ عابد نہیں ہوتا، جو شخص قوت بازو رکھتا ہو وہ زاہد نہیں ہوتا، جو شخص تلوار سونت کر نکلتا ہے اور گمراہوں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے وہ اس ہستی کی طرح رحم دل اور مہربان نہیں ہوسکتا۔اس عظیم انسان نے متضاد صفات کو اپنے اندر جمع کر رکھا ہے۔آپ دنوں کو روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ہر رات ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے، نیز تاریخ میں مذکور ہے کہ آپ کی غذا، روٹی اور سرکہ یا زیادہ سے زیادہ زیتوں کے تیل یا نمک سے زائد نہیں ہوتی تھی۔اس کے باوجود آپ کے جسم میں اتنی طاقت تھی کہ تاریخ کی رو سے آپ نے خیبر کے جس دروازے کو اکھاڑ کر کئی ہاتھ دور پھینک دیا تھا اسے چالیس افراد بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔

شمشیر زنی میں آپ کی تلواروں کی یہ حالت تھی کہ اس طرف سے لگنے والی ایک ضربت، مدمقابل کو دونیم کردیتی تھی جبکہ ضربت کھانے والے خود بھی لوہے کا خود یا لوہے کی زرہ میں ملبوس ہوتے تھے بلکہ گاہے وہ دو زرہیں پہنتے تھے۔

جو آدمی روٹی اور سرکے پر گزارہ کرتا تھا اور کثرت سے دنوں کو روزہ رکھتا تھا، نیز روٹی کے چند لقموں اور نمک کے ساتھ یا روٹی اور سرکہ کے ساتھ افطار کرتا تھا اس کے اندر وہ زہد وقناعت بھی ہے اور یہ قوت بازو بھی۔یہ دو متضاد امور کو ایک ہی جگہ جمع کرنے کے مترادف ہے۔

جو شخص اتنا جنگجو ہے کہ بڑے بڑے جنگجوؤں اور بہادروں کو شکست دیتا ہے اور فرماتا ہے: ''اگر تمام

عرب مل کر میرے اوپر حملہ کریں تو بھی میں پیٹھ نہیں پھیروں گا'' یہی شخص رحم وعطوفت میں اس قدر آگے ہے کہ جب ایک یہودی عورت کے پاؤں سے ایک پازیب چھینا جاتا ہے تو فرماتا ہے کہ ''اس سے تو مرنا ہی انسان کیلئے بہتر ہے''۔[۱]

جو شخص عرفان اور مابعد الطبیعیاتی علوم میں اس مقام پر فائز ہے کہ نہج البلاغہ جیسی کتاب اس کے عرفانی مقام ومرتبے کی تصویر کشی کر رہی ہے اس کے باوجود وہی شخص تلوار کھینچ کر کفار اور مفسدوں کو تہہ تیغ کر دیتا ہے۔ ہم لوگ اس قسم کے معجزنما اور اعجوبہ روزگار ہستی کے شیعہ اور پیرو ہیں۔(۲۹۱)

معجزۂ الٰہی

حضرت امیر علیہ السلام کے بارے میں اس قدر کہا گیا ہے اور اس قدر لکھا گیا ہے اس کے باوجود ان کے فضائل کو بیان کرنے کا حق ادا نہیں ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر، اس معجزۂ الٰہی کی ابھی تک شناخت نہیں ہوئی کہ یہ کس قسم کی شخصیت ہے۔

اسلام کے سارے فرقے خاص کر شیعوں کی مختلف جماعتیں آپؑ کو اپنے ساتھ منسوب کرتی ہیں۔ عرفا، حکما، فقہا، فلاسفہ اور مختلف طبقات یہاں تک کہ دراویش اور صوفیا بلکہ وہ لوگ بھی جو اسلام پر اعتقاد نہیں رکھتے، آپؑ کے فرمودات سے استشہاد کرتے ہیں اکھاڑوں میں ایک پہلوان کے طور پر، جنگوں میں ایک مجاہد کے طور پر، مدارس میں ایک گرانقدر فقیہ کی حیثیت سے، غرض آپ جہاں دیکھیں وہاں ہر کسی اور گروہ کے نقطہ نظر سے آپ کی الگ حیثیت ہے لیکن اس کے باوجود جس طریقے سے یہ معمہ حل ہونا چاہئے تھا اس طرح حل نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

۱۔ ﴿وَلَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْأَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالأُخْرَىٰ الْمُعَاهَدَةِ فَيَنْتَزِعُ حِجْلَهَا وَقُلُبَهَا وَقَلَائِدَهَا وَرُعَاثَهَا مَا تَمْتَنِعُ مِنْهُ إِلَّا بِالِاسْتِرْجَاعِ وَالِاسْتِرْحَامِ، فَلَوْ أَنَّ امْرَءاً مُسْلِماً مَاتَ مِنْ بَعْدِ هٰذَا أَسَفاً مَا كَانَ بِهِ مَلُوماً بَلْ كَانَ بِهِ عِنْدِي جَدِيراً﴾ یعنی میں نے سنا ہے کہ ان کا ایک حملہ آور مسلمانوں اور ذمیوں کے گھروں پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے عورتوں کا ہار، کنگن، گوشوارہ اور پازیب ان کی گردن، ہاتھ اور پیر سے اتار کر چھین لیا ہے جبکہ وہ بے چاریاں اس کے آگے فریاد وزاری اور رحم کی درخواست کے علاوہ کچھ نہ کر سکتی تھی! اس واقعے کے بعد اگر کوئی مرد مسلمان غم سے مر جائے تو یہ جائے ملامت نہیں بلکہ میری نظر میں یہ ایک مستحسن امر ہے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷)

یہ بھی ایک معجزہ ہے۔اس کے بارے میں کما حقہ تبصرہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شخص نے اپنے فہم ونظر کے مطابق اس کے بارے میں گفتگو کی ہے جبکہ آپ کی حقیقت ان کے ماورا ہے۔یعنی ہم اس مقام تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے جہاں پہنچ کر ہم ان کی کما حقہ تعریف کرسکیں۔وہ متضاد صفات جو اور لوگوں میں جمع نہیں ہوسکتیں وہ ان کے اندر ہیں۔آپ کے اندر انہی متضاد زاویوں اور صفات کی موجودگی کی وجہ سے ہر کوئی ایک زاوئے کو پکڑ لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آپ اسی سے عبارت ہیں۔

آپ ایک عارفانہ شخصیت کے حامل ہیں اور عرفائے عالم کے سید وسردار ہیں لیکن اس کے باوجود حکومتی امور چلاتے ہیں جبکہ معروف ومشہور عرفا سرے ہی حکومت وغیرہ سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے۔جو شخص جنگوں میں اس قدر سرگرمی دکھاتا تھا، زہد وتقویٰ اور لوگوں سے کنارہ کشی میں اس کی حالت کچھ اور تھی۔ چونکہ مختلف اوصاف وصفات آپ کے اندر جمع تھیں اس لئے ہر کسی نے آپ کے ایک وصف کو اخذ کیا ہے اور یہی سمجھا ہے کہ آپ کی حقیقت یہی ہے۔ابھی تک آپ کا معنوی پہلو کسی کیلئے کشف نہیں ہوا سوائے ان لوگوں کے جو آپ کے ہمدوش ہیں۔(۲۹۲)

رحیم بھی اور منتقم بھی

ہمارے مولا امیر المومنین جو اس عالم کے مثالی انسان اور ہر لحاظ سے کامل انسان تھے، نیز عبادت، زہد وتقویٰ اور رحم ومروت میں اپنی مثال آپ تھے اور مستضعفین کے ساتھ کس قدر رحیم وشفیق تھے لیکن مستکبرین اور سازش کرنے والوں کیلئے شمشیر براں تھے۔آپ نے ایک ہی دن میں، جیسا کہ روایت ہے، بنی قریضہ کے سات سو یہودی تہہ تیغ کئے۔بنی قریضہ اسرائیل کی طرح تھے اور شاید یہ انہی کی نسل سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ عفو وکرم کے موقع پر رحیم ہے لیکن سزا وانتقام کے وقت انتقام لینے والا ہے۔مسلمانوں کا امام بھی ایسا ہی تھا یعنی رحم کے موقع پر رحم دل لیکن سزا دیتے وقت منتقم۔(۲۹۳)

عارف، مجاهد، فقیه اور زاهد

جنگ کے مسئلے میں ہم یہ کہیں گے اور اگر ایسا کہیں تو یہ کوئی زیادہ بعید بات بھی نہیں کہ ان کی تلوار اس وقت سے جب وہ جنگ لڑنے کے قابل ہوئے زندگی کے آخری ایام تک نیام میں نہیں گئی۔رسول اللہ کی تمام جنگوں میں سوائے شاذ ونادر مواقع کے، آپ موجود تھے اور پیش پیش تھے۔رسول خدا کے بعد آپ

جنگی مشیر تھے اگر چہ طویل مدت تک اسلام آپ کے مبارک وجود کی قیادت سے محروم رہا۔ جب لوگوں نے آپ کی بیعت کی تو اسکے بعد بھی اپنی پوری زندگی اندرونی جنگوں میں گزار دی۔ آپ کی روش یہ نہیں تھی کہ چونکہ میں ایک عرفانی شخصیت ہوں اس لئے ایک کونے میں جا کر بیٹھ جاؤں گا اور چونکہ ایک زاہد آدمی ہوں اس لئے مجھے مسلمانوں کے فائدہ ونقصان سے کیا سروکار؟ میں تو آرام سے کنج عافیت میں بیٹھ جاؤں گا۔

پیغمبر ؐ کے بعد سب سے متقی اور سب سے کریم انسان

میں ایک فقیہ ہوں اس لئے فقیہ ہونے کے ناطے میں مسلمانوں کے مسائل سے سروکار نہیں رکھوں گا اور الگ تھلگ بیٹھ جاؤں گا۔ اگر چہ آپ کے اندر یہ جملہ اوصاف موجود تھیں، اعلیٰ درجے کی توحید، اعلیٰ درجے کی معرفت، اعلیٰ درجے کی فقاہت اور اعلیٰ درجے کے جملہ علوم اس کے باوجود جہاد میں بھی اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ مختلف جہات سے یہ مراد ہے کہ آپ کی ایک خصوصیت آپ کو دوسری خصوصیت کے مانع نہیں بنتی تھی۔ جامع الجہات ہونے سے یہ مراد ہے۔ (۲۹۴)

رسول ؐ کے بعد سب سے متقی و کریم انسان

چونکہ علی ؑ، رسول اللہ ؐ کے بعد سب سے زیادہ متقی تھے اس لئے سب سے کریم بھی تھے۔ (۲۹۵)

ظـلُّ الله

ظل سے مراد سایہ ہے۔ سائے کی ہر چیز صاحب سایہ کی وجہ سے ہے۔ سائے کا اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ ظل اللہ وہ شخص ہے جس کی تمام حرکات اللہ کے حکم سے ہوں۔ وہ سائے کے مانند ہوتا ہے۔ وہ کچھ نہیں ہوتا۔ سایہ خود حرکت نہیں کرتا، صاحب سایہ جو بھی حرکت کرے سایہ بھی اسی طرح حرکت کرتا ہے۔ امیر المومنین ؑ ظل اللہ ہیں۔ رسول خدا ؐ بھی ظل اللہ ہیں۔ آپ کی کوئی حرکت اپنی نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (۲۹۶)

چونکہ امیر المومنین ؑ کا پورا وجود رسول اللہ کے اندر فانی ہے اس لئے آپ ظل اللہ ہیں۔ (۲۹۷)

خـدا کا عظیم جلوہ

اگر کوئی حضرت امیر ؑ کی شان میں کوئی قصیدہ کہتا ہے یا کہنا چاہتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کیلئے ہے کیونکہ آپ ؑ اللہ کا عظیم جلوہ ہیں۔ (۲۹۸)

عین اللہ، اذن اللہ اور ید اللہ

رہا صبر باللہ تو اس کے دو مقامات ہیں۔ ایک مقام سالک کا ہے اور دوسرا مقام ان کا جو "محو" کے بعد "صحو" کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ پس دوسرا مقام جو اہل صحو کا ہے وہ مقامات سلوک کو طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے جب یہ فنائے کلی اور "محو مطلق" پر منتہی ہو اور پھر وہ حق تعالیٰ کے لطف و کرم کی بدولت اپنے وجود کی قلمرو میں واپس لوٹے تاکہ گرے پڑے لوگوں کی دستگیری کرے۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کا وجود اور اس کے وجودی کمالات حقانی بن جاتے ہیں اور اس مرحلے میں اس کی تمام حرکات و سکنات اللہ کے ساتھ واقع ہوتی ہیں یعنی وجود حقانی کے ساتھ۔ پس وہ اس مقام پر عین اللہ، اذن اللہ اور ید اللہ بن جاتا ہے۔

﴿عَلِيٌّ عَيْنُ اللهِ وَاُذُنُ اللهِ وَيَدُ الله﴾ (۲۹۹)

کتاب تکوینی کے بسم اللہ کی باء کا نقطہ

کتاب الٰہی کے تمام حقائق فاتحۃ الکتاب میں جمع ہیں اور فاتحۃ الکتاب اپنے جامع وجود کے لحاظ سے ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ کے اندر موجود ہے اور ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ باء ﴿بسم اللہ﴾ میں اور باء اس کے نیچے موجود نقطے میں موجود ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں نقطہ ہوں باء کا"، نیز روایت ہے: "باء کے ذریعے وجود کا ظہور ہوا اور باء کے نقطے کے ذریعے عابد و معبود میں فرق واضح ہوا"۔ (۳۰۰)

ظہور توحید کا باطنی نقطہ

یہ سورۂ شریف (فاتحۃ الکتاب)، ام الکتاب اور قرآنی تعلیمات کی اجمالی صورت ہے۔ چونکہ اس کتاب الٰہی کی جملہ تعلیمات کی برگشت ایک ہی مقصد کی طرف ہوتی ہے جو حقیقت توحید سے عبارت ہے جو تمام نبوتوں کی منزل مقصود اور تمام انبیائے عظامؑ کا آخری ہدف ہے، نیز توحید کے حقائق و اسرار آیت مبارکہ ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ میں پوشیدہ ہے۔ بنابریں یہ آیت شریفہ اللہ کی سب سے بڑی آیت اور کتاب الٰہی کے جملہ مضامین پر محیط ہے جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے چونکہ "باء" توحید کا ظہور اور باء کے نیچے کا نقطہ اس کا باطن ہے اس لئے پوری کتاب ظاہری و باطنی طور پر اس "باء" میں موجود ہے اور انسان کامل یعنی علی علیہ السلام کا مبارک وجود توحید کا باطنی نقطہ ہے۔ کائنات میں رسول ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد اس مبارک وجود سے بڑی کوئی آیت اور نشانی موجود نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے ۔ا(۳۰۱)

روحانیت ومعنویت میں علیؑ ورسولؐ کی وحدت

حقیقت محمدیہؐ وہی حقیقت ہے جو عقل سے لے کر ہیولیٰ تک جملہ عوالم میں جلوہ گر ہوئی ہے اور یہ عالم اس کے ظہور اور تجلی سے عبارت ہے۔ وجود کا ایک ایک ذرہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ یہ حقیقت وہی اسم اعظم ہے جس کی حقیقت خارجی مشیت مطلق سے عبارت ہے اور ہر صاحب حقیقت کی حقیقت اسی کے طفیل وجود میں آتی ہے اور یہ ہر تعین کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کو مشیت کے ذریعے لیکن خود مشیت کو خود اسی کے ذریعے خلق فرمایا۔ یہ وجود جسے محمد بن عبداللہؐ کہا جاتا ہے جو عالم علم الٰہی سے عالم ملک میں نازل ہوا ہے تا کہ عالم طبیعت کے زندان میں مقید لوگوں کو آزاد کرے۔ اس حقیقت کلیہ کا خلاصہ ہے جس کے اندر تمام مراتب وجود اس طرح لپٹے ہوئے ہیں جس طرح عقل تفصیلی، عقل بسیط اجمالی کے اندر لپٹی ہوئی ہے۔ ہمارے آقا ومولا امیر المومنین، مولی الموحدین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ایک خطبے میں مذکور ہے: ﴿أنَا اللَّوحُ، أنَا القَلَمُ، أنَا العَرْشُ، أنَا الكُرسِيُّ، أنَا السَّمٰوٰاتُ السَّبعُ، أنَا نُقطَةُ بَاءِ بِسمِ اللهِ﴾ ۲(یہ اس لئے کہ) علی (سلام اللہ علیہ) روحانی مقام کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ہیں جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ﴿أنَا وَعَلِيٌّ مِنْ شَجَرَةٍ واحِدَةٍ﴾ ۳ نیز فرمایا: ﴿أنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ واحِدٍ﴾ ۴ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں کا نور ایک ہی ہے (علیہما السلام وعلیٰ آلہما)(۳۰۲)

۱۔﴿سَمِعْتُ أبَا الْحَسَنِ يَقُولُ: ... فقالَ: وَأيُّ آيَةٍ أعْظَمُ فِي كِتَابِ اللهِ؟ فقالَ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾۔ بحارالانوار، ج ۹۲، ص ۲۳۸، باب ۲۹، ح ۳۷، ایضاً، ح ۳۹، ۴۰۔

۲۔''میں ہی لوح ہوں، میں ہی قلم ہوں، میں عرش ہوں اور میں کرسی ہوں، میں سات آسمان ہوں اور میں بسم اللہ کے باء کا نقطہ ہوں''۔(بحارالانوار، ج ۲۳، ص ۲۳۰، کتاب الامامۃ، باب انّ مودتہم اجر الرسالہ)

۳۔''میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں''۔(بحار، ج ۱۵، ص ۱۱، تاریخ نبینا، باب بدء خلقہ، ح ۱۲)

۴۔نیز فرمایا: ''میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں''۔(بحار، ج ۱۵، ص ۱۹، ۲۰؛ ج ۲۲، ص ۲۷۸؛ ج ۲۵، ص ۳؛ ج ۲۶، ص ۱۶، ۳۴۹؛ ج ۳۳، ص ۴۸۰؛ نیز ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۹ و ۱۰، باب اول فی سبق نور رسول اللہؐ)۔

نبوت کی خصوصیات کا حامل ہونا

ہمارے شیخ اور معارف الٰہیہ میں ہمارے استاد عارف کامل شاہ آبادی (ادام اللہ ظلہ علی رؤس مریدیہ) فرماتے ہیں: ''اگر علیؑ رسول اللہؐ سے پہلے ظاہر ہوتے تو آپؑ ہی شریعت کو ظاہر کرتے جس طرح نبیؐ نے ظاہر فرمایا اور آپؑ نبی مرسل ہوتے کیونکہ یہ دونوں روحانی اور معنوی وظاہری مقامات کے لحاظ سے ایک ہیں''۔(۳۰۳)

ہمارے نبی کے ساتھ ظاہری اور دیگر انبیاء کے ساتھ باطنی معیت

قدس سرّہ نے کہا: ''ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو کہتی ہے: ''آدم اور دوسرے انبیاء میرے پرچم تلے ہیں'' یہاں اس پرچم رسولؐ کے نیچے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مقام رسولؐ اطلاق مشیت، نیز ابتدائی ہیولائی ولایت جو کلی بھی ہے اور اصلی بھی سے عبارت ہے۔ درحالیکہ دیگر انبیاء کا مقام تقیید مشیت اور ولایت جزئی وتبعی اور ہیولیٰ کی صورت سے عبارت ہے۔ مقیدات مظاہر مطلق ہیں اور جزئیات اس کے نور کے طلوع وظہور کی تجلی گاہ ہیں اسی لئے جملہ انبیاء کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ظہور ہے، نیز انبیاء کی دعوت درحقیقت آنحضرتؐ کی طرف دعوت ہے اسی طرح آنحضرتؐ کی نبوت تمام نبوتوں کی روح اور ان کا باطن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام دیگر انبیاء کے ساتھ باطن میں اور ہمارے رسولؐ کے ساتھ عالم ظاہر میں ہمراہ رہے ہیں یا یہ کہ دیگر انبیاء کے ساتھ پنہان اور ہمارے نبیؐ کے ساتھ بطور آشکار ساتھ رہے ہیں جیسا کہ آپؑ سے مروی ہے۔(۳۰۴)

رسولؐ کے ساتھ عالم غیب میں وحدت اور عالم شہود میں اخوت

یہ دونوں بزرگ ہستیاں (محمدؐ وعلیؑ) جس طرح عالم غیب اور غیب الغیب میں ایک ساتھ تھیں اور ایک تھیں اسی طرح اس دنیا میں آنے کے بعد بھی یہ دونوں آپس میں اخوت وبرادری کے رشتے میں منسلک تھیں اور ایک تھیں۔(۳۰۵)

علمی مقامات میں پیغمبرؐ کا شریک

قَولُهُ علیہ السلام: ﴿فَأَنتَ أَفضَلُ أَمْ جِبرَئِيلُ؟﴾[1]

---

[1] دیکھئے صفحہ ۷۸ تا ۸۱۔

رسول اکرمؐ سے حضرت علیؑ کے سوال: "آپ افضل ہیں یا جبرئیل؟" کی وضاحت:

جان لو کہ مومنین کے آقا اور اصحاب کشف و یقین کے امامؑ کا یہ سوال، نیز آپ کے دیگر اقوال کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے لوگ حقائق سے آشنا ہوں وگرنہ آپؑ تو رسول اللہؐ سے حقائق علوم اور پوشیدہ اسرار کو عالم مثالی و خیالی میں وارد ہونے سے پہلے عالم عقلی اور مرحلہ غیبی میں حاصل کر چکے تھے۔ لفظ و کلام کے سانچے میں ان الفاظ کے ڈھلنے کی بات ہی دور کی ہے، کیونکہ رسول اکرمؐ اور علیؑ دونوں ایک ہی نور سے ہیں اس لئے رسولؐ کے ساتھ آپؑ کی نسبت ولایت کلیہ مطلقہ کے لحاظ سے وہی ہے جو لطیفہ عقلیہ بلکہ لطیفہ روحیہ سرّیہ کی نفس ناطقہ الٰہیہ سے ہے جبکہ رسول اکرمؐ کی دیگر لوگوں کے ساتھ نسبت وہی ہے جو دیگر باطنی و ظاہری قوتوں کی نفس ناطقہ الٰہیہ کے ساتھ ہے۔ پس حضرت رسول اکرمؐ جملہ حقائق غیبی و شہودی کے واحد جامع ہیں اور تمام مراتب کلیہ و جزئیہ کی اصلی بنیاد ہیں۔

اللہ اور نبیؐ کے علم کے شہر کا دروازہ

جس طرح بارگاہ جمع سے فیض نچلے مراحل تک منتقل نہیں ہوتا مگر مراحل عالیہ جو درمیانی واسطہ ہیں سے گزر کر اسی طرح سرّ احمدیؐ کے آسمان سے فیوضات علمیہ اور معارف حقیقیہ مخلوقات کی زمینوں تک نہیں پہنچتیں عمائے علویؑ کے مرحلے سے گزرے بغیر۔ اسی لئے اور بعض دیگر پوشیدہ اسباب کی بنا پر رسول اکرمؐ نے فرمایا: ﴿أنـا مَدِينَةُ العِلْمِ وَعَلِيٌّ بابُها﴾ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

علیؑ جبرئیلؑ کی گفتگو سنتے تھے

مذکورہ باتوں اور ہماری گزارشات کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن کے مطابق علیؑ جبرئیلؑ کی باتوں کو سنتے تھے۔ ان میں سے ایک اصول کافی شریف کی وہ روایت ہے جو "باب عمود" میں مذکور ہے۔ اس طویل حدیث میں مذکور ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَقَدْ سَمِعْتُ جَبْرَئِيلَ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ: يَا مُحَمَّدُ! عَرِّفْهُ أَنَّهُ مُنْتَهِكُ الْحُرْمَةِ...﴾[۱] "قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو چیرا اور انسان کو بنایا کہ میں نے جبرئیلؑ کو رسولؐ سے یہ کہتے ہوئے سنا: اے محمد! علی کو آگاہ کرو کہ تیرے احترام (جو خدا اور رسولؐ ہی کا احترام ہے) کا پردہ چاک ہوگا"۔ (۳۰۶)

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص۲۸۲، کتاب الحجہ، باب ان الائمۃ لم یفعلوا شیئا...، ح۴۔

علم کے ہزار دروازوں کا کھلنا

چونکہ انسان اسم جامع کا آئینہ اور اسم اعظم کا پروردہ ہے اس لئے وہ جملہ تجلیات اسمائیہ کا جامع ہے مجموعی طور پر بھی اور جدا جدا بھی۔ پس جداگانہ طور پر اس کے دل میں اللہ کے ہزار اسمائے کلی کی ہزار تجلیاں ظاہر ہوتی ہیں اور مجموعی طور پر ہر اسم ایک اور اسم سے مل کر یا دو اسماء سے مل کر یا تین اسماء یا دیگر اسما سے مل کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہی حال ان ہزار اسمائے کلی میں ترکیبات اسمائی کے مختلف امکانی مراتب و مراحل کا ہے۔ یعنی یہ کہ ہر ترکیب کے مطابق تجلی کا وقوع ممکن ہے۔ اسی طرح انسان کا دل جوان تجلیات کے قابل ہے خود بھی جملہ اسماء کا مظہر ہے اور اجمالی طور پر ہزار اسماء کا مظہر ہے۔ ایک ساتھ اور الگ الگ ہر ایک کا مظہر ہونے کے لحاظ سے، نیز مراتب جمع میں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے تجلیات مختلف ہوتی ہیں اور یہ کہنا چاہئے کہ اسے شمار کرنا ممکن نہیں ﴿وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوها...﴾[1]

حضرت امیر المومنین ؑ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ؐ نے وفات کے وقت میرے لئے علم کے ایک ہزار دروازے کھولے جن میں سے ہر دروازے سے مزید ایک ہزار دروازے کھل گئے۔ یہ حدیث شاید اشارہ ہو جداگانہ تجلیات کے دروازے کھلنے کی جانب۔(۳۰۷)

علم جم کے مالک

اس بات کا موقع نہیں دیا گیا اور ایسا نہ ہو سکا کہ ہمارے ائمہ ؑ حقائق کو اس طرح سے آشکار فرمائیں جس طرح سے وہ چاہتے تھے۔ یہ بھی بہت زیادہ افسوسناک بات ہے۔ یہ افسوس اس افسوس سے زیادہ شدید ہے۔ یہ کون سا علم ہے جو رسول اکرم ؐ نے اپنی وفات کے وقت حضرت امیر ؑ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا؟ حدیث کی رو سے حضرت امیر ؑ فرماتے ہیں: ''علم کے ایک ہزار دروازے یا ایک ہزار علم، بہر حال جو بھی ہو، مجھے حاصل ہوئے''۔ یہ وہ عام علم نہیں جو ہمارے پاس ہے، فقہا کے پاس ہے، فلسفیوں کے پاس ہے اور عرفا کے پاس ہے۔ وہ علم جس کے بارے میں حضرت امیر ؑ فرماتے ہیں: ''میرے پاس علم کثیر ہے'' ﴿هٰهُنا عِلْماً جَمّاً﴾ لیکن اسے اٹھانے والے نہیں، اس سے مراد علم فقہ نہیں، کیونکہ علم فقہ تو انہوں نے سکھایا ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ اس سے مراد فلسفہ اور ہمارے ہاں رائج علوم بھی

---

[1] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکو گے۔ (سورۂ نحل/۱۸؛ نیز سورۂ ابراہیم/۳۴)

نہیں ہیں۔ یہ مقام افسوس ہے کہ انہیں (ائمہؑ کو) موقع نہیں دیا گیا۔ افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔

اس زمانے میں وہ حاملین علم نہ تھے جن کی ائمہؑ کو طلب تھی۔ وہ علم خود ائمہؑ کے ساتھ آسمانوں میں منتقل ہو گیا اور ہم قیامت تک کف افسوس ملتے رہیں گے کہ ہمیں اس علم میں سے کچھ بھی نہ مل سکا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ علم آج انسانوں کے ہاں اور مسلمانوں کے ہاں رائج علوم میں سے کوئی علم نہ تھا کیونکہ یہ وہ علوم ہیں جن کے حاملین موجود تھے۔ جس علم کے حاملین موجود نہ تھے اس علم کے بارے میں ائمہؑ افسوس فرماتے رہے کہ انہیں اس علم کے حاملین نہ مل سکے جنہیں وہ یہ علم سکھا سکیں۔ اسی طرح ائمہؑ قرآن کی تفسیر بھی نہ کر سکے جو تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ وہ قرآنی معارف کو ہمارے لئے بیان نہ کر سکے۔ یہ وہ افسوسناک باتیں ہیں جنہیں ہم اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے۔ (۳۰۸)

رسولؐ کے بعد بشریت کے معلم

پیغمبر اکرمؐ تمام انسانوں کے معلم ہیں۔ آپؐ کے بعد حضرت امیرؑ بھی تمام بنی نوع بشر کے استاد ہیں۔ وہ دونوں پوری بشریت کے معلم ہیں۔ (۳۰۹)

امیر المومنینؑ کا عرفانی مقام

کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی نماز اور ہماری نمازوں کا فرق اس بات میں ہے کہ امامؑ ﴿وَلا الضَّآلِّين﴾ کے مدّ کو ہماری نسبت زیادہ کھینچ کر پڑھتے تھے؟ یا یہ کہ آپ کی قراءت ہم سے بہتر تھی؟ یا یہ کہ آپ رکوع و سجود اور اذکار و اوراد کو زیادہ طول دیتے تھے؟ یا یہ کہ آپ کو اس لحاظ سے برتری حاصل تھی کہ آپ ہر شب سینکڑوں رکعات نماز پڑھتے تھے؟ کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ سید الساجدینؑ کی مناجات ہماری مناجاتوں جیسی تھی؟ کیا آپ کا سوز و گداز حور العین، ناشپاتی اور انار کیلئے تھا؟ قسم ہے خود ان کی ﴿وَاِنَّهُ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ﴾[۱] کہ اگر سارے انسان مل کر کوشش کریں کہ وہ امیر المومنین کی طرح ایک ﴿لا اِلٰـهَ اِلاَّ الله﴾ پڑھیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ وائے ہو میری اس ناقص معرفت پر جو میں ولایت علیؑ کے بارے میں رکھتا ہوں۔ قسم ہے علی ابن ابی طالبؑ کے مقام کی کہ اگر مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین سوائے حضرت رسول ختمی مرتبتؐ کے جو علیؑ اور غیر علی سب کے مولا ہیں، یہ چاہیں کہ علیؑ کی طرح ایک تکبیر کہیں تو

۱۔ یہ اشارہ ہے سورۂ واقعہ/۸۶ ﴿وَاِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيم﴾ کی طرف۔ ''اگر تم جان لو تو یہ ایک عظیم قسم ہے''۔

وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ان کے دلوں کا حال خود ان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔(۳۱۰)

حقیقت عالم کا مشاہدہ

حضرت مولی الموالی علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿وَاللهِ لَابْنُ أبي طالبِ آنَسُ بِالْمَوتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ أمِّهِ﴾ یعنی قسم ہے اللہ کی کہ ابو طالب کا بیٹا موت سے اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا بچہ اپنی ماں کے پستان سے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مولا نے ولایت کی آنکھوں سے اس عالم کی حقیقت کا مشاہدہ فرمایا ہے۔وہ جوار رحمت ربّ کے مقابلے میں دونوں جہانوں کو قربان کرتا ہے۔اگر بعض خدائی مصلحتیں نہ ہوتیں تو ان کی پاکیزہ ارواح مادیت کے اس تاریک زندان میں ایک لحظہ کیلئے بھی نہ ٹھہرتیں۔محبین اور مجذوبین کیلئے عالم کثرت وظہور میں آمد اور مادی و دنیوی امور میں مشغول ہونا یہاں تک کہ ملکوتی تائیدات بھی ایک طرح سے باعث رنج اور تکلیف دہ ہیں جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔(۳۱۱)

جوار رحمت حق سے جدائی کا غم

مجھے نہیں معلوم کہ میں حضرت امیرؑ کے بارے میں کہاں سے گفتگو کا آغاز کروں؟ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے انسان سمجھ سکے۔کیا وجہ ہے کہ آپؑ اس قدر گریہ و نالہ کرتے تھے؟ آپ سے مروی دعاؤں میں اس قدر نالہ و فریاد کیوں ہے؟ کیا امیر المومنینؑ اس لئے گریہ و نالہ فرماتے تھے کہ آپ کی توجہ دنیا کی طرف تھی اور آپ مقام وحدت کو چھوڑ کر مقام کثرت پر اتر آئے تھے؟ آپ کے اس قدر نالہ و فریاد کی وجہ کیا عالم کثرت کی طرف توجہ تھی؟ رات کے وقت آپ کا گریہ، کنوؤں کے اندر آپ کا گریہ اور خدا کے ساتھ راز و نیاز کے دوران آپ کی آہ و بکا کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! تو نے مجھے اپنے جوار سے نکال کر عالم کثرت میں ڈال دیا ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ سے مروی ہے: ﴿لَيُغانُ عَلىٰ قَلْبِي وَإنّي لَأسْتَغْفِرُ اللهَ في كُلِّ يَومٍ سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ ''میرے دل پر غبار سا چھا جاتا ہے اور بہ تحقیق میں روزانہ ستر بار اللہ سے طلب مغفرت کرتا ہوں''۔

یہاں ﴿يُغانُ علىٰ قَلْبِي﴾ سے مراد کیا یہ ہے کہ ویسے ہی ایک غبار سا چھا جاتا تھا؟ یا اس سے مراد یہی عالم کثرت کی طرف رجوع ہے؟ اگرچہ یہ عالم طبیعت ان کی نظر میں جلوہ خدا ہے لیکن اس کے باوجود اس غیر

نہج البلاغہ، خطبہ/۵۔

اللہ کی طرف باطنی توجہ کی وجہ سے وہ نالہ وفریاد کرتے ہیں۔ ہم اس مسئلے کو درک نہیں کر سکتے۔ (۳۱۲)

اللہ کی طرف مکمل توجہ

حضرت مولا علیؑ کے بارے میں معروف ہے کہ آپ کے پائے مبارک میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا جسے باہر نکالنے کی تاب نہیں تھی۔ اسے دوران نماز باہر نکالا گیا اور آپؑ کو سرے سے محسوس ہی نہیں ہوا۔ (۳۱۳)

سب سے زیادہ عابد ومتواضع انسان

بقول نبیؐ خندق کے دن مولا کی ایک ضربت تمام جنوں اور انسانوں کی عبادت سے بہتر ہے۔[۱] اسی طرح علی ابن الحسینؑ سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے لیکن اس قدر زیادہ عبادت وریاضت کے باوجود آپؑ امام علیؑ کی جیسی عبادت سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتے تھے۔[۲] آپؑ سے زیادہ عجز وخضوع اور قصور وکوتاہی کا اظہار فرماتے تھے۔ (۳۱۴)

راہ سلوک کے خضرؑ

علیؑ صراط مستقیم[۳] اور مومنین کی نماز ہیں۔ آپؑ راہ سلوک کے خضرؑ ہیں۔ خضرؑ کی رہنمائی کے بغیر اس راستے پر مت چلو۔ (۳۱۵)

مومنین کی نماز اور روزہ

حدیث میں مذکور ہے کہ علی علیہ السلام مومنین کی نماز اور ان کا روزہ ہیں۔[۴] (۳۱۶)

۱۔ ﴿لَضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ خَيْرٌ مِنْ عِبادَةِ الثَّقَلَيْنِ﴾۔ بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۲، تاریخ امیر المومنینؑ، باب ۷۰، ح ۱۔

۲۔ ﴿مَنْ يَقْوىٰ عَلىٰ عِبادَةِ عَلِيِّ ابْنِ أَبي طالب؟﴾ ''علی کی عبادت کس کے بس کی بات ہے؟''۔
بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۷۵، تاریخ علی بن الحسین، باب ۵، ح ۶۵۔

۳۔ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۳۶۳۔۳۷۵، تاریخ امیر المومنینؑ، باب ۱۶۔ ایک روایت یہ ہے: بالاسانید الیٰ جعفر بن محمدؑ قال: ﴿أوحَى اللّٰهُ تعالىٰ الىٰ نَبِيِّهِ: فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلىٰ صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ. فقالَ: الهي ما الصِّراطُ الْمُسْتَقِيمُ؟ قالَ: وَلايَةُ عَلِيِّ ابْنِ أَبي طالب. فَعَلِيٌّ هُوَ الصِّراطُ الْمُسْتَقِيمُ﴾۔ (سابقہ ماخذ، ص ۳۶۵، ح ۹)

۴۔ داود بن کثیر سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہؑ سے عرض کیا: کیا آپ لوگ قرآن والی نماز، زکات اور حج ہیں؟ فرمایا:
﴿يا داوودُ! نَحْنُ الصَّلاةُ في كِتابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَنَحْنُ الزَّكاةُ وَنَحْنُ الصِّيامُ وَنَحْنُ الْحَجُّ﴾ <--

باب وحی اور امین وحی

یہ وہ دن ہے جب علی ابن ابی طالب سلام اللہ علیہ جو باب وحی اور امین وحی تھے پیدا ہوئے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اس عظیم مولود کی ولادت کی بدولت قرآن کریم اور سنت رسول اکرمؐ کو مفسر مل گیا۔ اس مولود کی برکت سے وحی اور اسلام کی پشت مضبوط ہوئی۔ اس عظیم مولود کے طفیل بعثت کا اتمام ہوا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وحی وتفسیر کا دروازہ کھل گیا اور آپ کی بدولت بقائے وحی کا سامان پیدا ہو گیا۔ میں تمام حضرات اور پوری ملت کی خدمت میں اس دن کی مبارک باد پیش کرتا ہوں جو روز بعثت بھی ہے، روز ولایت بھی، نیز روز نبوت بھی اور روز امامت بھی۔ (۳۱۷)

حقیقت قرآن کا حامل

جو اس قرآن کو اٹھانے کی سکت رکھتا ہے وہ اللہ کے ولی مطلق علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات ہے۔ دوسرے اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے مگر یہ کہ قرآن عالم غیب سے مقام شہود پر اتر آئے اور اس عالم رنگ بو کے رنگ میں ڈھل کر الفاظ و حروف کی شکل اختیار کرے۔ (۳۱۸)

قلب خالص کا مالک

حضرت امیر علیہ السلام جو کچھ فرماتے تھے وہ قلب الٰہی کے سرچشمے سے ماخوذ ہوتا تھا۔ ﴿ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَومَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ ...﴾ کا مقصد یہ نہیں کہ پورا کفر پورے اسلام کے مقابلے میں اترا تھا۔ ایسا نہیں تھا۔ اگر ہم فرض کریں کہ حضرت امیرؑ کے علاوہ کوئی اور شخص یہی ضرب لگاتا اور یہی شکست دیتا تو بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ اس ضربت کی کوئی اہمیت ہوتی کہاں یہ کہ اس کی فضیلت انبیاء کی نماز سے بھی زیادہ ہوتی۔ یہ وہ ضربت تھی جس کا سرچشمہ امیر المومنینؑ کی روح تھی۔ آپؑ جس دن بھی کوئی ضرب لگاتے تھے اس کی فضیلت سب سے زیادہ تھی کیونکہ آپ کا دل خدائی دل تھا۔ آپ کا دل وہ تھا جس میں غیر اللہ کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ وہ ضربت جس کا سرچشمہ اس قسم کا دل ہو اور وہ فیصلہ جو اس دل سے صادر ہو اس کی قدر و قیمت وہی ہوگی جس کا ذکر رسول اکرمؐ نے فرمایا یعنی اس عالم میں واقع ہونے والی ہر

۷۔ ''قرآن والی نماز ہم ہیں، ہم ہی زکات ہیں، ہم ہی روزہ ہیں اور ہم ہی حج ہیں''۔ (بحار، ج ۲۴، ص ۳۰۳، کتاب الامامۃ، باب انہم الصلاۃ والزکاۃ، ح ۱۴)

چیز سے زیادہ۔(۳۱۹)

عمل صرف خدا کیلئے

جنہوں نے اللہ کو پالیا اور جو اللہ کے عشق میں مبتلا ہو گئے ان کا مقصود صرف اللہ ہوتا ہے۔ جب مقصد یہ ہو تو ان کے سارے اعمال خدائی والٰہی بن جاتے ہیں۔ ان کی جنگ، ان کی صلح، ان کا تلوار چلانا، لڑنا، غرض ان کا ہر عمل ﴿ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبادَةِ الثَّقَلَيْنِ﴾ کی تصویر ہوگا۔

اگر مقصد خدا نہ ہو اور ارادۂ خدائی نہ ہو تو اس عمل سے اگر چہ کوئی عظیم فتح حاصل ہو لیکن اس کی ذرہ برابر اہمیت نہ ہوگی۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اولیائے الٰہی خصوصاً اللہ کے ولی اعظم (علیہ وعلیٰ اولادہ الصلوات والسلام) کا مقام و مرتبہ یہیں پر ختم ہوتا ہے۔ قلم میں اتنی جرأت نہیں کہ اس سے آگے بڑھے اور بیان میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کی شرح بیان کرے۔ ہم جیسے محجوب لوگ محجوبوں کے ساتھ کیا گفتگو کریں؟ ہم نے سمجھا ہی کیا ہے جو ہم کچھ کہہ سکیں؟ جو حقیقت ہے اسے ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ہمارے افق وجود سے بالا و برتر ہے۔(۳۲۰)

ذاتیات سے عمل کی تطہیر

علی علیہ السلام اور آپ کی آل پاک علیہم السلام کی شان میں سورۂ ﴿هَلْ أَتىٰ﴾ کی متعدد آیات کا نزول چند روٹیوں کی قربانی کے باعث نہیں تھا بلکہ یہ ان کی باطنی خصوصیات اور اس عمل کی نورانیت کے باعث تھا۔ چنانچہ ایک آیت شریفہ میں اس کی طرف یوں اشارہ ہوا ہے: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾[۱]

اسی طرح علی علیہ السلام کی ایک ضربت کا ثقلین کی عبادت سے بہتر قرار پانا بھی اس عمل کی ظاہری و دنیوی شکل و صورت کی بنا پر نہیں تھا کہ کوئی اور اسی قسم کی ضربت لگاتا تو وہ بھی آپ کی ضربت کی طرح ثقلین کی عبادت سے بہتر ہوتی۔ اگر چہ کفر و اسلام کے مقابلے کی وجہ سے اس عمل کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ اگر یہ ضربت نہ ہوتی تو خطرہ تھا کہ لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر جائے لیکن آپ ؑ کے عمل کی حقیقی اور اصلی اہمیت وفضیلت کی وجہ اس الٰہی عمل کی انجام دہی کے وقت آپ کا اخلاص تھا اور آپ کا حضور قلب۔ اسی لئے مروی

۱۔ ہم صرف رضائے الٰہی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں اور تم سے کسی پاداش اور سپاسگزاری کے طالب نہیں۔(سورۂ دہر/۹)

ہے کہ جب ایک ملعون کی گستاخانہ حرکت کی وجہ سے آپ غضبناک ہوئے تو آپ نے اسے قتل کرنے سے احتراز کیا۔[۱] تا کہ عمل میں ذاتی جذبات وخواہشات کا کوئی شائبہ نہ رہے، اگر چہ اللہ کے اس ولی مطلق کا غصہ بھی خدا کی خاطر تھا لیکن آپ نے اس کے باوجود اپنے عمل کو عالم کثرت کی طرف توجہ سے بھی خالص فرمایا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے اندر فانی کر دیا۔ یوں یہ عمل حق تعالیٰ کا عمل قرار پایا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے عمل کی قدر و قیمت کو معین کرنا ممکن نہیں اور اس کا مقایسہ کسی اور عمل سے نہیں ہوسکتا۔ (۳۲۱)

روایت ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام نے ایک دشمن کو شکست دی اور اس نے امیر المومنین علیہ السلام کی طرف تھوکا تو آپ نے اسے صاف کیا اور چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ اسے قتل کرنے کیلئے واپس لوٹے۔ اس بارے میں آپ سے سوال ہوا تو فرمایا: ''مجھے خوف ہوا کہ کہیں میرے عمل کا اخلاص ختم نہ ہو جائے اور میرا عمل اس لئے ہو کہ اس نے میری اہانت کی ہے''۔ یہ اس ہستی کی اہانت تھی جس کی اہانت کرنے والا واجب القتل ہے۔ جو کوئی رسول خدا ؐ کی اہانت کرے وہ واجب القتل ہے اسی طرح جو کوئی ائمہ ؑ خدا کی اہانت کرے وہ بھی واجب القتل ہے لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ آپ خود تھے اور یہ آپ کا اپنا حق تھا اور آپ چاہتے تھے کہ آپ کا عمل خالص ہو اس لئے آپ نے صبر کیا تا کہ کہیں آپ کے ارادے اور نیت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ (۳۲۲)

خالص ایمان، ارادہ اور روحانیت

آپ لوگ اس شخص کے شیعہ ہیں جو یہ کہتا تھا: اگر پوری دنیا میرے مقابلے میں آجائے تب بھی میں تن تنہا اس کا مقابلہ کروں گا۔ یہ ایمان کی طاقت ہے جو آپ کو ہر چیز کے مقابلے میں لا کھڑا کرتی ہے۔ یہ آپ کے اخلاص اور معنوی طاقت کی بدولت ہے۔ آپ لوگ بھی اس (امام) کے شیعہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ امام ؑ کی روحانیت، آپ کے خداداد علوم اور آپ کی روح پاک میں اللہ کی طرف سے پھونکی گئی نفحات الہیہ سے ہمیں بھی کچھ نہ کچھ فیض عطا ہوگا۔ (۳۲۳)

۱۔ اشارہ ہے جنگ خندق کی طرف جب علی علیہ السلام نے مشہور عرب پہلوان عمرو بن عبدود کو شکست دی اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس نے آپ کی شان میں بے ادبی کی۔

روح الٰہی

علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہ شخصیت تھے کہ اگر پوری دنیا کافر ہو جاتی تب بھی آپ کے ایمان اور آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آتی سوائے افسوس کھانے کے کہ یہ لوگ کیوں غلط کام کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کے عمل میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ جس وقت آپ خانہ نشین تھے اس وقت بھی آپ کی روحانی حالت وہی تھی جو ایک وسیع و عریض خلافت کے دوران تھی جبکہ ایران آپ کی قلمرو کا ایک حصہ تھا۔ اسی طرح مصر و حجاز اور یورپ کا کچھ حصہ بھی آپ کے زیر نگین تھے۔ اس وقت آپ یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ اس نئی حیثیت کی وجہ سے میں کچھ بن گیا ہوں۔ آپ کے اندر ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی کیونکہ آپ کی روح خدائی تھی۔ جو روح خدائی ہو اس کی نظر میں تھوڑی طاقت، افراد اور اطاعت گزار افراد کی کثرت یکساں ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس کی روحانی کیفیت یکساں رہتی ہے۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ عدل وانصاف کرے۔ وہ مٹھی بھر افراد کے ساتھ بھی عدل سے کام لے سکتا ہے اور اگر ہو سکے تو ہر جگہ عدل کے حدود کو پھیلا سکتا ہے۔ (۳۲۴)

عدل مطلق اور عدل الٰہی کا مظہر

آج وہ دن ہے جب دنیا میں عدل کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ وہ دن ہے جب امیر المومنین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ ہر قسم کے عدل کا مظہر اور اعجوبہ عالم ہیں۔ ابتدائے عالم سے لے کر ابد تک رسول اکرمؐ کے علاوہ کوئی شخص مرتبہ و مقام میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا... آج کے دن عدل خداوندی کا مظہر اور عدالت انسانی کا پرتو پیدا ہوا ہے۔ (۳۲۵)

عدل مطلق کی ولادت

مولا علی علیہ السلام کی ولادت دراصل عدل مطلق اور رحمت الٰہی کی ولادت ہے۔ عدل الٰہی علی ابن ابی طالبؑ کی تابناک صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ (۳۲۶)

ظلم کے خلاف جہاد کا مظہر

حضرت امیر علیہ السلام قسم کھاتے ہیں کہ اگر تمام اقالیم عالم مجھے دیدیئے جائیں تاکہ میں اتنا سا ظلم کروں کہ کسی چیونٹی کے منہ سے کوئی چیز چھین لوں تب بھی میں یہ ظلم نہیں کروں گا۔[۱] (۳۲۷)

۱۔ ﴿وَاللّٰهِ لَوْ اُعْطِيْتُ الْاَقَالِيْمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ اَفْلَاكِهَا عَلٰى اَنْ اَعْصِيَ اللّٰهَ فِي نَمْلَةٍ اَسْلُبُهَا جُلْبَ شَعِيْرَةٍ —>

نہج البلاغہ علیؑ کی روح کا پرتو

نہج البلاغہ وہ کتاب ہے جو آپ کی روح سے نازل ہوئی ہے۔ اس کتاب کا مقصد ہم لوگوں کی تربیت و تعلیم ہے جو ذاتیات، انانیت، خود پرستی اور خود بینی کے گرداب اور حجاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ ایک معجون ہے علاج کی خاطر۔ یہ انفرادی و اجتماعی امراض کیلئے ایک مرہم ہے۔ یہ اتنے پہلوؤں پر مشتمل ایک مجموعہ ہے جتنے پہلو ایک انسان یا ایک عظیم انسانی معاشرے کے ہو سکتے ہیں خواہ اس کتاب کے صدور کے بعد تاریخ جس قدر آگے بڑھتی چلی جائے جس قدر نت نئے معاشرے وجود میں آتے جائیں، جس قدر حکومتیں اور ملتیں بنتی جائیں، نیز جس قدر صاحبان فکر، فلسفی اور محققین دنیا میں آئیں اور اس میں غور کریں اور غوطہ ور ہوں۔ دنیا کے اہل فلسفہ و حکمت آئیں اور اس کتاب کے خطبہ اول کے جملوں پر تحقیق کریں اور اپنے بلند پایہ افکار سے کام لیں، نیز صاحبان معرفت اور ارباب عرفان کی مدد سے اس ایک مختصر سی عبارت کی تفسیر کریں اور اپنے ضمیر کو اس کی حقیقی شناخت سے مطمئن کریں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اس میدان کے بیانات کے تاخت و تاز سے فریب نہ کھائیں اور اپنے ضمیر کو صحیح فہم کے بغیر دھوکہ نہ دیں اور کہے بغیر نہ گزر جائیں تاکہ فرزند وحی کے میدان فکر کا اندازہ لگا سکیں، نیز اپنے اور دوسروں کی بے بساطی کا اعتراف کر لیں۔

وہ جملہ یہ ہے: ﴿مَعَ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ وَغَيْرُ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُزَايَلَةٍ﴾[1] یہ اور اس قسم کے جملے جو اہل بیت وحیؑ کے کلام میں نظر آتے ہیں درحقیقت کلام خداوندی کی تفسیر ہے جو سورۂ حدید میں ہے اور آخری زمانے کے مفکرین کیلئے ہیں: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾[2] (۳۲۸)

﴿مَا فَعَلْتُهُ﴾

''اللہ کی قسم اگر مجھے سات کے سات عالم دے دئے جائیں ان چیزوں کے ساتھ جو ان کے آسمانوں کے نیچے موجود ہیں تاکہ میں کسی چیونٹی سے گندم کا چھلکا چھین کر اللہ کی نافرمانی کروں تب بھی میں یہ کام انجام نہ دوں گا۔

(نہج البلاغہ، خطبہ/۲۱۵)

۱۔ وہ ہر چیز کے ساتھ ہے مگر مقارنت و ہمنشینی کے بغیر۔ وہ ہر چیز سے الگ ہے لیکن جدائی اور دوری کے بغیر۔

(نہج البلاغہ، خطبہ/۱)

۲۔ تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(سورۂ حدید/۴)

عشق ربانی اور معرفت الٰہی کا حیرت انگیز خزینہ

آپؑ کے بعض کمالات جو شاید قدرے پوشیدہ رہے ہوں آپ کی دعاؤں سے معلوم ہوتے ہیں۔ دعائے کمیل ایک عجیب دعا ہے بہت ہی عجیب۔ دعائے کمیل کے بعض جملے ایسے ہیں جو عام انسانوں سے صادر نہیں ہو سکتے ﴿اِلٰهِي وَسَيِّدِي وَمَولاَيَ وَرَبِّي صَبَرْتُ عَلىٰ عَذابِکَ فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلىٰ فِراقِکَ؟﴾ ایسا کون کہہ سکتا ہے؟ کون جمال پروردگار کا اتنا عاشق ہے کہ وہ جہنم سے تو نہیں ڈرتا لیکن اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر وہ وارد جہنم ہو تو اپنے مقام سے تنزل پا کر اس مرتبے کو پہنچ جائے گا جہاں وہ عشق خدا سے محروم ہوگا؟

آپؑ فراق پروردگار کے خوف سے نالہ و فریاد کرتے ہیں۔

یہ وہ عشق ہے جو آپؑ کے دل کے باطن میں ہمیشہ شعلہ ور ہے۔ آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس عشق کی وجہ سے کرتے ہیں، اس عشق الٰہی کی بنا پر ایسا ہوتا ہے۔ اعمال کی قدر و قیمت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے والے اس عشق و محبت پر ہے، اس فنا اور جذبہ توحید پر ہے جو انسان کے اندر موجود ہیں۔ اسی وجہ سے خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے بہتر ہے ﴿ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَومَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبادَةِ الثَّقَلَين﴾۔ فرض کریں کہ کسی اور نے اسلام کے دفاع کی خاطر یہ ضربت لگائی تھی لیکن عشق کی بنا پر نہیں تو اگر چہ اس کی یہ ضربت ترویج اسلام کی موجب بنتی لیکن چونکہ اس عمل کی بنیاد عشق پر استوار نہ ہوتی اس لئے ثقلین کی عبادت سے بہتر نہ ہوتی۔

اعمال کے مقاصد کا تعلق دل اور روح کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ ظاہری صورت کے ساتھ۔ تلوار کی وار عبارت ہے ہاتھ کو نیچے کی طرف حرکت دینے اور کسی کافر کا مارنے سے۔ ہاتھ کو اس طرح سے نیچے کی طرف حرکت دینا اور کافر کو قتل کرنا بہت سے لوگوں کیلئے ممکن ہے لیکن گاہے اس عمل کا کوئی ثواب نہیں ہوتا، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور گاہے اس کی اتنی قدر و قیمت ہوتی ہے کہ جو ثقلین کی عبادت سے افضل قرار پاتی ہے۔ اس کا دارومدار اس کے دل میں پوشیدہ عشق اور جذبہ توحید پر ہے۔ اس افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہاتھ اس کا ہاتھ نہیں اور وہ آنکھ اس کی آنکھ نہیں بلکہ ہاتھ اللہ کا ہے اور آنکھ اللہ کی۔ ہم اسے زبان سے تو دہراتے ہیں لیکن اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ ہم اس کی تصدیق تو کرتے ہیں کہ ایسا ہے لیکن اس کا تصور

واور اک نہیں کر سکتے کہ حقیقت حال کیا ہے۔(۳۲۹)

نہج البلاغہ اور مولا کی دعائیں آپ کی عظمت کی نشانی

جس کسی نے آپ کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہو اور نہج البلاغہ کا جائزہ لیا ہو وہ جانتا ہے کہ اس کی بنیاد کس چیز پر استوار ہے۔یعنی جنہوں نے قرآن کے معارف کو سمجھا ہے وہ آپؑ ہیں یا آپ کے شاگرد مثلاً ائمہ ہدیٰ علیہم السلام۔علم و معرفت کا دعوی کرنا بہت آسان ہے۔انسان کیلئے شعر یا نثر کی زبان میں یہ دعوی کرنا آسان ہے کہ وہ اس قدر علم و معرفت رکھتا ہے۔بہت سے لوگوں نے دعوے بھی کئے ہیں لیکن حقیقت حال کیا ہے؟ حقیقت میں جو کچھ ہے کیا ہم اسے بطور یقین جان سکتے ہیں؟ جب ہم اچھی طرح سے اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہم اپنے اور آپؑ کے درمیان کوئی شباہت نہیں پا سکتے۔مولا کو خدائے تبارک وتعالیٰ سے اتنا عشق تھا کہ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: ''میں جہنم کا عذاب برداشت کر بھی لوں لیکن تیری جدائی پر کیسے صبر کروں؟'' اسے کوئی شخص شعر میں یا نثر میں ادا کر سکتا ہے،تقریر کی شکل میں بیان کر سکتا ہے لیکن کیا حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے؟ کیا ہم لوگ ایسے ہیں؟ کیا اللہ سے فراق کو اصلی عذاب سمجھنے والے ہم میں موجود ہیں؟ فراق کو آتش جہنم کے برابر سمجھنے والے؟ جہنم کی آگ دنیوی آگ سے مختلف ہے۔جہنم کی آگ تو دل کو بھی جلاتی ہے یعنی معنوی دل کو جلاتی ہے۔وہ جس طرح جسم کو جلاتی ہے اسی طرح انسان کے قلب کو بھی جلاتی ہے۔وہ معنوی دل میں داخل ہو کر اس کو بھی جلاتی ہے لیکن امامؑ فرماتے ہیں کہ میں اس آگ کو برداشت کر بھی لوں لیکن تیری جدائی کو کیسے تحمل کروں؟ یہاں ہر کوئی اپنے ضمیر کی عدالت میں اپنا محاسبہ کرے کہ کیا اب تک ایک لمحے کیلئے بھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ سچ مچ اللہ کی جدائی سے پریشان ہوا ہو؟ اس قسم کا دعوی کرنا بہت ہی آسان ہے۔بہت سے درویشوں نے دعوی کیا ہے۔بہت سے عرفا نے دعوی کیا ہے،لیکن جب انسان حقیقت پسندانہ جائزہ لے تو بات کچھ اور نظر آتی ہے۔

ان معصومینؑ کی معمول کی باتوں میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر نہج البلاغہ میں ہوا ہے۔دیگر ائمہؑ کی احادیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔یہ ایک عام درجہ ہے کوئی بہت بلند درجہ نہیں۔وہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں یا عرض کرتے ہیں یا حضرت امیر فرماتے ہیں جس طرح دیگر معصومینؑ بھی فرماتے ہیں کہ عبادت تین طرح کی ہوتی ہے: ایک ان لوگوں کی عبادت جو غلاموں کی طرح ڈر کے مارے عبادت کرتے ہیں۔دوسری ان

لوگوں کی عبادت جو بہشت وغیرہ کی لالچ میں عبادت کرتے ہیں۔ان دونوں میں سے ایک مزدوروں والی عبادت ہے اور دوسری غلاموں والی۔تیسری قسم کی عبادت جو ہم کرتے ہیں اس کی بنیاد وہ محبت ہے جو ہمیں خدا سے ہے۔آپ ذرا غور کریں کہ اگر اللہ ہمارے ساتھ قطعی وعدہ کرے کہ تمہیں جہنم میں نہیں ڈالوں گا، تم سب بہشتی ہو، تم سب دائمی جنت میں رہو گے اور جہنم کے دروازے تم پر بند ہیں تو کیا اس صورت میں بھی آپ اللہ کی عبادت کرتے؟ یا اللہ آپ سے یہ فرمائے کہ میری محبت کی خاطر میری عبادت کرو تو کیا آپ صرف محبت خدا کی خاطر اس کی عبادت کرنے کا جذبہ اپنے اندر پاتے؟ کیا آپ خوف ورجا اور دیگر نفسانی ترجیحات کو چھوڑ کر صرف محبت کی خاطر عبادت کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ ان باتوں کے دعوے تو کئے جاسکتے ہیں۔میں بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مجھے اللہ سے محبت ہے، لیکن درحقیقت ہمیں اللہ سے کوئی محبت نہیں ہے۔ہمارے اندر تو صرف حبّ نفس ہے۔ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ خود اپنے لئے ہے۔ہم اب تک اپنے نفس اور نفسانی حدود و قیود سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکلے ہیں جبکہ یہ وہ قدم اول ہے جسے ارباب سیر وسلوک ''یقظ'' (بیداری) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ہم پھر بھی بیدار نہیں ہوئے ہیں۔ہم اب بھی مادیت کے نشے میں چور ہیں۔شاید یہی حالت ہمیشہ رہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر لطف وکرم کی نظر کرے۔(۳۳۰)

حضرت زہراءؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

معنوی مقام کی عظمت اور بلندی

احادیث وروایات کی روشنی میں بنیادی طور پر رسول اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰؑ اس عالم سے پہلے عرش کے سائے میں نور کی صورت میں موجود تھے۔ انعقاد نطفہ اور طینت کے لحاظ سے بھی وہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہیں۔[1] اسی طرح وہ بہت سارے درجات کے حامل ہیں۔ چنانچہ احادیث معراج میں جبرئیلؑ عرض کرتے ہیں: ﴿لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ﴾ یعنی اگر میں ایک انگشت برابر بھی نزدیک ہوتا تو جل جاتا۔ نیز معصومینؑ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ لَنَا مَعَ اللهِ حالاتٌ لا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ﴾ یعنی اللہ کے ہاں ہم کچھ ایسی حیثیتوں کے حامل ہیں جو نہ کسی مقرب فرشتے کو حاصل ہو سکتی ہیں نہ کسی نبی مرسل کو۔

یہ بات ہمارے اصول مذہب میں شامل ہے کہ ائمہؑ کو مسئلہ حکومت سے قطع نظر بھی یہ خصوصیات حاصل ہیں۔ اسی طرح روایات کی رو سے یہ معنوی درجات حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کیلئے بھی ثابت ہیں۔[2] حالانکہ آپؑ نہ حاکم تھیں نہ قاضی اور نہ خلیفہ۔ یہ درجات حکومتی مناصب سے اور عہدوں سے ماورا ہیں۔ اسی لئے جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت زہراءؑ قاضی وخلیفہ نہیں تو اس کا لازمہ یہ نہیں کہ وہ ہماری طرح ہیں یا انہیں ہمارے اوپر معنوی برتری حاصل نہیں۔ (۳۳۱)

پیغمبرؐ اور اہل بیتؑ کی جملہ خوبیوں کی حامل

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا خانداں وحی کی قابل افتخار خاتون ہیں۔ آپ ایک آفتاب کی طرح اسلام کی پیشانی

۱۔ بحارالانوار، ج۲۵، ص۱۰۱ تا ۱۰۳؛ نیز بصائرالدرجات، ج۱، ص۲۰، باب۱۰۔

۲۔ علل الشرائع، ج۱، ص۱۲۳، باب۱۴۳، ح۱؛ نیز معانی الاخبار، ص۶۴، ۱۰۷؛ نیز بحارالانوار، ج۴۳، ص۱۲۔

پر چمکتی ہیں۔آپ کے فضائل رسول اکرم ؐ اور خاندان عصمت وطہارت علیہم السلام کے یکساں فضائل کے برابر ہیں۔آپ وہ خاتون ہیں جس کی تعریف ہر ایک نے ہر زاویے سے کی ہے لیکن پھر بھی آپ کی تعریف کا حق ادا نہ ہوا۔وہ احادیث جو خاندان وحی سے مروی ہیں وہ سامعین کے فہم کے مطابق ہیں جبکہ دریا کو کوزے میں بند کرنا ممکن نہیں ہے۔اسی طرح دوسروں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی فہم کے مطابق کہا ہے نہ کہ آپ کے حقیقی مرتبے کے مطابق۔(۳۳۲)

جبرئیل کی رفت وآمد

میں جناب صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کا ذکر کروں۔میں صرف ایک روایت پر اکتفا کروں گا جو کافی شریف میں مذکور ہے اور معتبر سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے وہ روایت یہ ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:''فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے بابا کے بعد ۷۵ دن زندہ رہیں یعنی اس دنیا میں رہیں۔اس دوران ان پر شدید حزن وغم طاری رہا۔جبرئیل امین ؑ ان کی خدمت میں آتے تھے، انہیں تسلیت دیتے تھے اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے''۔[۱]

روایت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان ۷۵ ایام کے دوران ایک رابطہ برقرار تھا،یعنی جبرئیل کی رفت وآمد زیادہ تھی۔میں گمان نہیں کرتا کہ صف اول کے انبیائے عظام کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ مروی ہو کہ ۷۵ دنوں تک جبرئیل ؑ کی رفت وآمد جاری رہی ہو اور مستقبل میں واقع ہونے والے واقعات کا ذکر کیا ہو اور آپ ؑ کی ذریت کے ساتھ مستقبل میں بیتنے والے حالات بتائے گئے ہوں۔حضرت امیر علیہ السلام ان کو لکھتے تھے۔حضرت امیر ؑ اس وحی کو لکھتے تھے جس طرح آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔البتہ وہ وحی جو تنزیل احکام سے عبارت ہے اس کا سلسلہ رسول اکرم ؐ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔پس آپ ؑ ان پچھتر دنوں میں حضرت صدیقہ ؑ کے کاتب وحی تھے۔

۱۔عن أبی عبداللہ ؑ قال:

﴿إنَّ فاطمة ؑ مَكثَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ؐ خَمْسَةً وَسَبْعِينَ يوماً وَكانَ دَخَلها حُزْنٌ شَديدٌ علىٰ أبيها وَكانَ يأتيها جبرئيلُ فَيُحسِنُ عزائها علىٰ أبيها وَيُطَيِّبُ نَفْسَها وَيُخبِرُها بِما يَكُونُ بَعْدَها في ذُرِّيَّتِها وَكانَ عليٌّ يَكْتُبُ ذٰلك﴾۔

(اصول کافی،ج۱،ص۴۵۸،کتاب الحجہ،باب مولد الزہراء فاطمہ ؑ ،ح۱)۔

جبرئیلؑ اور حضرت زہراؑ میں روحانی یکسانیت

کسی انسان کے پاس جبرئیلؑ کا آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ جبرئیلؑ ہر کسی کے پاس آتا ہے یا ایسا ممکن ہے بلکہ جبرئیلؑ کے کسی کے ہاں آنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک قسم کی مناسبت موجود ہو۔ یعنی جس شخص کے پاس جبرئیلؑ اترے اس کی روح اور خود جبرئیلؑ جو روح اعظم ہے کے درمیان مناسبت ہو خواہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ تنزیل سے مراد خود اس ولی یا رسول کی روح اعظم کے ذریعے جبرئیل کا نزول ہے یعنی وہ اسے نازل کرتی ہے اور نچلے مرحلے تک اتارتی ہے یا ہم یہ کہیں کہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور یہ باتیں بتاؤ۔ پس خواہ ہم وہ بات کریں جو بعض اہل نظر کہتے ہیں یا یہ بات کریں جو کچھ اہل ظاہر بتاتے ہیں۔ بہر حال جب تک اس شخص جس کے پاس جبرئیلؑ آتے ہیں کی روح اور خود جبرئیلؑ جو روح اعظم ہے کے درمیان کوئی تناسب اور مناسبت نہ ہو تب تک اس کے پاس جبرئیلؑ کا آنا ممکن نہیں ہے۔ روح اعظم یعنی جبرئیلؑ اور صف اول کے انبیاء مثلاً رسول خداؐ نیز موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ وغیرہ کے درمیان یہ مناسبت موجود تھی۔ ہر کسی کو یہ مناسبت حاصل نہیں رہی۔ اس کے بعد بھی کسی کو یہ مناسبت حاصل نہ ہوئی یہاں تک کہ ائمہؑ کے بارے میں بھی میں نے اس قسم کی کوئی حدیث نہیں دیکھی کہ ان پر جبرئیلؑ نازل ہوئے ہوں۔ صرف حضرت زہراؑ کے بارے میں، میں نے دیکھا ہے کہ ان ۷۵ پچھتر دنوں میں جبرئیلؑ ان کے پاس بار بار نازل ہوتے تھے اور آپ کی ذریت کے ساتھ مستقبل میں ہونے والے واقعات آپ کو بتاتے تھے اور حضرت امیرؑ انہیں لکھتے تھے۔ جو باتیں جبرئیلؑ حضرت زہراؑ کو بتاتے تھے ان میں سے ایک شاید ان مسائل سے مربوط ہو جو آپ کے عظیم فرزند یعنی حضرت صاحب العصر (سلام اللہ علیہ) کے زمانے میں واقع ہونے والے تھے۔ شاید ان میں ایران سے مربوط باتیں بھی شامل ہوں۔ ہمیں اس کا علم تو نہیں البتہ یہ ممکن ہے۔

خصوصی مقام اور فضیلت

بہر حال میں حضرت زہراؑ کے فضائل میں سے اس فضیلت کو سب سے اہم سمجھتا ہوں اگر چہ آپ کے دیگر فضائل بھی عظیم ہیں۔ یہ فضیلت سوائے انبیاءؑ سب انبیاء نہیں بلکہ صف اول کے انبیاءؑ کے نیز ان کے ہم رتبہ بعض اولیا کے کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ حدیث کے الفاظ کے مطابق جبرئیلؑ ان ۷۵ پچھتر دنوں

کے دوران آتے جاتے رہے۔ یہ بات آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہ وہ فضیلت ہے جو حضرت صدیقہ علیہا کے ساتھ مختص ہے۔(۳۳۳)

مصحف فاطمہؑ

رحلت رسولؐ کے بعد جبرئیلؑ آتے تھے اور حضرت فاطمہؑ کیلئے غیب کی خبریں لاتے تھے۔ امیر المومنینؑ انہیں لکھتے تھے۔ یہی مصحف فاطمہؑ ہے۔(۳۳۴)

مبارک رات

اصول کافی میں تفسیر برہان سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں مذکور ہے: ''نصرانی نے حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے عرض کیا کہ ﴿حٰمٓ ☆ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ☆ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ☆ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ ا کی تفسیر کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿حٰمٓ﴾ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ﴿كِتَابِ مُبِينٍ﴾ امیر المومنین علیؑ ہیں اور ﴿لَيْلَةٍ﴾ سے مراد فاطمہؑ ہیں''۔(۳۳۵)

حضرت زہراؑ کو رسولؐ کا تحفہ

تعقیبات نماز میں سے ایک حضرت صدیقہ طاہرہؑ کی تسبیح ہے جو رسول خداؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی۔ یہ تعقیبات میں سب سے افضل ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر اس سے افضل کوئی چیز ہوتی تو حضرت رسول خداؐ اسے حضرت فاطمہؑ کو عطا فرماتے۔۲(۳۳۶)

جملہ کمالات کی تجلی گاہ

ایک عورت اور ایک انسان کی جتنی خوبیاں ممکن ہیں وہ سب حضرت زہراءؑ میں جلوہ گر تھیں۔ آپ ایک عام عورت نہیں تھیں بلکہ ایک روحانی وملکوتی خاتون تھیں۔ آپ ایک انسان کامل تھیں۔ آپ انسانیت کا کامل نسخہ، عورت کا حقیقی مفہوم اور انسان کی عین حقیقت تھیں۔

آپ عام سی عورت نہیں۔ آپ ایک ملکوتی خاتون ہیں جو اس دنیا میں انسان کی صورت میں ظاہر

۱۔ سورۂ دخان ۱ سے ۴ تک۔

۲۔ فروع کافی، ج ۳، ص ۳۴۳، کتاب الصلاۃ، باب التعقیب بعد الصلاۃ والدعاء، ح ۱۴۔

ہوئیں بلکہ آپ خدا کی ایک جبروتی مخلوق ہیں جو ایک عورت کے روپ میں ظاہر ہوئیں۔ انسان اور عورت کے اندر جو جو کمالات ممکن ہیں وہ سب اس خاتون کے اندر موجود ہیں۔ کل[۱] ایک ایسی عورت متولد ہوگی، ایسی خاتون جو انبیاء کی تمام خوبیوں کی حامل ہو۔ ایسی عورت جو اگر مرد ہوتی تو نبی بنتی۔ ایسی عورت جو اگر مرد ہوتی تو رسول اللہ کی جگہ ہوتی۔ پس کل کا دن عورتوں کا دن ہے۔ کل کے دن عورت کو اس کی پوری پوری حیثیت اور مکمل شخصیت مل گئی۔

مقام غیب اور فنا فی اللہ تک رسائی

اس ہستی کے اندر جملہ معنویات، ملکوتی جلوے، الٰہی جلوے، جبروتی جلوے اور ملکی و ناسوتی جلوے جمع ہیں۔ آپ ہر لحاظ سے ایک کامل انسان ہیں۔ نسوانیت کا کامل نمونہ ہیں۔ انسان اور مرد کی طرح عورت بھی مختلف جہات رکھتی ہے۔ یہ ظاہری اور طبیعی صورت انسان کا سب سے نچلا مرتبہ ہے، عورت اور مرد کا سب سے نچلا مرتبہ ہے۔ لیکن اسی نچلے مرتبے سے کمال کی طرف سفر شروع ہوتا ہے۔ انسان مادی مرحلے سے مقام غیب تک اور فنا فی اللہ کے مقام تک سفر کرتا ہے۔ حضرت صدیقہ طاہرہ کو یہ خصوصیات حاصل ہیں۔ آپ نے عالم طبیعت سے اپنا سفر، اپنا معنوی سفر اللہ کی مدد، تائید غیبی اور تربیت رسول خدا کے سائے میں شروع کیا یہاں تک کہ آپ اس مرتبے پر پہنچ گئیں جہاں کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ پس کل کے دن عورت کا مکمل جلوہ وجود پذیر ہوا ہے اور عورت اپنی کامل ترین صورت میں وجود میں آئی ہے۔ (۳۳۷)

تمام انسانی کمالات کی مظہر

ایک عورت دنیا میں آئی جو تمام مردوں کی ہم پلہ ہے۔ ایک ایسی عورت دنیا میں آئی جو انسانیت کا نمونہ ہے۔ ایک ایسی خاتون پیدا ہوئی جس کے اندر انسان کے جملہ کمالات جلوہ گر ہیں۔ (۳۳۸)

فخر کائنات اور برگزیدہ انسانوں کی مربی

ایران کی عظیم الشان ملت خاص کر عورتوں کو خواتین کا یہ بابرکت دن مبارک ہو۔ اس تابندہ ہستی کا متبرک دن جو تمام انسانی کمالات اور دنیا میں اللہ کے خلیفہ کی جملہ خوبیوں کی بنیاد ہیں۔ جمادی الثانی کی بیسویں تاریخ کا اعلیٰ انتخاب زیادہ بابرکت اور زیادہ گرانقدر ہے۔ یہ ایک ایسی خاتون کی ولادت کا قابل فخر

---

[۱]۔ ۲۰ جمادی الثانی، روز ولادت حضرت زہراءؑ اور یوم خواتین مراد ہے۔ (مترجم)

دن ہے جو تاریخ کا ایک معجزہ اور کائنات کی مایہ ناز ہستی ہیں۔ اس خاتون نے ایک معمولی سے کمرے اور معمولی سے مکان سے ایسے انسانوں کی تربیت کی جن کا نور زمین سے لے کر عالم افلاک کے آخری حصے تک، نیز اس عالم ملک سے لے کر ملکوت اعلا کے آخری حصے تک روشن ہے۔ اللہ کا درود و سلام ہو اس سادہ و معمولی حجرے پر جو عظمت الٰہی کے نور کی جلوہ گاہ اور حضرت آدم کی برگزیدہ اولاد کی تربیت گاہ ہے۔(۳۳۹)

عالم ملک وملکوت کے مبارک ترین گھر کی خاتون

ہم صدر اسلام کی ایک جونپڑی دیکھتے ہیں جس میں چار پانچ انسانوں کے رہنے کی گنجائش تھی۔ یہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی جھونپڑی ہے۔ اس کی حالت ان دیگر جھونپڑیوں سے بھی گئی گزری تھی۔ لیکن اس کی برکات کے کیا کہنے؟ چند افراد کی اس جھونپڑی کی برکات اس قدر زیادہ ہیں جن کے نور سے پورا عالم لبریز ہے۔ ان برکات تک انسان کی رسائی کا راستہ بہت طویل ہے۔ یہ جھونپڑی نشین اپنی معمولی جھونپڑی میں رہتے ہوئے معنوی لحاظ سے اس قدر بلند مقام پر فائز تھے جہاں ملکوتیوں کو بھی رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ تربیتی زاویوں سے وہ اس مقام پر تھے کہ مسلمان ملکوں خصوصاً ہمارے ملک جیسے ممالک میں جو برکات نظر آتی ہیں وہ سب ان کے طفیل ہیں۔(۳۴۰)

امام حسینؑ کا مقام اور آپ کی شخصیت

انا من حسین کہنے کا راز

روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ﴿انــا مِنْ حُسَيْن﴾[1] اس سے مراد یہ ہے کہ حسین میرا ہے اور میں بھی اس کے باعث زندہ ہو جاؤں گا۔ یہ سب برکات آپ کی شہادت کے طفیل ہیں۔ اگر چہ دشمن کی خواہش یہ تھی کہ ان کے آثار کو مٹادیں۔ ان کی کوشش تھی کہ بنی ہاشم کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو۔

وہ یہ کہتے تھے کہ "بنی ہاشم نے ایک کھیل کھیلا تھا" ﴿لَعِبَتْ هـاشِمُ بِـالْكِذا﴾[2] وہ چاہتے تھے کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دیں اور ایک عربی مملکت تشکیل دیں۔ (۲۲۱)

نبوت کا نچوڑ اور ولایت کی یادگار

اللہ کی مشیت یہی تھی اور ہے کہ آزادی بخش اسلام اور ہدایت بخش قرآن کو ہمیشہ محفوظ رکھے اور

۱۔ روى سعيد بن راشد عن يعلى بن مرة قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه ؐ يَقُولُ: ﴿حُسَيْنٌ مِنّي وَأنا مِنْ حُسَيْنٍ أحَبَّ اللّٰه مَنْ أحَبَّ حُسَيْناً، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ﴾ سعید بن راشد یعلی بن مرة سے نقل کرتے ہیں کہ یعلی نے کہا میں نے رسولؐ کو یہ فرماتے سنا: "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین کو چاہے خدا اسے چاہے۔ حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے"۔ (الارشاد، ص ۲۳۳)

۲۔ یہ عبداللہ بن زبعری کے اس بیت کا ایک حصہ ہے:

﴿لَعِبَتْ هاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلا خَبَرٌ جـاءَ وَلا وَحْيٌ نَزَل﴾

"بنی ہاشم نے حکومت کا کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی"

کہتے ہیں کہ جب اہل بیت عصمتؑ کے اسیر شام میں دربار یزید میں لے جائے گئے تو امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر وہ لعین لکڑی سے مارتا تھا اور یہی شعر پڑھتا تھا۔ (دمع السجوم فی ترجمۃ نفس المہموم، ص ۲۵۲)

شہیدوں مثلاً فرزندان وحی کے خون سے اس کی پشت پناہی کرے اور اسے زمانے کی دستبرد سے محفوظ رکھے، نیز حسینؑ بن علیؑ کو جو نبوت کا نچوڑ اور ولایت کی یادگار ہیں آمادہ کرے تا کہ وہ اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں اپنے عقیدے اور امت محمدیؐ پر نچھاور کریں تا کہ رہتی دنیا تک آپ کا خون پاک جوش مارتا رہے، نیز دین خدا کی آبیاری اور وحی اور وحی کے ثمرات کی نگہبانی کرتا رہے۔ (۳۴۲)

تشکیل حکومت کیلئے قیام

امام حسینؑ کے پاس اتنی جنگی طاقت نہیں تھی لیکن آپؑ نے قیام فرمایا۔ اگر آپ بھی (نعوذ باللہ) سست اور کاہل ہوتے تو آرام سے بیٹھ سکتے تھے اور یہ عذر تراش سکتے تھے کہ قیام کرنا میری شرعی ذمہ داری نہیں۔ اگر امامؑ آرام سے بیٹھتے اور چپ سادھ لیتے تو اموی حکام بھی خوش ہوتے کیونکہ اس طرح ان کی تمنا پوری ہوتی لیکن امامؑ نے مسلم بن عقیلؑ کو بھیجا تا کہ لوگوں کو بیعت کی دعوت دیں اور حکومت اسلامی کی تشکیل عمل میں آئے، نیز اس بدکردار حکومت کا خاتمہ کر دیں۔ اگر امامؑ مدینے میں خاموشی سے بیٹھ جاتے اور جب یزید بیعت طلب کرتا تو (نعوذ باللہ) آپ فرماتے: بہت خوب! تو اموی حکمران خوش ہوتے بلکہ آپ کے ہاتھ بھی چومتے۔ (۳۴۳)

شہادت کے علم کے باوجود تشکیل حکومت کا ارادہ

سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی پوری حیثیت، اپنی جان اور اپنے بچوں، غرض ہر چیز کو قربان کر دیا حالانکہ آپؑ کو انجام کا علم تھا۔ جو کوئی آپ کے ان تمام فرمودات کو سنے جو آپ نے اس وقت فرمائے جب آپ مدینے سے خارج ہوئے، مکہ آئے اور مکہ سے خارج ہوئے تو وہ دیکھے گا کہ آپؑ کو خوب معلوم تھا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ صورتحال کا جائزہ لینے کیلئے نہیں آئے تھے بلکہ سب کچھ جاننے کے باوجود نکلے تھے اور حکومت بھی آپ کو پکڑنا چاہتی تھی۔ آپ حقیقتاً اسی لئے ہی نکلے تھے۔ یہ ایک باعث فخر امر ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت سید الشہداءؑ تشکیل حکومت کی خاطر نہیں نکلے تھے وہ غلط کہتے ہیں۔ یہ لوگ تو قیام حکومت کی خاطر آئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حکومت سید الشہداءؑ جیسے آدمی کے ہاتھوں میں ہو اور سید الشہداءؑ کے شیعوں کے ہاتھوں میں ہو۔ (۳۴۴)

شہادت کے علم کے بلوجود ظلم کے خلاف جہاد کا وجوب

حضرت سید الشہداءؑ نے یزید کے خلاف قیام فرمایا۔ شاید آپ اس بات سے آگاہ تھے کہ آپ یزید کو ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ آپ کی پیشگوئیوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس بات کا علم تھا۔[۱] اس کے باوجود آپ نے صرف اس مقصد کے تحت کہ ایک ظالم حکومت کے خلاف قیام کریں اگر چہ قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں قیام فرمایا۔ اس راہ میں آپؑ نے شہیدوں کا نذرانہ دیا، دوسروں کو بھی مارا اور خود بھی مارے گئے۔(۳۴۵)

رسولؐ کا شہادت کی خبر دینا

حضرت سید الشہداءؑ کی شہادت کی پیشگوئی میں مذکور ہے کہ حضرت رسولؐ کو امام حسینؑ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ اس مظلومؑ سے فرماتے ہیں: "تیرے لئے بہشت میں ایک درجہ ہے جس تک تیری رسائی ممکن نہیں مگر شہادت کے ذریعے۔[۲](۳۴۶)

۱۔ بہت سی روایات میں اللہ کی طرف سے انبیاء کو بتائی گئی پیشگوئیوں، نیز نبی اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے فرامین میں امام حسینؑ کی شہادت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ بنی ہاشم کے نام خود امام حسینؑ کے خط میں مذکور ہے:

﴿بسم الله الرحمن الرحيم. من الحسين بن علي بن أبي طالب الىٰ بني هاشم. اما بعد! فانّه مَنْ لَحِقَ بي مِنْكُمْ اسْتُشْهِدَ وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يَبْلُغْ مَبْلَغَ الْفَتْحِ . وَالسَّلام﴾ "خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ حسین بن علی بن ابی طالب کی جانب سے بنی ہاشم کے نام۔ امابعد! جو کوئی میرا ساتھی بنے وہ شہید ہو جائے گا اور جو کوئی ساتھ نہ دے اسے کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ والسلام"۔ (اللہوف علی قتل الطفوف، ص ٦٩)

۲۔﴿فَجاءَهُ النَّبِيُّ وَهُوَ في مَنامِهِ فَأخَذَ الْحُسَيْنَ وَضَمَّهُ إلىٰ صَدْرِهِ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَيَقُولُ بِأبي أنْتَ كَأنّي أراكَ مُرَمَّلاً بِدَمِكَ بَيْنَ عِصابَةٍ مِنْ هٰذِهِ الأمَّةِ يَرْجُونَ شَفاعَتي ما لَهُمْ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ خَلاقٍ. يا بُنَيَّ! إنَّكَ قادِمٌ عَلىٰ أبيكَ وَأمِّكَ وَأخيكَ وَهُمْ مُشْتاقُونَ إلَيْكَ وَإنَّ في الْجَنَّةِ دَرَجاتٍ لا تُنالُها إلّا بِالشَّهادَةِ﴾

رسولؐ خواب میں آپؑ کے پاس آئے اور حسینؑ کو لے کر اپنے سینے سے لگا لیا اور حسین کی دونوں آنکھوں کے درمیان چومنے اور فرمانے لگے: "میرا باپ تجھ پر قربان ہو! گویا میں تجھے اس امت کی ایک جماعت کے ہاتھوں تیرے خون میں غلطاں دیکھ رہا ہوں جبکہ وہ میری شفاعت کی امید رکھتے ہیں! ان کیلئے اللہ کے ہاں کوئی شفاعت نہیں ہے۔ اے بیٹے! تم اپنے باپ، اپنی ماں اور بھائی کے پاس جا رہے ہو جبکہ وہ تیرے مشتاق ہیں۔ بے شک جنت میں کچھ درجات ہیں -->

اپنی اور اپنے گھرانے کی شہادت کا یقین

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے سب کو یہ درس دیا کہ ظلم وستم اور ظالم حکومت کے مقابلے میں کیا کرنا چاہیے۔ اگر چہ آپ شروع ہی سے جانتے تھے کہ اس راستے میں جس پر آپ چل رہے تھے آپ کو اپنے تمام اصحاب اور اپنے گھرانے کی قربانی پیش کرنا ہوگی لیکن اس قربانی کے نتائج وثمرات بھی آپ کو معلوم تھے...(۳۴۷)

قطعی شہادت

حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام نے ان بحرانی حالات میں جبکہ سب کا قتل ہونا قطعی تھا خطبا کے بقول امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا: ﴿أوَ لَسنَا عَلَى الْحَقِّ؟﴾ یعنی کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام ؑ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کیا: پس ہم مرنے سے کیوں ڈریں ﴿فَاِذاً لاٰ نُبالِي بِالْمَوت﴾ جب ہم حق پر ہیں...ا(۳۴۸)

شہادت کے علم کے باوجود ذمہ داری کو نبھانا ضروری تھا

سید الشہداء علیہ السلام اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے کہ آپ اس طاقت کے ساتھ مقابلہ کریں اور شہید ہو جائیں تا کہ حالات دگرگوں ہو جائیں اور آپ اس حکومت کو اپنی اور اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کی قربانی سے ذلیل ورسوا کریں۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ ایک ظالم حکومت آپ کے ملک کی تقدیر کا مالک بنی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری، اپنی الٰہی وشرعی ذمہ داری یہ سمجھی کہ آپ قیام کریں، چل پڑیں اور علم مخالفت بلند کریں خواہ جو کچھ بھی ہو۔ اگر چہ اصولی طور پر یہ واضح تھا کہ اس قدر چھوٹی جماعت ان کے دشمن کے پاس موجود بڑی تعداد کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن یہ آپ کی ذمہ داری تھی۔ (۳۴۹)

<۔ جن تک تیری رسائی شہادت کے بغیر ممکن نہیں"۔ امام ؑ نے یہ خواب مدینہ سے نکلتے وقت قبر رسول ؐ کے پاس دیکھا تھا۔ (بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۱۳؛ نیز حیاۃ الحسین ؑ، باب ۳۷)۔

ا۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۰۸۔

امام زمانؑ کا مقام اور آپ کی شخصیت

امام عصر (عج) کی صفات وخصوصیات

حاظر وناظر امام

ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ائمہ معصومینؑ ہمارے امام ہیں جن کی ابتداعلی ابن ابی طالبؑ سے ہوتی ہے اوران کا آخری فرد منجی بشریت حضرت مہدی صاحب زمان (علیہم آلاف التحیۃ والسلام) ہیں جو خدائے قادر کی قدرت سے زندہ اور تمام امور اور کاموں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔(۳۵۰)

فیض ربانی کے نزول کا ذریعه

اللہ کے ولی اعظم اور اللہ کی زمین میں اس کا باقیماندہ سرمایہ (جس کی قدموں پر ہماری جانیں فدا ہوں) فیض خداوندی اور عنایات الٰہی کا وسیلہ ہیں، نیز آپ کی دعائے خیر آپ کے جد بزرگوار ﷺ کی امت کیلئے حرز جان ہے۔(۳۵۱)

جمله موجودات کا حاکم اور ولایت کلی کا خاتم

جس طرح رسول اکرمؐ عالم حقیقت میں تمام موجودات پر حاکم ہیں اسی طرح حضرت مہدیؑ بھی تمام موجودات پر حاکم ہیں۔آنحضورؐ خاتم رسل ہیں جبکہ حضرت مہدیؑ خاتم الاولیا ہیں۔حضورؐ ولایت کلی کے اصلی خاتم ہیں اور حضرت مہدیؑ ولایت کلی کے تبعی خاتم ہیں۔(۳۵۲)

لیلة القدر کا استمرار

اگر ہم لیلۃ القدر کے سرّ اور شب قدر میں نزول ملائکہ کے راز کو پہچان لیں تو ہماری تمام مشکلات آسان ہوجائیں گی۔یادرہے کہ آج بھی ولی اعظم حضرت صاحب الامرؑ پر شب قدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔(۳۵۳)

عالم طبیعت کے جملہ تغیرات پر تسلّط

لیلۃ القدر ولی کامل ؑ کی کامل توجہ اور آپ کی ملکوتی حکومت کے ظہور کی رات ہے۔ یہ توجہ ولی کامل ؑ اور ہر زمانے کے امام وقطب کی روح پاک کے ذریعے انجام پاتی ہے۔ آج ہمارے ولی وقطب حضرت بقیۃ اللہ فی الارضین، سیدنا ومولانا، امامنا وہادینا حجۃ ابن الحسن العسکری (ہماری جانیں آپ کی قدموں پر نثار ہوں) ہیں۔ اس توجہ اور ظہور کی وجہ سے عالم طبیعت میں تغیرات اور تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ آپ چاہیں تو عالم طبیعت کی کسی چیز کی حرکت کو کند کر سکتے ہیں اور جسے چاہیں سریع الحرکت بنا دیتے ہیں۔ آپ جس کے رزق کو چاہیں وسعت دیتے ہیں اور جس کے رزق کو چاہیں تنگ کرتے ہیں۔ یہ ارادہ، ارادۂ حق ہے۔ یہ اللہ کے ارادۂ ازلیہ کا ظل اور پرتو ہے، نیز تابع فرامین الٰہیہ ہے۔ (۳۵۴)

انسان کامل جملہ موجودات کا نچوڑ

کہتے ہیں کہ ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ ۱ میں ''عصر'' سے مراد انسان کامل ہے۔ جو امام عصر ؑ ہے جو جملہ موجودات عالم کا خلاصہ اور ان کا نچوڑ ہے۔ قسم ہے جملہ موجودات کے نچوڑ کی، یعنی انسان کامل کی۔ (۳۵۵)

وارث نبوت اور خلقت کا نچوڑ

امت کا امام، تمام مخلوقات کا خلاصہ اور نبوت کا وارث ولی عصر (عجلّ اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) ہیں۔ (۳۵۶)

انسانیت کیلئے خدائی سرمایہ

آیئے ہم اپنے آپ کو امام ؑ کے ظہور کی خاطر تیار کریں۔ ہمیں انہیں رہبر کے نام سے نہیں یاد کر سکتے۔ وہ اس سے بلند و برتر ہیں۔ میں آپ کو مرد اول کا نام بھی نہیں دے سکتا، کیونکہ دوسرا کوئی نہیں۔ انہیں ہم کسی عنوان کا لبادہ نہیں اوڑھا سکتے سوائے اس کے کہ آپ مہدی موعود ؑ ہیں۔ آپ وہ سرمایہ ہیں جسے اللہ نے انسانوں کی نجات کیلئے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ (۳۵۷)

۱۔ سورۂ ''العصر''، آیت ۱ و ۲۔

انسانوں کی رہائی کا علمبردار

امامت کا آخری سرمایہ حضرت بقیہ اللہ (ارواحنا فداہ) ہیں جو قیامت تک کیلئے عدل قائم کرنے والے واحد انسان ہیں۔ آپ انسان کو استکباری قوتوں کے ظلم وستم کی زنجیروں سے نجات دینے والے ہیں۔(۳۵۸)

بعثت انبیاء کے مقصد کو بر لانے والا

حضرت خاتم الاوصیاء، مفخر الاولیاء، حجۃ بن الحسن العسکری (ارواحنا لمقدمہ الفداء) وہ عظیم شخصیت ہیں جو اس نظام عدل کو قائم کریں گے جس کیلئے انبیاء مبعوث ہوئے تھے۔ یہ وہ مرد ہیں جو دنیا کو ظالموں اور دغل بازوں سے پاک کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح پر کریں گے جس طرح وہ اس سے قبل ظلم وجور سے پر ہو چکی ہوگی، نیز مستکبرین عالم کی سرکوبی کریں گے اور مستضعفین جہاں کو زمین کا وارث بنائیں گے۔

وہ دن کتنا مبارک دن ہوگا جب دنیا دغل بازیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک ہوگی، پوری دنیا میں اللہ کا عادلانہ نظام حکومت قائم ہوگا، منافقین اور حیلہ گر قوتیں میدان سے ہٹ جائیں گی، عدل خداوندی اور رحمت الٰہی کا پرچم روئے زمین پر لہرائے گا، بشریت پر صرف اسلام کے عادلانہ قانون کی حکمرانی ہوگی، ظلم وستم کے محلات اور بے انصافی کے کنگرے زمین بوس ہوں گے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور اولیاء علیہم السلام کے حامیوں کے مقاصد حاصل ہوں گے، اللہ کی برکات زمین پر نازل ہوں گی، خیانت پیشہ قلم ٹوٹ جائیں گے، منافقانہ زبانیں کٹ جائیں گی اور اللہ کی حکومت دنیا پر سایہ افگن ہوگی، نیز شیطان اور شیطان صفت لوگ کنارہ کش ہو جائیں گے۔(۳۵۹)

جملہ انسانی زاویوں سے عدل نافذ کرنے والا

حضرت صاحب الزمان کی غیبت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہ ہمیں کئی باتیں سکھاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس قدر عظیم کام، یعنی پوری دنیا میں حقیقی عادلانہ نظام کے نفاذ کیلئے تمام انسانوں میں سوائے مہدی موعود (سلام اللہ علیہ) کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بشریت کی نجات کیلئے باقی رکھا ہوا ہے اور کوئی نہیں ہے کہ جو بھی نبی آیا وہ عدل کے نفاذ کیلئے آیا۔ ان انبیاء کا مقصد یہ تھا کہ وہ پورے عالم میں عدل کو جاری وساری

کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ جو بشریت کی اصلاح، نظام عدل کے قیام اور تربیت بشر کیلئے آئے تھے بھی اپنے زمانے میں اس مقصد میں مکمل طور پر کامیابی نہ پا سکے۔ جو شخص مکمل طور پر اس مقصد میں کامیاب ہوگا اور پوری دنیا میں عدل قائم کرے گا وہ صرف حضرت حجت ؑ ہیں۔ یاد رہے کہ اس عدل سے مراد وہ عدل نہیں جو عالم لوگوں کے ذہن میں ہے یعنی زمین کے اندر لوگوں کے رفاہ کیلئے عدل سے کام لینا بلکہ انسانیت کے تمام مراتب ومراحل میں عدل مقصود ہے۔ انسانوں کے درمیان قیام عدل سے یہ مراد ہے کہ اگر انسان عملی، روحانی اور فکری لحاظ سے انحراف کا شکار ہو جائے تو اس انحراف کی اصلاح کی جائے۔ اگر کسی انسان کا اخلاق خراب ہو جائے پھر اس خرابی کا خاتمہ ہو اور وہ دوبارہ حد اعتدال پر آ جائے تو یہ عدل کی طرف برگشت ہے۔ اسی طرح اگر عقاید میں کجی یا انحراف آ جائے تو ان غلط عقائد کو ایک درست عقیدے اور صراط مستقیم کی طرف دوبارہ لوٹانا انسان کے ذہن وفکر کے اندر عدل قائم کرنے سے عبارت ہے۔

مہدی موعود (سلام اللہ علیہ) کو اللہ نے محفوظ رکھا ہے کیونکہ اولین وآخرین میں سے کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں ہوئی اور صرف حضرت مہدی ؑ موعود ہی وہ شخصیت ہیں جو پورے عالم میں عدل قائم کریں گے۔ جس چیز میں انبیاء کو کامیابی نہ مل سکی اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اللہ نے آپ کو باقی رکھا ہے۔ اگرچہ یہ وہی مقصد ہے جس کیلئے انبیاء آئے تھے لیکن مشکلات وموانع نے اسے عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا۔ اسی طرح سارے اولیا کی بھی یہی خواہش تھی لیکن وہ اس کو جاری وساری نہ کر سکے اس مقصد کی عملی تعبیر کیلئے اللہ نے اس عظیم ہستی کو باقی رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ ہستی کو اس مقصد کیلئے طولانی عمر سے نوازا ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علاوہ کوئی اور انسان اس کے قابل نہیں ہے۔ یعنی انبیاء جو اس کام کے اہل تھے لیکن انہیں موقع نہ مل سکا اور عظیم اولیاء یعنی حضرت مہدی موعود ؑ کے آبائے طاہرین کے بعد اگر مہدی موعود ؑ بھی رحلت فرما جاتے تو باقیماندہ انسانوں میں کوئی ایسا نہ ہوتا جو عدل قائم کر سکتا۔ اس مقصد کیلئے اس ہستی کو اللہ نے باقی رکھا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت صاحب زمان (ارواحنا لہ الفداہ) کی ولادت کی عید مسلمانوں کیلئے سب سے بڑی عید ہے، نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ پوری انسانیت کیلئے عظیم ترین عید ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی ولادت کی عید بھی مسلمانوں کیلئے سب سے بڑی عید ہے لیکن حضورؐ کو ان مقاصد کی تکمیل کا موقع نہیں ملا جنہیں آپ مکمل کرنا چاہتے تھے۔ اب چونکہ حضرت صاحب الامر (سلام اللہ علیہ) ان مقاصد کو عملی جامہ پہنائیں گے اور پورے عالم میں زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے یعنی ہر زاویئے سے ہر درجے کا عدل وانصاف قائم کریں گے اس لئے ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ عید شعبان یعنی حضرت مہدیؑ کی ولادت کی عید تمام انسانوں کیلئے سب سے بڑی عید ہے۔

جب آپ کا ظہور ہوگا تو آپ تمام انسانوں کو انحطاط سے نکالیں گے۔ (اللہ آپ کے ظہور میں تعجیل فرمائے) اور تمام خرابیوں کو دور کریں گے۔ ﴿يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلاً بَعْدَ مَا مُلِئَتْ جَوراً﴾ ۱ یہ وہ عدل نہیں جو ہم سمجھتے ہیں یعنی ایک عادلانہ حکومت ہو جو ظلم نہ کرے اور بس۔ یہ بھی ہوگا لیکن صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے بعد اس کے کہ یہ ظلم سے پر ہو جائے۔ اس وقت زمین ظلم سے پر ہے لیکن آج کے بعد شاید صورتحال مزید بدتر ہو جائے۔ ظلم سے اب بھی لبریز ہے۔ تمام لوگوں کے باطن میں انحرافات اور خرابیاں ہیں یہاں تک کہ بزرگ انسانوں کے اندر بھی انحرافات ہیں اگرچہ وہ خود نہ جانیں۔ اخلاقی انحرافات ہیں، عقاید میں انحراف ہے اور اعمال میں انحراف ہے۔ لوگوں کے کاموں میں انحراف تو واضح ہے۔ اللہ کی طرف سے امام اس بات پر مامور ہیں کہ ان تمام انحرافات کو ٹھیک کریں اور ان تمام خرابیوں کو اعتدال پر لے آئیں تا کہ ﴿يَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلاً بَعْدَ مَا مُلِئَتْ جَوراً﴾ صحیح معنوں میں صادق آئے۔ بنابریں یہ عید پوری انسانیت کی عید ہے۔ (۳۶۰)

نامہ اعمال کا امامؑ کے حضور پیش ہونا

یاد رکھیں کہ آپ کے اوپر نظر رکھی جارہی ہے۔ روایت کی رو سے ہمارے نامہ اعمال ہفتے میں دوبار امام زمانؑ کے آگے پیش ہوتے ہیں۔ ۲

۱۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے پر کریں گے بعد اس کے کہ زمین ظلم وستم سے بھر جائے۔
اصول کافی، ج ۱، ص ۵۲۵، کتاب الحجۃ، باب ماجاء فی اثنی عشر والنص علیہم، ح ۱، (الفاظ یہ ہیں: ﴿يَمْلَأُهَا عَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ جَوراً﴾)۔

۲۔ عن النبیؐ: ﴿تعرض اعمال الناس في كل جمعة مرتين يوم الاثنين و يوم الخميس﴾ بحار، ج ۷۳، ص ۲۳۶، ح ۳۷، باب ۱۵

حضرت مہدیؑ شریعت کی تکمیل کریں گے۔ یہ بات ہمارے لئے نہایت ناگوار ہے۔ ہم حضرت مہدیؑ کو اسلام کا ایک پیروکار سمجھتے ہیں پیغمبر اسلامؐ کا پیروکار سمجھتے ہیں البتہ ایسا پیروکار جو پیغمبر کا نور چشم ہے اور جو حضرت رسول اکرمؐ کی تعلیمات نافذ کرے گا۔(۳۶۸)

یأتی بکتاب جدید کا مطلب

جب حضرت حجتؑ تشریف لائیں گے تو وہ ایسے احکام لے آئیں گے جو ہمارے ناقص اجتہادات کے ذریعے استنباط شدہ احکام سے مختلف ہوں گے۔ جو فقہی اصول وضوابط ہم استعمال کرتے ہیں وہ ان سے مختلف ہوں گے۔ وہ مجتہدین کے ظنون سے اخذ شدہ احکام سے مختلف ہوں گے ﴿يَأْتِي بِكِتَابٍ جَدِيدٍ﴾ کیونکہ فقہا کی روش کے برخلاف فرمائیں گے۔(۳۶۹)

خانہ کعبہ سے ندائے توحید دینے والا

حضرت ابراہیم خلیلؑ نے ابتدائی زمانے میں جبکہ حبیب خدا حضرت محمدؐ اور آپ کے نور چشم مہدی موعود (روحی فداہ) نے آخری زمانے میں خانہ کعبہ سے توحید کی آواز بلند کی ہے ادا کریں گے۔ مختلف ادیان کہتے ہیں اور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضرت مہدی منتظرؑ کعبے سے ندا دیں گے اور عالم بشریت کو توحید کی طرف بلائیں گے۔(۳۷۰)

انتظار ظہور عالمگیر اسلامی حکومت کا انتظار

ہم سب ظہور حجتؑ کے منتظر ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس انتظار کے دوران دین کی خدمت کریں۔ یہ انتظار، ظہور اسلام کی طاقت کے حاکم ہونے کا انتظار ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا میں اسلام کی حکمرانی ہو ظہور حجتؑ کے اسباب فراہم ہوں اور ظہور کا راستہ ہموار ہو۔(۳۷۱)

ظلم کا خاتمہ ظہور کی تمہید

انشاء اللہ ہم اس ملک میں اسلام کو اس طرح سے نافذ کریں گے جس طرح وہ ہے دنیا بھر کے مسلمان بھی اپنے ملکوں میں اسلام کو نافذ کریں گے، دنیا میں صرف اسلام کا دور دورہ ہوگا، دنیا سے استبدادیت اور ظلم وستم کا خاتمہ ہوگا اور ولی عصر (ارواحنا لہ الفداء) کے ظہور کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔(۳۷۲)

ظہور کی ایک علامت؛ تقویت ایمان

اللہ تعالیٰ نے اس ملت کے سر پر اپنا دست کرم رکھا ہے اور ان کے ایمان کو مستحکم کیا ہے جو حضرت بقیہ اللہ (ارواحنافداہ) کے ظہور کی ایک علامت ہے۔(۳۷۳)

عالمگیر اسلامی انقلاب کا نقطہ آغاز

ایران کے عوام کا انقلاب عالم اسلام کے اس عظیم انقلاب کا نقطہ آغاز ہے جس کی قیادت حضرت حجت ؑ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور جملہ اہل عالم پر لطف وکرم کرے اور امام ؑ کے ظہور سے عصر حاضر کو نوازے۔(۳۷۴)

امید ہے کہ یہ انقلاب ایک چنگاری اور الٰہی شعلہ ثابت ہو جو مظلوم طبقات کے درمیان ایک عظیم انقلاب برپا کرے اور اس سے حضرت بقیۃ اللہ (ارواحنا لمقدمہ الفداء) کے مبارک انقلاب کی صبح طلوع ہو۔(۳۷۵)

اسلامی انقلاب کا برآمد ہونا ظہور حجت ؑ کا پیش خیمہ

ہم انشاءاللہ اسلامی ملکوں کے اندر تمام ستمگروں کے ظالم ہاتھوں کو توڑ کر رکھ دیں گے اور اپنے انقلاب کو برآمد کر کے عالمی استعمار کے ظلم وستم، تسلط اور اقتدار کا خاتمہ کر دیں گے کیونکہ ہمارے انقلاب کو برآمد کرنا درحقیقت سچے اور برحق انقلاب کو برآمد کرنے اور تعلیمات محمدی ؐ کو آشکار کرنے سے عبارت ہے۔ یوں ہم اللہ کی مدد سے منجی کامل اور مصلح کل کے ظہور، نیز امام زمان ؑ کی برحق امامت مطلقہ کی راہ ہموار کریں گے۔(۳۷۶)

مستضعفین کا عالمگیر قیام

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کمزوروں اور مظلوموں کی دنیا میں انقلاب اسلامی کے منتقل ہونے کے امکانات پہلے سے زیادہ ہیں۔ استکباری، استعماری اور استبدادی قوتوں کے خلاف دنیا کے غریب اور مظلوم عوام کی جو تحریک شروع ہو چکی ہے اور مسلسل پھیل رہی ہے وہ ایک روشن مستقبل کی نوید دیتی ہے اور اللہ کے وعدے کو نزدیک سے نزدیکتر لا رہی ہے۔ گویا دنیا اپنے آپ کو اس بات کیلئے تیار کر رہی ہے کہ مکہ معظمہ کے افق سے آفتاب ولایت طلوع ہو جو محروم طبقات اور مستضعفین کی حکومت کی امیدوں کی آماجگاہ

ہے۔(۳۷۷)

امید ہے کہ دنیا کے مسلمان اور مستضعفین اٹھ کھڑے ہوں گے اور استکباری قوتوں سے اپنا حساب چکائیں، نیز وہ آل محمدؐ کے انقلاب کی راہیں ہموار کریں۔(۳۷۸)

ظلم کے خلاف قیام اور مسلمانوں کا اتحاد

انسان کو ظلم کے مقابلے میں قیام کرنا چاہیئے، ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، اپنا مکا مضبوط کرے اور ظالم کے منہ پر مارے اور اس بات کی اجازت نہ دے کہ ظلم اس قدر زیادہ ہو۔ یہ ایک مناسب فعل ہے۔ جناب! یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ امام زمانؑ کے انتظار کا مقصد یہ نہیں کہ ہم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں اور تسبیح ہاتھوں میں لے کر عَجِّلْ عَلیٰ فَرَجِہ کا ورد کرتے رہیں۔ تعجیل ظہور کیلئے آپ کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کو چاہئے کہ امامؑ کے ظہور کی راہ ہموار کریں۔ راہ ہموار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو متحد کریں، آپ سب متحد ہوں۔ اس طرح انشاءاللہ ان کا ظہور ہوگا۔(۳۷۹)

عالمگیر اسلامی حکومت مستضعفین کی امامت کی تمہید

آپ سب اسلام کے افتخار آفرین پرچم کے زیر سایہ جمع ہوں، نیز اسلام اور دنیا کے محروم لوگوں کے دشمنوں کے خلاف قیام کریں۔ یوں ایک ایسی اسلامی حکومت کی طرف آگے بڑھیں جو آزاد اور خود مختار ریاستوں پر مشتمل ہو۔ اگر ایسا ہو تو آپ تمام عالمی استعماری طاقتوں کو گھٹنوں کے بل گرا دیں گے اور تمام مستضعفین کو زمین کی امامت و وراثت کی منزل تک پہنچا دیں گے۔ امید ہے وہ دن آجائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔[۱] (۳۸۰)

عدل الٰہی کی عالمگیر حاکمیت

انہیں اس مقام تک پہنچنا چاہئے کہ اسلامی حکومت کا دائرہ ہر جگہ پھیل جائے، نیز اسلام کا عادلانہ نظام ہر جگہ پہنچ جائے۔ عدل اسلامی یہ ہے کہ دنیا میں موجود تما حکومتیں اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت کریں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مقصد بتدریج پورا ہوگا تا کہ اسلام کا عظیم عادلانہ نظام دنیا میں پھیل جائے اور تمام حکومتیں عادلانہ حکومتوں میں تبدیل ہو جائیں۔(۳۸۱)

۱۔ دیکھئے سورۂ نور، آیت/۵۵۔

بابرکت ظہور کے منتظر ہیں اس بات کے پابند ہیں کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ حضرت ولی عصر (عج) کے اس ملک میں اللہ کے عادلانہ نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، افتراق واختلاف، منافقت اور دھوکہ بازی سے اجتناب کریں، اللہ کی خوشنودی کو مدنظر رکھیں، قانون کے مقابلے میں سب سر تسلیم خم ہوں، صلح وآشتی، بھائی چارے اور مساوات کے ساتھ اسلامی انقلاب کی ترقی کیلئے کوشاں ہوں، اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں حاضر وناظر سمجھیں اور اسلامی احکام کی مخالفت نہ کریں۔ (۳۸۲)

امام اور شیعوں کا قیام صرف اللہ کیلئے

مجھے امید ہے کہ ہم سب امام زمانہؑ کی ٹیم کے ارکان ہوں گے اور ہم سب حضرت صاحب الزمانؑ کے پرچم تلے ان ذمہ داریوں پر عمل کریں گے جو اسلام اور قرآن نے ہمارے لئے معین کی ہیں، نیز مجھے امید ہے کہ ہم ظاہری اعمال میں حقیقی روح پھونکیں گے اور الفاظ کو حقیقی معانی کا لباس پہنائیں گے۔ حضرت صاحب الزمان (سلام اللہ علیہ) کو قائم کہنے کی وجہ شاید یہ ہو جس کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہوا ہے: ﴿قُلْ اِنَّما اَعِظُکُمْ بِواحِدَةٍ اَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنیٰ وَفُرادیٰ﴾ [1] یعنی ہم سب کو ایک ساتھ قیام کرنا چاہئے۔ سب سے اہم قیام اس فرد واحد کا قیام ہوگا۔ باقی لوگوں کو اس کے قیام کے ساتھ قیام کرنا چاہئے اور اللہ کی خاطر قیام کرنا چاہئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں ﴿قُلْ اِنَّما اَعِظُکُمْ بِواحِدَةٍ﴾ یعنی امت سے کہئے کہ میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ وہ نصیحت یہ ہے کہ تم قیام کرو اور تمہارا قیام اللہ کیلئے ہو۔ اللہ کیلئے قیام کرو۔ البتہ آپؑ اللہ کیلئے قیام فرمائیں گے۔ جو خدائی اور خلوص امامؑ کو حاصل ہوگا وہ دوسروں میں نہیں ہوگا لیکن آپؑ کے شیعوں کو بھی چاہئے کہ آپؑ کی پیروی کرتے ہوئے ﴿لِلّٰهِ﴾ یعنی اللہ کی خاطر قیام کریں۔ (۳۸۳)

۱۔ دیکھئے سورۂ سبا، آیت/۴۶۔

انتظار ظہور
نظریات واعتراضات

خالی انتظار کافی نہیں

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ دن آنے والا ہے جب اللہ کا قطعی وعدہ پورا ہوگا اور مستضعفین اس دنیا کے مالک بن جائیں گے۔[۱] یہ اللہ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا یہ اور بات ہے کہ ہم اس وقت موجود ہوں گے یا نہیں۔ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ممکن ہے کہ مختصر سی مدت میں اسباب ظہور فراہم ہوں اور آپ کے نور سے ہماری آنکھیں روشن ہوں۔ اہم چیز یہ ہے کہ آج اور اس دور میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ہم سب آپ کے وجود پاک کے منتظر ہیں لیکن صرف انتظار سے کام نہیں چلے گا بلکہ بہت سے لوگوں کی حالت تو انتظار کے منافی ہے۔ (۳۸۴)

انتظار امامؑ کے دو غلط مفہوم

آج میں جو چیز آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ ہے انتظار فرج کے بارے میں بعض افکار ونظریات۔ میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کروں گا۔

کچھ لوگ انتظار ظہور سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ مسجدوں، امام بارگاہوں اور گھروں میں بیٹھ کر دعا کرتے رہیں اور اللہ سے امام زمانؑ کے ظہور کی خواہش کریں۔ یہ نیک لوگ ہیں جو اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ ان میں سے ایک جسے میں پہچانتا تھا بہت ہی نیک انسان تھا۔ اس نے ایک گھوڑا بھی خرید رکھا تھا اور اس کے پاس ایک تلوار بھی تھی اور وہ حضرت صاحب العصرؑ کا منتظر تھا۔ یہ لوگ اپنی شرعی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے۔ نہی از منکر بھی کرتے تھے اور امر بالمعروف بھی اور بس۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کرتے تھے اور کچھ کر گزرنے کی فکر بھی نہیں کرتے تھے۔

ایک اور گروہ کا خیال یہ تھا کہ انتظار امامؑ سے مراد دنیا میں واقع ہونے والے واقعات وحالات سے لاتعلقی اختیار کرنا ہے۔ وہ کہتے تھے: ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ قوموں پہ کیا گزرتی ہے یا ہماری ملت پر

۱۔ دیکھئے سورۂ قصص، آیت ۵۔

کیا گزر رہی ہے۔ ہمیں تو اپنے کاموں سے غرض ہے۔ ہم اپنی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ دیگر کاموں کی روک تھام کیلئے خود حضرت حجت تشریف لائیں گے اور انشاء اللہ وہ اصلاح کریں گے۔ ہماری ذمہ داری ساقط ہے۔ ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ان کے ظہور کیلئے دعا کریں۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے یا ہمارے اپنے ملک میں کیا گزر رہا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کے لوگ تھے۔ یہ بھی اچھے اور نیک لوگ ہی تھے۔ (۲۸۵)

ان غلط نظریات کا جواب

اگر حضرت صاحب الزمان (سلام اللہ علیہ) خود مناسب سمجھیں تو بس خود ہی تشریف لے آئیں۔ ایک عالم دین (رحمۃ اللہ علیہ) یوں کہا کرتے تھے: "میرا دل اسلام کیلئے اتنا نہیں دکھتا جتنا حضرت صاحب کیلئے دکھتا ہے۔ جب وہ خود یہ حالت دیکھ رہے ہیں تو بس وہ خود ہی تشریف لے آئیں۔ میں کیوں زحمت اٹھاؤں؟"

یہ ان لوگوں کا طرز فکر ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ اسلام کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ لوگ جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ یہ اپنی طرف سے ایک چیز گڑھ لیتے ہیں۔ یہ لوگ ادھر ادھر سے دو ایک روایتیں ڈھونڈ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: "سلاطین اور حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرو اور ان کیلئے دعا کرو"۔ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ ان لوگوں نے قرآن کو نہیں پڑھا ہے۔ اس قسم کی سو روایات بھی مل جائیں تو انہیں دور پھینک دینا چاہئے کیونکہ یہ قرآن کی منافی ہیں، سیرت انبیاء کے خلاف ہیں اور در حقیقت حدیث نہیں ہیں۔

آپ ذرا ان ڈھیر ساری احادیث کا مطالعہ کریں جن میں ہے کہ "اگر تم اس بات کی تمنا کرو کہ یہ بادشاہ زندہ رہے تو تم بھی اسی کے ساتھی ہو"۔[۱] کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ کوئی شخص زندہ رہے اور ظلم کرتا رہے، لوگوں کو قتل کرتا رہے؟ کیا کوئی مسلمان اس شخص سے رابطہ رکھ سکتا ہے جو لوگوں کو مار

۱۔ جیسا کہ امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے صفوان جمال سے فرمایا: ﴿مَنْ اَحَبَّ بَقَاءَهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ كَانَ وَرَدَ النَّارَ﴾ یعنی جو ان کی بقا کا خواستگار ہو اس کا شمار انہی کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کا شمار ان کے ساتھ ہو وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۲، ص ۱۳۱؛ نیز یہی باب، ص ۱۲۸ تا ۱۳۱ احادیث نمبر ۲ تا ۱۶ ملاحظہ ہو)۔

ڈالتا ہے، عالم دین کو قتل کرتا ہے اور علماء کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے؟ اگر کسی مسلمان کو مسلمانوں کے امور کی فکر اور پروانہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے ﴿مَنْ اَصْبَحَ وَلَمْ یَهْتَمَّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ﴾۱ اگر چہ وہ لاکھ کہے: ﴿لا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ﴾۔(۳۸۶)

ظلم ستیزی کی تیاری ضرورت ہے

کچھ احادیث ہیں جن کی صحت وسقم کا مجھے اس وقت علم نہیں۔ان کے مطابق مومنین کیلئے مستحب ہے کہ وہ انتظار کے دوران اسلحہ بھی ساتھ رکھیں۔اسلحہ تیار رکھیں نہ یہ کہ اسلحہ ایک طرف پھینک کر منتظر رہیں۔ انہیں اسلحہ ساتھ رکھنا چاہئے تا کہ ظلم کا مقابلہ کریں، جور وظلم کا مقابلہ کریں۔یہ ایک ذمہ داری ہے۔یہ نہی از منکر ہے۔ہم سب کی شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم ان ظالم طاقتوں کا مقابلہ کریں خاص کر ان حکمرانوں کا جو اسلام کی اساس کے مخالف ہیں۔(۳۸۷)

تیسرا نظریہ: تعجیل ظہور کیلئے گناہوں کو پھیلاؤ

ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ خوب! اس عالم کو گناہوں سے بھر جانا چاہئے تا کہ امامؑ کا ظہور ہو۔ہمیں نہی از منکر نہیں کرنا چاہئے، امر بالمعروف بھی نہیں کرنا چاہئے تا کہ لوگ جو چاہیں کریں اور گناہوں میں اضافہ ہو تا کہ ظہور نزدیک ہو جائے۔(۳۸۸)

ان کا نظریہ یہ ہے کہ گناہوں میں اضافہ ہونے دو تا کہ حضرت صاحب الامرؑ آجائیں۔خوب! حضرت صاحب الامرؑ کس مقصد کے تحت آئیں گے؟ حضرت صاحب الامرؑ گناہوں کا خاتمہ کرنے کیلئے آئیں گے۔کیا یہ معقول ہے کہ آپ کی آمد کیلئے ہم گناہ کریں؟(۳۸۹)

احکام الٰہی کا تعطل اسلامی مسلّمات کے برخلاف

یہ نہ کہیں کہ امامؑ کے ظہور تک یونہی بیٹھے رہو۔کیا آپ کبھی نماز اس بہانے سے چھوڑتے ہیں کہ جب امامؑ آئیں گے تو پڑھ لیں گے؟ اسلام کی حفاظت تو نماز سے بھی زیادہ اہم اور واجب ہے۔خمین کے حاکم کا نظریہ نہ اپنائیں جو یہ کہتا تھا کہ گناہوں کی ترویج کرنی چاہئے تا کہ امامؑ تشریف لے آئیں" کیونکہ اگر گناہوں کا راج نہ ہو تو امامؑ کا ظہور نہیں ہوگا۔(۳۹۰)

۱۔وسائل الشیعہ، ج۱۱،ص۵۵۹، کتاب الامر بالمعروف، باب وجوب الاہتمام باموِر المسلمین، حدیث۱۔

بھی بعض منحرف جاہلوں کی طرح یہ ہے کہ امامؑ کے ظہور کی خاطر کفر و ظلم کی ترویج کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ ظلم دنیا پر چھا جائے اور اس طرح ظہور امامؑ کا راستہ ہموار ہو تو پھر ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن﴾ کہنا چاہیے۔(۳۹۱)

چوتھا نظریہ: ترویج گناہ کی دعوت

ایک گروہ اس سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ گناہوں کا ارتکاب کرنا چاہیے اور لوگوں کو گناہ کی دعوت دینی چاہیے تا کہ دنیا ظلم و جور سے بھر جائے اور امامؑ تشریف لائیں۔ یہ بھی ایک جماعت تھی جن کے درمیان منحرف لوگ بھی موجود تھے۔ سادہ لوح افراد بھی تھے اور ایسے منحرف لوگ بھی تھے جو بعض مقاصد کے تحت اس کا پرچار کرتے تھے۔(۳۹۲)

تعجیل ظہور کیلئے ظلم میں اضافہ

اگر یہ اسلامی جمہوریہ ختم ہو جائے تو اسلام اس طرح سے ہمیشہ کیلئے گوشہ نشین ہو جائے گا کہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے گا مگر عصر ظہور امامؑ میں۔ کیا آپ بھی حتماً یہی کہیں گے کہ ہمیں ایک ظالم اور کافر حکومت کو آگے لانا چاہیے تا کہ ظلم میں اضافہ ہو اور حضرتؑ کا جلد ظہور ہو؟ یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ ایسا کہنے والے موجود نہیں ہیں جبکہ ایسے افراد موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ عادلانہ نظام حکومت سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیے۔ ایسی حکومت کا راستہ روکنا چاہیے تا کہ امامؑ کا جلد ظہور ہو۔(۳۹۳)

شاہ کے خلاف تحریک کے دوران اس طرز فکر کا ظہور

کچھ رجعت پسند تقدس مآب لوگ ہر چیز کو حرام قرار دیتے تھے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ ان کے خلاف آواز بلند کرے۔ جب دین و سیاست کی جدائی کا نعرہ مؤثر ثابت ہوا اور جاہلوں کی نظر میں فقاہت انفرادی احکام اور عبادات میں غرق رہنے سے عبارت بن گئی تو نتیجتاً فقیہ کو بھی اس خول سے نکلنے اور سیاست و حکومت میں دخیل ہونے کا اختیار نہ رہا۔

جو کوئی ظلم کے ساتھ مخالفت اور مقابلے کا سو فیصد قائل نہ ہوتا وہ اظہار تقدس کرنے والوں کے دباؤ اور دھمکیوں کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ اس قسم کے نظریات کا پرچار کیا جاتا تھا کہ شاہ ظل اللہ ہے، انسانی بدن

کے ساتھ توپ اور ٹینک کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، جہاد اور مزاحمت ہمارے اوپر واجب نہیں، مقتولین کے خون کا ذمہ دار کون ہے اور سب سے زیادہ ہمت شکن یہ نعرہ تھا کہ امام زمانؑ کے ظہور سے پہلے ہر حکومت باطل ہے، نیز اس قسم کے دیگر ہزاروں سوالات و اعتراضات۔ یہ وہ کمر شکن اور عظیم مشکلات تھیں جن کی روک تھام نصیحت، منفی مزاحمت اور پروپیگنڈے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ واحد راہ حل مبارزہ، ایثار اور خون کا نذرانہ پیش کرنے کی روش تھی۔

تقدس کا اظہار کرنے والے بے شعور افراد کل تک یہ نعرہ لگاتے تھے کہ سیاست دین سے جدا ہے اور شاہ کی مخالفت حرام ہے لیکن یہی لوگ آج کہتے ہیں کہ حکومت اسلامی چلانے والے کمیونسٹ ہو گئے ہیں۔ کل تک یہ لوگ شراب فروشی، بے راہ روی، بے حیائی اور ظالموں کی حکومت کو امام زمانؑ کے ظہور کی خاطر مفید اور کارآمد سمجھتے تھے لیکن آج جب وہ ملک کے کسی گوشے میں شریعت کی معمولی سی مخالفت دیکھتے ہیں تو ہائے اسلام کی فریاد بلند کرتے ہیں حالانکہ حکومت کے ذمہ دار افراد اس خلاف شرع کام کے ہرگز خواہاں نہیں۔ کل تک انجمن حجتیہ والوں نے مزاحمت کو حرام قرار دے رکھا تھا اور مزاحمت کے عروج کے دوران اپنی پوری کوشش صرف کی تھی تاکہ پندرہ شعبان کے چراغاں کی ہڑتال کو شاہ کی حمایت میں توڑ دیں لیکن آج وہ انقلابیوں سے زیادہ انقلابی ہو چکے ہیں! کل کے ولایتی جنہوں نے اپنے سکوت اور انجماد کے ذریعے اسلام و مسلمین کی آبرو خاک میں ملا دی ہے انہوں نے درحقیقت پیغمبرؐ اور اہل بیت طاہرینؑ کی کمر توڑ دی ہے۔ ولایت کا نعرہ اور ٹھپہ صرف اور صرف مفادات کے حصول اور تعیش کا ایک ذریعہ و بہانہ تھا۔ آج وہ اپنے آپ کو ولایت کے بانی اور وارث قرار دیتے ہیں اور شاہ کے عہد کی ولایت کی حسرت کھاتے ہیں۔ (۳۹۴)

پانچواں نظریہ: عصر غیبت میں تشکیل حکومت باطل ہے

ایک اور گروہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ زمانہ غیبت میں جو بھی حکومت وجود میں آئے وہ باطل اور خلاف شرع ہے۔ یہ لوگ دھوکہ کھا گئے تھے۔ جو لوگ ڈرامہ باز نہ تھے وہ لوگ بعض احادیث و روایات کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ روایات کہتی ہیں کہ ظہور حجت سے قبل جو بھی پرچم بلند ہو وہ باطل ہے۔[۱] ان لوگوں

۱۔ ابوجعفر علیہ السلام سے مروی ہے: ﴿كُلُّ رايةٍ تُرفَعُ قَبلَ قِيامِ القائِمِ صاحِبُها طاغوتٌ﴾ (بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۱۱۴، کتاب الامامۃ، باب عقاب من ادعی الامامۃ بغیر حق، ح ۱۷۔

نے یہ خیال کیا تھا کہ جو بھی حکومت ہو وہ باطل ہے، حالانکہ ان روایات کا مقصود یہ ہے کہ کوئی حضرت مہدیؑ کے پرچم کے مقابلے میں مہدویت کا پرچم بلند کرے تو وہ باطل ہے۔

یہاں ہم اگر فرض کرتے ہیں کہ اس قسم کی روایات موجود ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب ہماری ذمہ داری ساقط ہے جو یقیناً ایک خلاف شرع بات ہے۔ کیا یہ کہنا قرآن کے منافی نہیں کہ ہمیں اس وقت تک گناہ کی کھلی چھٹی ہے جب تک رسولؐ یا امام زمانؑ نہ آئیں؟

حضرت صاحب العصرؑ کی تشریف آوری کا مقصد ہی کیا ہے؟ وہ مقصد یہ ہے کہ آپ عدل کو نافذ کریں، حکومت کو مضبوط کریں اور برائیوں کا قلع قمع کریں۔ کیا یہ درست ہے کہ ہم قرآنی آیات کی مخالفت کرتے ہوئے نہی از منکر کو چھوڑ دیں، امر بالمعروف چھوڑ دیں اور گناہوں کو وسعت دیں تا کہ حضرت کا ظہور ہو؟

امام عصرؑ کا ھدف ظلم اور گناہ سے جنگ

جب امامؑ کا ظہور ہوگا تو آپ کیا کریں گے؟ کیا امامؑ انہی کاموں کی ترویج کریں گے؟ کیا اب ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا اب انسانوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو گناہ کی دعوت دیں؟

ان لوگوں میں سے بعض تو ڈرامہ باز اور عیار ہیں جبکہ بعض بے وقوف اور نادان۔ ان کے خیال کے مطابق ہمیں آرام سے بیٹھ کر صدام کے حق میں دعا کرنی چاہئے۔ ان کے مطابق جو کوئی صدام کیلئے بددعا کرے وہ غلطی پر ہے کیونکہ حضرت حجتؑ کے ظہور میں کافی وقت ہے جبکہ صدام کے حق میں دعائے خیر سے برائیوں کی ترویج ہوگی۔ ان کے خیال میں ہمیں امریکہ، روس اور ان کے ایجنٹوں مثلاً صدام وغیرہ کے حق میں دعا گو رہنا چاہئے تا کہ یہ لوگ دنیا کو ظلم و جور سے پر کریں تو پھر امامؑ کا ظہور ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر امامؑ آ کر کیا اقدام کریں گے؟ امامؑ تو اس لئے آئیں گے کہ ظلم و جور کا خاتمہ کریں۔ یہی کام جو ہم کرتے ہیں یعنی ظلم و جور کے جاری رہنے کی دعا، امامؑ اسی کا خاتمہ کریں گے۔

اگر ہمارا بس چلے تو ہمیں دنیا سے ہر قسم کے ظلم و جور کا خاتمہ کرنا چاہئے۔ یہ ہماری شرعی ذمہ داری ہے لیکن کیا کریں کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ امامؑ عالم کو عدل و انصاف سے پر کریں گے لیکن اس کا

مقصد یہ نہیں کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو جائیں یا آپ کی ذمہ داری ساقط ہو جائے۔

احکام دین کا تعطل ہر گز ممکن نہیں

یہ جو کہا جاتا ہے کہ حکومت کی کوئی ضرورت نہیں اس کا لازمہ یہ ہے کہ بد نظمی پیدا ہو۔ اگر کسی ملک میں ایک سال تک کوئی حکومت اور کوئی نظام نہ ہو تو یہ ملک خرابیوں سے اس قدر بھر جائے گا جس کا کوئی حد وحساب نہیں جو یہ کہتا ہے کہ حکومت نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بد نظمی پیدا ہو گی، لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور ایک دوسرے پر ظلم کریں گے تا کہ امامؑ کا ظہور ہو۔ آخر امامؑ آ کر کیا اقدام کریں گے؟ امامؑ تو اس کا خاتمہ کریں گے۔

کوئی عاقل انسان اس قسم کی بات نہیں کر سکتا۔ جو ایسی بات کرے وہ یا تو سفیہ ہے یا مفاد پرست ہے یا اس کی بات ایک شیطانی سیاست کا حصہ ہے کہ ہم ان ظالموں سے کوئی سروکار نہ رکھیں تا کہ وہ جو چاہیں کرتے رہیں۔ اس قسم کا دعویٰ کرنے والا سخت نادان ہی ہو گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطانی سیاست کی کارستانی ہے۔ اسی طرح ملتوں، مسلمانوں اور دنیا کے دیگر لوگوں کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ کا کام سیاست نہیں۔ آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ سیاست سے مربوط امور کو بادشاہوں کے ہاتھوں میں ہی رہنے دو۔ یہ لوگ خدا سے یہی دعا کرتے تھے کہ عوام خواب غفلت میں پڑے رہیں اور سیاسی امور حکومت اور ظالموں کے حوالے کریں۔ نیز امریکہ، روس وغیرہ اور ان کے ایجنٹوں کے حوالے کریں اور یہ لوگ ہماری ہر چیز کو چھین لیں، مسلمانوں کی ہر چیز کو ہڑپ کر لیں، مستضعفین کی ہر چیز چھین لیں جبکہ ہم آرام سے بیٹھ کر یہ راگ الاپتے رہیں کہ حکومت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ایک احمقانہ بات ہے لیکن چونکہ ان کے پیچھے ان کافروں کے سیاسی مقاصد کارفرما تھے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کو بے وقوف بنایا اور کہا کہ آپ لوگ سیاست سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔ حکومت ہماری، آپ جائیں مسجدوں میں نماز پڑھیں۔ آپ کا ان سیاسی کاموں سے کیا سروکار؟

اس نظریئے کی ترویج، استعماری سازش

ہر پرچم اور ہر حکومت کو باطل قرار دینا انتظار ظہور کے منافی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ بات ان کے ذہنوں میں ڈالی گئی ہے تا کہ وہ ایسا کہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ وہ کیا بک رہے ہیں۔ حکومت

نہ ہوتو سارے لوگ ایک دوسرے کی جان لیں گے، ایک دوسرے کو قتل کریں گے، ماریں گے، ختم کریں گے اور قرآن کی صریح تعلیمات کی مخالفت پر آتر آئیں گے۔ اگر بالفرض دوسو روایات بھی اس بارے میں ہوتیں تو ہم سب کو دور پھینک دیتے کیونکہ یہ قرآنی آیات کی منافی ہیں۔ اگر کوئی حدیث نہی از منکر سے منع کرے تو اسے دیوار پر دے مارنا چاہئے۔ اس قسم کی حدیث قابل قبول نہیں۔ یہ احمق لوگ نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ حکومت کوئی بھی ہو حکومت ہے۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے: موجودہ حالات میں جو ایران میں ہیں اب ہمیں لوگوں کی اخلاقی تربیت نہیں کرنی چاہئے۔ اب ان اخلاقی باتوں کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ معلم اخلاق کی وہاں ضرورت ہے جہاں سارے لوگ خراب ہوں، تمام شراب خانے کھلے ہوں...

میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت فحاشی کے سارے مراکز کھلے ہیں شاید کوئی ایک آدھ اچھی جگہ ہو تو کیا اب اخلاقی تربیت کی ضرورت نہیں؟ یہ غلط، فضول اور باطل خیالات ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو...[۱] اگر سیاسی چال کارفرما ہوتی تو یہ ایک احمقانہ بات ہوتی لیکن انہیں معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں میدان سے باہر رکھیں البتہ اس وقت ہم دنیا کو عدل سے پر نہیں کر سکتے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو ہم ایسا کرتے۔

عالمگیر نظام عدل کیلئے جدوجہد کی ضرورت

اس وقت ہم دنیا کو عدل وانصاف سے پر کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اگر کر سکتے تو ضرور کرتے لیکن چونکہ ایسا نہیں کر سکتے لہذا امام کے ظہور کی ضرورت ہے۔

اس وقت دنیا ظلم سے پر ہے۔ آپ دنیا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ دنیا ظلم سے پر ہے۔ اگر ہم ظلم کا راستہ روک سکتے ہیں تو روکنا چاہئے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اسلام اور قرآن نے قطعی طور پر ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم سارے امور کو انجام دیں لیکن ہم اس پر قادر نہیں اور چونکہ ہم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے اسے آ کر یہ کام کرنا چاہئے۔ البتہ ہمیں چاہئے کہ اس کیلئے راہ ہموار کریں۔ راہ ہموار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کام کو آسان بنائیں اور اس طرح سے کام کریں کہ دنیا حضرت حجت کے ظہور کیلئے تیار ہو جائے۔ بہر حال یہ

۱۔ یہاں پر کیسٹ واضح نہیں ہے۔

مسلمانوں پر نازل ہونے والی کچھ مصیبتیں ہیں جو بیرونی سیاست کی پیداوار ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کا استحصال کریں اور ان کی عزت کو خاک میں ملا دیں۔ ادھر مسلمانوں نے بھی ان میں سے بہت سی باتوں پر یقین کر لیا ہے۔ شاید آج بھی بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حکومت نہیں ہونی چاہئے اور امامؑ کے زمانے میں حکومت قائم ہونی چاہئے۔ نیز آپ کے ظہور سے پہلے کی حکومتیں باطل ہیں۔ اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ بدنظمی وجود میں آئے اور دنیا تباہ ہو تاکہ امامؑ آئیں اور اسے ٹھیک کریں بلکہ ہم اسے ٹھیک کریں گے تاکہ حضرت مہدی (عج) تشریف لائیں۔ (۳۹۵)

دلائل امامت

اور عصر غیبت میں حکومت کی ضرورت کے دلائل کی یکسانیت

وہی دلائل جو نبوتؐ کے بعد امامتؑ کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ حضرت ولی عصر (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی غیبت کے دوران حکومت کی ضرورت کو بھی ثابت کرتی ہیں خاص کر اس حقیقت کی روشنی میں کہ آپ کی غیبت کے بعد اس قدر لمبی مدت گزر چکی ہے اور شاید یہ غیبت مزید کئی ہزار سالوں تک باقی رہے جس کا علم اللہ کو ہی ہے۔ خدا ہمیں اس طولانی غیبت سے بچائے۔

کیا یہ ایک معقول بات ہے کہ باری تعالیٰ جو حکیم ہے امت مسلمہ کو نظر انداز کر دے اور ان کی ذمہ داریوں کی تعیین نہ فرمائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرج ومرج اور بدنظمی پر راضی ہو جائے اور ایک ایسا قانون عطا نہ کرے جس سے اتمام حجت ہو اور لوگ اللہ پر اعتراض نہ کر سکیں؟ یہ تحقیق عدل کی ترویج، تعلیم وتربیت، حفظ نظام، دفع ظلم، سرحدوں کی حفاظت اور دشمنوں کے تجاوز کو روکنے کی خاطر حکومت کا قیام عقل سلیم کے نزدیک ایک واضح ضرورت ہے۔ عقل کا یہ فیصلہ ہر دور اور ہر علاقے کیلئے یکساں ہے۔ (۳۹۶)

ہر عصر میں تشکیل حکومت کی ضرورت

جیسا کہ امامؑ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے متعدد دلائل واسباب کی رو سے تشکیل حکومت اور ولی امر کی موجودگی لازم قرار پاتی ہیں۔ یہ عوامل واسباب اور دلائل عارضی یا کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ بنابریں تشکیل حکومت ایک ابدی ضرورت ہے جس طرح لوگوں کا اسلامی قوانین وحدود سے تجاوز کرنے اور دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صرف امیر المومنینؑ کے

دور میں تھا اور اس کے بعد لوگ فرشتہ بن گئے بلکہ اللہ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ لوگ عادلانہ زندگی گزاریں اور احکام الٰہی کے مطابق چلیں۔ یہ اللہ کی دائمی حکمت اور اس کا ابدی قانون ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔

بنابریں آج بھی اور ہمیشہ کیلئے ایک ولی امر کا وجود ضروری ہے جو اسلامی نظام اور قوانین کا نگہبان اور محافظ ہو جو ظلم و ستم اور دوسروں کے حقوق کی پامالی کا راستہ روکنے والا ہو، لوگوں کی امانتوں کا محافظ اور ان کا نگہبان ہو، اسلامی عقائد، تعلیمات اور احکام و نظام کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو، نیز ان بدعتوں کا قلع و قمع کرنے والا ہو جو دشمنان دین اور ملحدین، دین و شریعت اور اسلامی نظام کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ کیا امیر المومنین ؑ کی خلافت انہی مقاصد کیلئے نہ تھی؟ وہ علل و اسباب اور ضروریات جن کی وجہ سے آپ امام بنے تھے آج بھی موجود ہیں۔ البتہ اس فرق کے ساتھ کہ آج کوئی معین شخص سامنے نہیں ہے بلکہ اس کا عنوان اور کلی خاکہ موجود ہے[۱] تاکہ یہ ہمیشہ محفوظ رہے۔

پس اگر یہ ضروری ہو کہ اسلام کے احکام باقی رہیں، ظالم حکمرانوں کے دستبرد سے کمزور لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں، حکمران اقلیت تعیش و تلذذ اور مادی مفادات کے حصول کی خاطر لوگوں کا استحصال اور ان کو خراب نہ کرسکے، اسلامی نظام قائم رہے، تمام لوگ اسلام کے عادلانہ قوانین کی پابندی کریں، اس سے تجاوز نہ کریں، بدعتوں اور ان غیر اسلامی قوانین کی روک تھام ہو جنہیں خود ساختہ قانون ساز مجالس بناتی ہیں، نیز اگر یہ ضروری ہو کہ اسلامی ممالک میں اغیار کا اثر و نفوذ ختم ہو تو پھر حکومت کے بغیر چارہ نہیں۔ یہ امور حکومت اور سرکاری اداروں کے بغیر انجام نہیں پاسکتے۔ البتہ ایک صالح حکومت کی ضرورت ہے۔ ایک صالح سرپرست اور حکمران کا وجود ضروری ہے جو دیانتدار ہو ورنہ موجودہ حکمران اسلام کی کوئی خدمت نہیں کرسکتے کیونکہ یہ ظالم اور فاسد ہیں، یہ لوگ نااہل ہیں۔

چونکہ ماضی میں ہم نے اسلامی حکومت کی تشکیل اور خائن و بدکار حکمرانوں کے اقتدار کے خاتمے کیلئے

۱۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تشکیل حکومت اور عوام کی ہدایت کی ضرورت کیلئے ''ولی امر'' کا کلی عنوان مذکور ہے اور کسی خاص شخص، مثلاً حضرت امیر ؑ کا نام نہیں لیا گیا۔ بنابریں ہر زمانے میں اسلامی نظام کو چلانا اس شخص کی ذمہ داری ہے جسے ولی امر کہا جائے۔

مل کر اور اتفاق کے ساتھ قیام نہیں کیا، نیز کچھ لوگوں نے سستی کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ اسلامی عقاید ونظریات اور حکومت اسلامی کی تبلیغ سے پہلوتہی کی بلکہ الٹا ظالم حکمرانوں کے حمایتی اور دعا گو بن گئے اس لئے موجودہ حالات وجود میں آ گئے، معاشرے میں اسلام کا اثر ونفوذ کم ہوا، امت مسلمہ کمزور اور پراکندہ ہوگئی، اسلامی احکام معطل ہو کر رہ گئے، ان میں تحریف وتغییر واقع ہوا، استعماری طاقتوں نے اپنے منحوس مقاصد کی تکمیل کیلئے اپنے سیاسی ایجنٹوں کے ذریعے مسلمانوں کے اندر غیر ملکی قوانین اور اجنبی کلچر کو رائج کیا اور لوگوں کو مغرب زدہ بنا دیا۔ یہ سب اس لئے ہوا کیونکہ ہم سرپرست وحاکم اور اس کے منظم اداروں سے محروم رہے۔ ہمیں ایک صالح نظام حکومت کی ضرورت ہے۔ یہ ایک واضح اور بدیہی مسئلہ ہے۔(۳۹۷)

جن روایات سے نفی حکومت کیلئے استدلال کیا گیا ہے

یہ جاہل مولف[1] اپنی گئی گزری کتاب میں غیر معقول باتوں کو دین اور دینداروں سے منسوب کرتا ہے اور ان سے عجیب وغریب نتائج اخذ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "ہمارا آج کا دین کہتا ہے کہ حضرت قائم ؑ کے ظہور سے پہلے قائم ہونے والی ہر حکومت باطل ہے ﴿كُلُّ رَايَةٍ تُرْفَعُ قَبْلَ قِيامِ الْقائِمِ فَصاحِبُها طاغُوتٌ يَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾

وہ کہتا ہے کہ حکمران کا عمل اور اس کے ساتھ تعاون کفر کے برابر ہے ﴿سَأَلْتُهُ عَنْ عَمَلِ السُّلْطانِ، فَقالَ: الدُّخُولُ في أَعْمالِهِمْ وَالْعَوْنُ لَهُمْ وَالسَّعْيُ في حَوائِجِهِمْ عَدِيلُ الْكُفْرِ﴾

وہ کہتا ہے کہ امام کے علاوہ کسی کی معیت میں جنگ کرنا سور کا گوشت اور خون کھانے کے مترادف ہے، بلکہ حدیث صحیح میں دشمن کے ساتھ جنگ کیلئے تیار ہونے سے بھی منع کیا گیا ہے!

اس مولف نے بے سروپا باتیں کی ہیں اور مطالب کو خلط ملط کر کے رکھ دیا ہے۔ اس نے غیر معقول اعتراضات کئے ہیں۔ ان احادیث کا عادلانہ حکومت اسلامی کی تشکیل سے کوئی ربط نہیں ہے جسے ہر عاقل ضروری سمجھتا ہے بلکہ پہلی روایت کے دو احتمالات ہیں:

پہلی حدیث کا مقصود

ایک یہ کہ ممکن ہے یہ روایت حضرت ولی عصر ؑ کے ظہور سے مربوط ہو اور آپ کے ظہور کی علامات بیان

۱۔ اس سے مراد "اسرار ہزار سالہ" نامی کتاب کا مصنف یعنی "کسروی" ہے۔

کر رہی ہو اور یہ کہنا چاہتی ہو کہ ظہور امام سے پہلے پرچم امامت کے طور پر جو پرچم ظاہر ہوں وہ باطل ہیں۔ چنانچہ انہی روایات میں علائم ظہور کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ شاید یہ عصر ظہور تک اس دنیا میں بننے والی حکومتوں کے بارے میں ایک پیشنگوئی ہو کہ ان میں سے کوئی حکومت اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھائے گی جیسا کہ ابھی تک یہی ہوتا رہا ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حکومت کے بعد آپ اس دنیا میں کونسی حکومت دکھا سکتے ہیں جو عدل پر مبنی ہو، نیز اس کا حاکم سرکش اور حق کا مخالف نہ ہو؟

حکومت اسلامی کی تشکیل و حفاظت ائمہ کے قول و فعل کی روشنی میں

ممکن ہے کوئی اس بات کا انکار کرے کہ حکومتیں جابرانہ ہیں اور حکومت حق کی تشکیل تک کوئی شخص ان کی اصلاح نہیں کرسکتا لیکن اس کا اس بات سے کیا ربط کہ عدل پر مبنی حکومت نہیں بنانی چاہئے؟ اس کے برعکس اگر کوئی شخص ہماری احادیث سے معمولی آگاہی بھی رکھتا ہو تو وہ جان لے گا کہ شیعوں کے ائمہ ؑ اپنے دور کی حکومتوں کو ظالم سمجھتے تھے لیکن ان کے ساتھ ائمہ ؑ کا جو رویہ تھا اسے آپ خوب سمجھتے ہیں۔ ائمہ ؑ اسلامی مملکت کی حفاظت کیلئے ان کی رہنمائی اور فکری و عملی کمک سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ ظالم خلفا کے دور میں کافروں کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں بھی شیعہ پیش پیش تھے۔ اہم جنگیں اور اسلامی لشکر کی قابل ذکر فتوحات یا تو شیعوں کے ذریعے وجود پذیر ہوئیں یا ان کی قابل قدر مدد کے طفیل جیسا کہ باخبر لوگ کہتے ہیں اور تاریخ گواہی دیتی ہے۔

آپ سب کو علم ہے کہ بنی امیہ کی حکومت مسلمانوں کی بدترین اور ظالم ترین حکومت تھی۔ آل رسول ؐ اور اولاد علی ابن ابی طالب ؑ کے ساتھ ان کے سلوک سے آپ سب آگاہ ہیں۔ علی ابن الحسین زین العابدین ؑ کے ساتھ ان کی بدسلوکی اور ان کے ظلم و ستم کی شدت دیگر بنی ہاشم کی نسبت زیادہ تھی۔ اس کے باوجود آپ دیکھیں کہ علی ابن الحسین ؑ اس وحشیانہ اور ظالمانہ حکومت کے ساتھ کس قدر لگاؤ کا اظہار فرماتے ہیں۔ صحیفۂ سجادیہ ؑ میں فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَحَصِّنْ ثُغُورَ الْمُسْلِمِينَ بِعِزَّتِكَ وَاَيِّدْ حُماتَها بِقُوَّتِكَ وَاَسْبِغْ عَطاياهُمْ مِنْ جِدَتِكَ... وَكَثِّرْ عِدَّتَهُمْ وَاشْحَذْ اَسْلِحَتَهُمْ وَاحْرُسْ حَوزَتَهُمْ وَامْنَعْ

حُرُمَتَهُمْ وَأَلِّفْ جَمْعَهُمْ وَدَبِّرْ أَمْرَهُمْ وَوَاتِرْ بَيْنَ مِيَرِهِمْ وَتَوَحَّدْ بِكِفَايَةِ مُؤَنِهِمْ وَاعْضُدْهُمْ بِالنَّصْرِ وَأَعِنْهُمْ بِالصَّبْرِ وَالْطُفْ لَهُمْ فِي الْمَكْرِ...﴾۱

یہ دعا تقریباً آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں فوجیوں کیلئے جو دستور و احکام بیان ہوئے ہیں اس کی تشریح کیلئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔(۳۹۸)

عقل و شریعت کا واضح فیصلہ ہے کہ رسول اکرمؐ کے زمانے اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے عہد میں جو چیزیں ضروری تھیں یعنی حکومت، نظام اور انتظامیہ وہ ان کے بعد ہمارے دور میں بھی ضروری ہیں۔

عصر غیبت میں تشکیل حکومت کی ضرورت

اس نکتے کی وضاحت کیلئے ہم یہ سوال پیش کرتے ہیں: غیبت صغریٰ۲ سے لے کر اب تک تقریباً ایک ہزار سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔عین ممکن ہے کہ مزید ایک لاکھ سال گزر جائیں اور امامؑ کے ظہور میں اب تک مصلحت نہ ہو۔تو اب کیا اس طویل عرصے کے دوران احکام دین کو معطل رہنا چاہئے اور لوگوں کو من مانی کی اجازت ہونی چاہئے؟ کیا ہرج ومرج اور بدنظمی کی کھلی چھٹی ہو؟ کیا اللہ کے قوانین جن کی تبیین و تبلیغ اور ترویج میں رسول اکرمؐ نے تئیس سالوں تک کمر شکن مشکلات کا مقابلہ کیا، صرف ایک محدود مدت کیلئے تھے؟ کیا اللہ نے اپنے قوانین کے نفاذ کو صرف دوسو سالوں تک محدود رکھا تھا؟ کیا غیبت صغریٰ کے بعد

۱۔پروردگارا! محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما۔مسلمانوں کی سرحدوں کو اپنی قدرت سے محفوظ رکھ۔اپنی قوت سے ان سرحدوں کے محافظوں کی مدد فرما۔اپنی تونگری سے ان کی بخشش میں فراوانی کر...ان کی تعداد میں اضافہ فرما۔ان کے اسلحوں کو تیزی دے۔ان کے اردگرد کی حفاظت فرما۔ان کے مضافات کی نگہداری فرما۔ان کی جمعیت کو پیوند و الفت عطا فرما۔ان کے امور کو ٹھیک کر۔ان کی خوراک کو مسلسل نازل فرما۔ان کی مشکلات کو تو اکیلے ہی حل فرما۔مدد کے ذریعے ان کی پشت پناہی کر۔صبر کے ذریعے ان کی اعانت فرما۔مکر و فریب کے معاملے میں ان پر لطف فرما۔(یعنی دشمن کو فریب دینے میں انہیں زیرکی دے تاکہ دشمن ملتفت نہ ہو یا دشمن کے فریب سے انہیں بچا تاکہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے)(صحیفہ سجادیہ، دعا نمبر/۲۷)۔

۲۔شیعوں کے بارہواں امام حضرت حجت بن الحسنؑ ۲۶۰ھ ق، میں نظروں سے مستور ہوئے۔اس وقت سے لے کر ۳۲۹ھ ق، تک آپ کے ساتھ شیعوں کا رابطہ نواب اربعہ ''عثمان بن سعید، محمد بن عثمان، حسین بن روح اور علی بن محمد'' کے ذریعے برقرار تھا۔اس دور کو غیبت صغریٰ کا دور کہتے ہیں۔اس کے بعد غیبت کبریٰ کا دور شروع ہوا۔

اسلام نے اپنی ہر چیز کو خیر باد کہہ دیا؟

ان باتوں کا معتقد ہونا یا ان کا اظہار کرنا اس سے بھی بدتر ہے کہ انسان اسلام کے منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب اسلامی مملکت کی سرحدوں اور سرزمین کی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی یا یہ کہ اب لوگوں سے ٹیکس، جزیہ [۱]، خراج [۲] خمس اور زکات لینے کا سلسلہ ختم ہونا چاہئے، نیز اسلام کے فوجداری اور دیات وقصاص سے مربوط قوانین کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ جو شخص یہ کہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل ضروری نہیں وہ اسلامی احکام کے نفاذ کی ضرورت کا منکر محسوب ہوگا۔ یہ بات احکام شرع کی جامعیت اور دین اسلام کی ابدیت و جاودانگی کا انکار ہے۔(۳۹۹)

حکومت اسلامی کی تشکیل کا عقیدہ اور نظریہ ولایت

اسی طرح اس مقصد تک رسائی کیلئے جدو جہد کرنا بھی ولایت پر اعتقاد کا لازمہ ہے... چونکہ ہم ولایت کے معتقد ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے اپنا جانشین معین کیا تھا، نیز اللہ نے آپؐ کو مسلمانوں کے "ولی امر" اور اپنے خلیفہ کی تعیین کا حکم دیا تھا تو اب ہمیں تشکیل حکومت کی ضرورت کا بھی معتقد ہونا چاہئے اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نظام وجود میں آئے جو اسلام کے احکام کا نافذ کرے اور امور کو چلائے۔ اسلامی حکومت کے قیام کیلئے جدو جہد کرنا ولایت پر اعتقاد رکھنے کا لازمہ ہے۔(۴۰۰)

احکام اسلامی کی بقا حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے

اب جبکہ امامؑ غائب ہیں اور دوسری طرف سے حکومت سے مربوط اسلامی قوانین کی بقا ضروری ہے، نیز بدنظمی اور ہرج ومرج جائز نہیں اس لئے حکومت کی تشکیل ضروری ٹھہرتی ہے۔ ہماری عقل بھی ہم سے یہی کہتی ہے کہ سرکاری ادارے ضروری ہیں تا کہ اگر ہم پہ حملہ ہو تو ہم اس کا مقابلہ کرسکیں اگر مسلمانوں کی ناموس پر حملہ ہو تو ہم اس کا بچاؤ کرسکیں۔

۱۔ جزیہ وہ ٹیکس ہے جو اہل کتاب اسلامی حکومت کو ادا کرتے ہیں۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرتی ہے۔

۲۔ خراج وہ ٹیکس ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح شدہ زمینوں پر اسلامی حکومت عاید کرتی ہے۔ ان زمینوں کو "اراضی خراجیہ" کہتے ہیں۔

شریعت مقدسہ نے بھی حکم دیا ہے کہ جو تمہارے اوپر تجاوز کرنے کے درپے ہوں تم بھی ان کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہو۔ لوگ ایک دوسرے پر جو تجاوز اور تعدی کرتے ہیں ان کی روک تھام کیلئے بھی حکومت اور عدلیہ کی موجودگی ضروری ہے۔ چونکہ یہ امر خواہ ناخواہ واقع ہوتا ہے اس لئے تشکیل حکومت کی ضرورت ہے۔

آج جبکہ عصر غیبت میں اللہ کی طرف سے کوئی خاص شخص حکومت چلانے کیلئے معین نہیں ہوا ہے ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ کیا آپ اسلام کو خیرباد کہہ دیں گے؟ کیا اب ہمیں اسلام کی ضرورت نہیں رہی؟ کیا اسلام صرف دو صدیوں کیلئے تھا یا یہ کہ اسلام نے ہماری ذمہ داریاں تو بیان کی ہیں لیکن حکومت سے مربوط ہماری کوئی ذمہ داری نہیں؟

حکومت نہ ہو تو اسلام کی تمام سرحدیں ختم ہو جائیں گی۔ کیا اس کے باوجود ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے آرام سے بیٹھ جائیں تاکہ وہ لوگ جو چاہیں کریں؟ کیا یہ کہنا درست ہے کہ ہم اگر ان ظالم حکام کی حمایت نہ کریں تو کم از کم خاموش ہی رہنا چاہئے یا نہیں؟ بلکہ حکومت ضروری ہے اور اگرچہ اللہ نے عصر غیبت میں کسی خاص شخص کو حاکم معین نہیں فرمایا ہے لیکن اسلامی حکومت کی خصوصیات کو جو صدر اسلام سے لے کر حضرت صاحب العصرؑ کے دور تک موجود تھیں عصر غیبت کیلئے بھی ضروری گردانا ہے۔ (۴۰۱)

دوسری روایت کا جواب

اب ہم اس حدیث پر بحث کرتے ہیں جو یہ کہتی ہے کہ امور حکومت میں دخیل ہونا، حکمران سے تعاون کرنا اور اس کی حاجت روائی کرنا کفر کے مترادف ہے۔[1]

واضح ہو کہ یہ جاہل (کسروی) نقل روایات میں خیانت سے کام لیتا ہے جیسا کہ آپ اب تک دیکھتے آئے ہیں اور اس کی عادت بھی یہی ہے ورنہ بات اتنی واضح ہے کہ ہمیں مزید توضیح کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ روایت اور اس طرح کی بہت سی دیگر روایات اس بات سے منع کرتی ہیں کہ انسان ظلم و ستم میں کسی حکومت کی مدد کرنے کیلئے حکومت میں داخل نہ ہو۔ واضح ہے کہ یہ بات دنیا کے تمام قوانین میں ممنوع ہے۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جو بھی حکمران کہلائے وہ لوگوں کی جان و مال اور ناموس کا حاکم مطلق بن جاتا

۱۔ اس حدیث پر تنقیدی اعتراض کتاب ہذا کے صفحہ ۳۱۱ میں مذکور ہے۔

ہے؟ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ڈکٹیٹروں کے کارندوں پر لعن طعن کیوں ہوتی ہے اور انہیں کیوں اس قدر برا بھلا کہا جاتا ہے؟

ظالموں کی حکومت میں شمولیت کا جواز

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اسی استبدادی حکومت کے تباہ کن اداروں میں بھی اگر کوئی شخص خرابیوں کی روک تھام، نیز ملکی اور عوامی امور کی اصلاح کی خاطر داخل ہو تو یہ اچھا کام ہے بلکہ ایسا کرنا گاہے واجب ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بہتر ہے کہ قارئین فقہا کی کتابوں کے ان ابواب کا مطالعہ کریں جن میں ظالم حکمرانوں کی طرف سے والی اور ملازم بننے کا ذکر ہے اور دیکھیں کہ فقہا کیا فرماتے ہیں۔ یہاں ہم استاد الفقہاء شیخ مرتضی انصاری[1] کی کتاب ''المکاسب'' کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

شیخ انصاری ؒ کا نقطہ نظر

شیخ بزرگوار فرماتے ہیں: ''ظالموں کا والی بننا دو صورتوں میں جائز ہے۔ ان میں سے ایک بندگان خدا کے حقوق کا تحفظ ہے جس میں بظاہر کوئی اختلاف نہیں چنانچہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے امور میں دخیل ہونا جائز ہے اگر انسان کسی حقدار کا حق اس تک پہنچا سکے۔ یہ بات اجماع علما، حدیث صحیح اور قول خداوندی سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف ؑ پیغمبر کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ ''[2]

شیخ انصاری ؒ اس کے بعد اس سلسلے میں بعض احادیث نقل فرماتے ہیں جن میں سے ایک روایت وہ ہے جس میں حضرت امام صادق ؑ سے سوال ہوتا ہے کہ آل محمد ؐ کا ایک محب سرکاری ملازم ہے اور حکومت کے پرچم تلے قتل ہوتا ہے۔ اس شخص کا حال کیا ہوگا؟ آپ جواب دیتے ہیں کہ اللہ اس شخص کو اس کی نیت کے ساتھ محشور فرمائے گا۔ پھر وہ رجال کشی سے محمد بن اسماعیل بن بزیع کے بارے میں حضرت موسیٰ بن جعفر ؑ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ محمد بن اسماعیل ائمہ ؑ کے عظیم اصحاب میں سے ایک

۱۔ شیخ مرتضی انصاری (۱۲۱۴۔۱۲۸۱) خاتم الفقہا والمجتہدین کے لقب سے معروف ہیں۔ وہ صحابی رسول جابر بن عبداللہ انصاری کی نسل سے ہیں۔ شیخ کی اہم ترین کتابوں میں رسائل، مکاسب اور طہارت شامل ہیں۔

۲۔ مجھے ملک کے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دے۔ (سورۂ یوسف/۵۵)

تھے اور منصور کی حکومت میں کام کرتے تھے۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی زبردست تعریف وتمجید کی گئی ہے جو ظالم حکمرانوں کے درباروں میں داخل ہو کر ملک وملت کی بہتری کیلئے کام کرتے ہیں۔ اس تعریف وتمجید کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''یہ لوگ حقیقی مومن ہیں، یہ لوگ زمین میں نور خدا کی آماجگاہ ہیں، یہ لوگ عوام کے درمیان اللہ کا نور ہیں، ان لوگوں کا نور آسمان والوں کو اس طرح روشنی دیتا ہے جس طرح آسمان کے درخشندہ ستارے زمین والوں کو روشنی بخشتے ہیں۔ بہشت ان لوگوں کیلئے خلق ہوئی ہے اور وہ بہشت کیلئے''۔

عظیم المرتبت شیخ انصاری ؒ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''حکمرانوں کے امور میں داخل ہونا اور حکومت میں شمولیت گاہے واجب ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب امر بالمعروف اور نہ از منکر واجب ہوں اور اس واجب کی ادائیگی حکومت میں شمولیت پر موقوف ہو''۔[۱]

یہ احمق اور مفسد عناصر حکومت اور عوام کو دینداری اور دینداروں خاص کر علماء سے بدظن کرنے کیلئے کتابوں کو کھنگالتے ہیں اور کوئی حدیث ڈھونڈ لیتے ہیں۔ پھر وہ یہ بتائے بغیر کہ یہ حدیث کس چیز کے بارے میں ہے لوگوں کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ یہ عناصر اس بات سے غافل ہیں کہ ان اوراق کو پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد کم از کم تاریخ اسلام سے سروکار تو رکھتی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ائمہؑ کے بعض خاص اصحاب اور آل محمدؑ کے بعض خاص محب سرکاری عہدوں پر فائز تھے اور ائمہ معصومینؑ ان کی تائید اور تعریف فرماتے تھے۔ ان لوگو میں علی ابن یقطین[۲]، محمد بن اسماعیل بن بزیع اور اہواز کے والی عبداللہ نجاشی وغیرہ کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ہمارے بزرگ علماء میں سے کچھ سلاطین کے درباروں میں جاتے تھے جیسا کہ ہم قبل ازیں ان کا نام لے چکے ہیں۔

۱۔ مکاسب محرمہ، ص ۵۵ و ۵۶۔

۲۔ علی ابن یقطین (۱۲۴۔۱۸۲) کے والد بنی امیہ کے دور میں بنی عباس کے داعی تھے۔ اس لئے جب بنی عباس کو حکومت ملی تو علی بن یقطین کو ان کے ہاں مرتبہ ومقام حاصل ہو گیا یہاں تک کہ ہارون رشید نے انہیں اپنا وزیر بنالیا۔ اس کے باوجود وہ امام کاظمؑ سے مربوط بھی رہتے تھے۔ وہ آپؑ کی اطاعت کو واجب سمجھتے تھے اور آپؑ کی اطاعت کی سعی کرتے تھے۔

تیسری حدیث کا جواب

رہی تیسری حدیث جو کہتی ہے کہ غیر امام کے پرچم تلے جنگ کرنا سور کا گوشت اور خون کھانے کے مترادف ہے[1] تو واضح ہو کہ یہ جاہل اور احمق (کسروی) بغیر سوچے سمجھے اور فقہا کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر بکواس کرتا ہے۔

اسلام کی نظر میں جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کو جہاد کہا جاتا ہے۔ جہاد سے مراد ملک گیری کی جنگ ہے البتہ شریعت میں مذکور شرائط کے ساتھ۔ دوسری قسم کی جنگ وہ ہے جو ملکی سالمیت اور دشمنوں سے بچاؤ کیلئے لڑی جاتی ہے۔ جہاد جو ملک گیری اور کشور کشائی سے عبارت ہے کا مرحلہ تب آتا ہے جب امام کی موجودگی میں یا امام کے حکم سے حکومت اسلامی کی تشکیل عمل میں آئے۔ اس صورت میں اسلام تمام مردوں پر واجب قرار دیتا ہے کہ وہ کشور کشائی کیلئے حاضر ہوں اور اسلام کے قوانین کو دنیا کے تمام ممالک میں پھیلائیں۔ البتہ اس شرط کے ساتھ کے یہ مسلمان بالغ ہوں؛ بیمار، اپاہج اور جنگ سے عاجز نہ ہوں اور غلام نہ ہوں۔

اذن امام کے شرط ہونے میں جہاد اور دفاع کا فرق

بے شک اسلامی حکومت کی تشکیل امام کے ذریعے یا امام کے حکم سے ہونی چاہئے تاکہ کشور کشائی ہو سکے۔ وگرنہ یہ کشور کشائی بھی دوسرے لوگوں کی ملک گیری کے مانند بن جائے گی جو خلاف عقل ہونے کے علاوہ ظلم وستم کی ایک شکل ہے۔ اسلام، تمدن اور عدل اسلامی اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔

ہر عصر میں دفاع کے وجوب پر استدلال

رہی اسلامی جنگوں کی دوسری قسم جسے ''دفاع'' کہا جاتا ہے تو یہ وہ جنگ ہے جو ملکی سالمیت اور امن اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کیلئے لڑی جاتی ہے۔ اس جنگ کا وجوب امامؑ یا نائب امام کے وجود سے ہرگز مشروط نہیں ہے۔ کسی مجتہد نے آج تک یہ نہیں کہا ہے کہ دفاع کی جنگ امام یا اس کے نمائندے کے پرچم تلے لڑی جانی چاہئے بلکہ اسلام کی طرف سے عوام کے تمام طبقات پر واجب ہے کہ وہ اسلامی مملکت کی حفاظت کریں، نیز اس کی سالمیت اور خودمختاری پر آنچ نہ آنے دیں۔

۱۔ اس حدیث پر تنقیدی اعتراض کتاب ہذا کے صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۹ میں مذکور ہے۔

یہاں ہم اس بارے میں فقہاء کی عبارات کو نقل کرتے ہیں:

﴿وَقَدْ يَجِبُ الْمُحارَبَةُ عَلىٰ وَجْهِ الدَّفْعِ مِنْ دُونِ وُجُودِ الإمامِ وَلا مَنْصُوبِهِ كانْ يَكُونَ بَيْنَ قَومٍ يَغْشِيهُمْ عَدُوٌّ يُخْشىٰ مِنْهُ عَلىٰ بَيْضَةِ الإسْلامِ أوْ يُرِيدُ الإسْتِيلاءَ عَلىٰ بِلادِهِمْ أوْ أسْرَهُمْ أوْ أخْذَ مالِهِم﴾

یعنی کبھی دفاع کی خاطر جنگ واجب ہوتی ہے۔اگر چہ امام یا اس کا نائب موجود نہ ہو۔مثال کے طور پر اس وقت جب انسان کسی جماعت کے ساتھ موجود ہو اور کوئی دشمن ان پر حملہ کرے اور اس دشمن سے اسلام کے مرکز کو خطرہ ہو یا وہ دشمن مسلمان علاقوں پر تسلّط جمانا یا مسلمانوں کو اسیر بنانا یا ان کا مال چھیننا چاہے ان تمام صورتوں میں لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے ملک اپنی جان اور اپنے مال کا دفاع کریں اور دشمنوں سے جنگ کریں۔

اے احمقو! وہ اسلام جو کہتا ہے:

﴿قاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَما يُقاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً﴾[۱] کیا یہ کہے گا کہ آرام سے بیٹھ جاؤ تا کہ دوسروں کا لقمہ تر بن جاؤ؟

جو اسلام کہتا ہے: ﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾[۲] کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جاؤ تا کہ دشمن تم پر غالب آ جائیں؟

کیا وہ اسلام جو کہتا ہے: ﴿وَقاتِلُوا في سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقاتِلُونَكُم﴾[۳] دوسروں کے آگے سر تسلیم خم ہونے کا حکم دے گا؟

وہ اسلام جو کہتا ہے: ﴿وَالْخَيْرُ كُلُّهُ في السَّيْفِ وَتَحْتَ ظِلِّ السَّيْفِ﴾

نیز کہتا ہے: ﴿وَلا يُقِيمُ النّاسَ اِلاّ السَّيْفُ﴾

۱۔اور تم سب مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں۔(سورۂ توبہ/۳۶)

۲۔وہ (مشرکین) جہاں کہیں ملیں انہیں قتل کر دو اور جس طرح انہوں نے تمہیں نکال باہر کیا ہے اسی طرح تم بھی انہیں نکال دو۔ (سورۂ بقرہ/۱۹۱)

۳۔اور راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔(سورۂ بقرہ/۱۹۰)

نیز کہتا ہے: ﴿وَالسُّیُوفُ مَقَالِیدُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ﴾

نیز کہتا ہے: ﴿وَلِلْجَنَّةِ بَابٌ یُقَالُ لَهُ بَابُ الْمُجَاهِدِینَ﴾[1]

نیز جو اسلام کی طرح کی دیگر سینکڑوں آیات واحادیث میں دشمنوں سے جنگ اور ملکی سالمیت وخودمختاری کی حفاظت کی ترغیب دیتا ہے کیا وہ لوگوں کو جنگ و جہاد اور جدو جہد سے روک سکتا ہے؟ (۴۰۲)

۱۔ اچھائی ساری کی ساری تلوار میں ہے اور تلوار کے سائے میں ہے: نیز لوگوں کو تلوار کے علاوہ کوئی اور چیز سیدھا نہیں رکھ سکتی؛ نیز تلواریں جنت اور دوزخ کی چابیاں ہیں؛ نیز بہشت کا ایک دروازہ ہے جسے مجاہدین کا دروازہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ:

متن میں ذکر شدہ جملے مختلف احادیث کے حصے ہیں۔ دیکھئے وسائل الشیعہ، ج ۱۱ ص ۵ تا ۱۱ کتاب الجہاد، باب ۱۔

حصۂ ششم

تشیّع

ائمّہ علیہم السلام کا مذہب

تشیع، حقیقی اسلام

تشیع، حقیقی اسلام کے علاوہ کچھ نہیں۔(۴۰۳)

مذہب تشیع ایک انقلابی مکتب فکر ہے۔ یہ پیغمبرؐ کے حقیقی اسلام کا دوام ہے۔ خود شیعوں کی طرح مذہب تشیع بھی استکباری اور استعماری قوتوں کے شرمناک حملوں کی زد میں رہا ہے۔(۴۰۴)

وحی اور ولایت تشیع کے دو مآخذ

ہم ایک ایسے مذہب کے پیروکار ہیں جس کی رو سے ہم ان دونوں مآخذ سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک ماخذ وحی ہے اور دوسرا ماخذ ولایت ہے۔ دیگر فرقوں کے ہاں یہ دوسرا ماخذ مفقود ہے۔(۴۰۵)

تشیع کی ذاتی خصوصیت

تشیع کی ابتدا سے لے کر اب تک اس مذہب کی ایک ذاتی خصوصیت ظلم واستبداد کے مقابلے میں قیام ہے۔ شیعوں کی پوری تاریخ میں یہ خصوصیت عیاں ہے اگرچہ ظلم واستبدادیت کے مقابلے میں ان مبارزات کا عروج بعض مواقع پر ہی نظر آتا ہے۔(۴۰۶)

خون چکاں تشیع

اسلام کی عظیم ملت نے مسجد کوفہ کے محراب سے لے کر کربلا کے قابل فخر صحرا تک تشیع کی خونچکاں اور گرانقدر تاریخ میں اسلام اور اللہ کی راہ میں ہمیشہ عظیم قربانیاں پیش کی ہیں۔(۴۰۷)

مذہب تشیع اور خون وشمشیر

دین اسلام خاص کر عالم تشیع نے صدر اسلام سے لے کر اب تک کی پوری تاریخ میں خون وشمشیر کے میدانوں میں روشن مثالیں قائم کی ہیں، نیز احکام قرآن، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت ائمہ معصومین علیہم السلام کی

روشنی میں اسلام کے مقدس اہداف و مقاصد کے حصول اور خرابیوں کی بیخ کنی کی خاطر خون و شمشیر کی جنگ لڑی ہے اور اس مقدس مشن کی راہ میں گرانقدر قربانیاں پیش کی ہیں۔(۴۰۸)

مظلوموں کی حمایت میں مسلسل جہاد

ہمیں چاہئے کہ اس گھرانے کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیں۔ ہماری عورتوں کو ان کی عورتوں کے نقش قدم پر اور ہمارے مردوں کو ان کے مردوں کے نقش قدم پر خلاصہ یہ کہ ہم سب کو ان سب کی سیرت کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں مظلوموں کی حمایت اور قوانین الٰہیہ کی حمایت کیلئے وقف کی ہیں۔ تاریخ اسلام سے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ اس گھرانے کے ہر فرد نے ایک انسان کامل بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک خدائی اور روحانی انسان کی طرح لوگوں اور مظلوموں کی خاطر قیام کیا ہے یعنی ان لوگوں کا مقابلہ کیا ہے جو مستضعفین کا خاتمہ چاہتے تھے۔(۴۰۹)

اسلام کی سربلندی کیلئے مشکلات کا مقابلہ

ہم نے خون دیا ہے اور شہدا کی قربانیاں پیش کی ہیں۔ اسلام نے خون اور شہید دئے ہیں۔ ہم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور علی بن الحسین علیہ السلام جیسی ہستیوں کی شگافتہ شدہ پیشانیوں کی قربانی دی ہے۔ ہم نے نیزوں پر چڑھنے والے سروں کی قربان دی ہے۔ مثال کے طور پر سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے اصحاب واعوان کی قربانی۔ اسلام نے ہر دور میں خون، شمشیر اور اسلحہ کے سائے میں پیشرفت کی ہے اور اپنا تعارف پیش کیا ہے۔ ہمارے اولیا قتل ہوئے ہیں یا زہر سے مارے گئے ہیں یا تلوار سے۔ ہمارے اولیا میں سے بھی بعض زندانوں میں رہے ہیں اور بعض نے جلاوطنی کی زندگی گزاری ہے۔(۴۱۰)

شہادت تک ظلم کا مقابلہ

امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت، نیز ائمہ علیہم السلام کو قید و بند، آزار و تکلیف اور جلاوطنی سے دو چار کرنے اور زہر دینے کی اہم وجہ ظالموں کے خلاف شیعوں کے سیاسی مبارزات تھے۔(۴۱۱)

ظلم واستبدادیت کے عروج کے باوجود مزاحمت

ائمہ اطہارؑ اور ان کے پیروکاروں یعنی شیعوں نے ہمیشہ ظالم حکومتوں اور باطل سیاسی قوتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ یہ حقیقت ان کے حالات زندگی اور ان کی سیرت سے کاملاً عیاں ہے۔ وہ بہت سے موقعوں پر ظالم

وجابر حکمرانوں کے ہاتھوں مشکلات میں مبتلا رہتے تھے۔ وہ شدید تقیہ اور خوف کی حالت میں زندگی گزارتے تھے۔ البتہ ان کا خوف دین ومذہب کیلئے تھا نہ کہ اپنی ذات کیلئے۔ احادیث کا جائزہ لیتے وقت یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ خاطر رہتا ہے۔ ظالم حکمرانوں کو بھی ہمیشہ ائمہ کا خوف لاحق رہتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ ائمہ کو موقع دیں تو وہ قیام کریں گے۔ (۴۱۲)

قیام اور گوشہ نشینی دونوں کے ساتھ دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی

ائمہ معصومین علیہم السلام نے قیام کیا اگرچہ قلیل تعداد کے ساتھ ہی سہی یہاں تک کہ وہ شہید کئے گئے لیکن انہوں نے اپنی ذمہ داریاں ادا کیں۔ جب ائمہ کو قیام مفید نظر نہ آتا وہ خانہ نشین ہو کر ترویج دین کرتے تھے۔ یہ وہ طرز عمل ہے جو اسلام کی ابتدا سے ہی جاری رہا ہے۔ (۴۱۳)

حکام جور کے مظالم کی علت: ائمہ کی ظلم ستیزی

ہمارے سارے ائمہ اس لئے شہید کئے گئے کیونکہ وہ سب ظالم حکومتوں کے مخالف تھے۔ اگر ہمارے ائمہ آرام سے گھر بیٹھ جاتے اور لوگوں کو بنی امیہ و بنی عباس کی طرف دعوت دیتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ان کی عزت وتوقیر ہوتی اور وہ ہمارے ائمہ کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے۔ لیکن وہ حکمران طبقہ دیکھ رہا تھا کہ ان ائمہ میں سے ہر کوئی چونکہ حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے لشکر کشی نہیں کر سکتا اس لئے خفیہ طریقوں سے ان کو ختم کرنے کے درپے ہے اس لئے وہ انہیں گرفتار کرتے تھے اور قید کرتے تھے۔ وہ دس دس سالوں تک ان کی قید میں رہے۔ کیا وہ نماز وروزہ کی خاطر انہیں قید کرتے تھے؟ کیا حضرت موسیٰ بن جعفر کو قید کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے یا لوگوں کو ہارون رشید وغیرہ سے راضی رہنے کی دعوت دیتے تھے اور ان کے مظالم پر خاموش رہنے کی تلقین کرتے تھے؟ یا حقیقت اس کے برعکس تھی؟ یعنی وہ انہیں اس لئے قید کرتے، قتل کرنے اور جلاوطن کرتے تھے کیونکہ وہ حکام جور دیکھتے تھے کہ یہ امام خطرناک ہے، حکومت کیلئے خطرہ ہے۔ وہ ان حکمرانوں کیلئے حقیقی طور پر باعث خطرہ تھے۔ کیا امام کو وہاں سے اٹھا کر یہاں لانے، امام عسکری کو سالہا سال تک سامرا میں زیر نظر رکھنے، حکومت کے دباؤ میں رکھنے، فوج اور فوجی چھاؤنی میں محبوس رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نماز پڑھتے تھے؟ پھر کیا وجہ تھی؟ نماز تو وہ حکام خود بھی پڑھتے تھے۔ انہیں امام کی نماز سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگرچہ امام فرزند رسول تھے اور ان

دنوں بیٹے کا بہت احترام ہوتا تھا، لیکن اگر فرزند رسول آرام سے اپنی جگہ بیٹھے رہتے اور لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تو ان پر ظلم نہ ہوتا۔ کبھی جب کوئی ہاشمی حکمرانوں کے خلاف قیام کرتا تو یہ ائمہ ؑ کبھی ظاہری اشارے سے ان پر تنقید بھی فرماتے تھے۔ کیونکہ اگر حکام کو حقیقت کی خبر ہو جاتی تو انہیں ملیا میٹ کر دیتے لیکن در حقیقت کام انہی ائمہ ؑ کا ہوتا تھا۔ وہ ائمہ ؑ انہیں ایسا کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ امام ؑ زید۱ وغیرہ کے حق میں دعا فرماتے ہیں جنہوں نے ان خلفا اور ان صاحبان اقتدار کے خلاف قیام کیا۔ (۴۱۴)

حکام کی ائمہ ؑ سے مخالفت کا سبب

آپ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہارون۲ حضرت موسیٰ بن جعفر ؑ کو گرفتار کر کے کئی سالوں تک محبوس رکھتا ہے۔ اسی طرح مامون۳ حضرت رضا ؑ کو مرو لے جاتا ہے، وہاں کڑی نگرانی میں رکھتا ہے اور آخر کار آپ کو زہر سے شہید کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ائمہ ؑ سید اور اولاد رسول تھے جبکہ وہ لوگ رسول کے مخالف تھے۔ ہارون اور مامون دونوں شیعی نظریات رکھتے تھے۔ البتہ ﴿اَلْمُلْکُ عَقِیمٌ﴾۴ کے مصداق وہ ایسا کرتے تھے، اگر چہ وہ جانتے تھے کہ اولاد علی ؑ خلافت کے مدعی اور حکومت اسلامی قائم کرنے پر مصر ہیں، نیز خلافت و حکومت برپا کرنے کو اپنی ذمہ داری جانتے ہیں۔

ظالم حکمران دیکھ رہے تھے کہ اگر امام موسیٰ بن جعفر ؑ کو آزادی مل جائے تو آپ ان کی نیندیں حرام کر دیں گے اور اس بات کا احتمال تھا کہ آپ کیلئے قیام کی فضا سازگار ہو جاتی اور آپ حکومت کا تختہ الٹ دیتے۔ اسی لئے انہوں نے ائمہ کو موقع نہیں دیا۔ اگر موقع دیتے تو امام ؑ ضرور قیام فرماتے۔ آپ اس بات میں کسی قسم کا شک نہ کریں کہ اگر موسیٰ بن جعفر ؑ کو موقع ملتا تو آپ ؑ قیام فرماتے اور غاصب حکمرانوں کی حکومت کی بنیادوں کو الٹ کر رکھ دیتے۔ (۴۱۵)

۱۔ زید بن علی ؑ، شہادت ۱۲۱ھ ق، امام سجاد ؑ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے امت محمدیہ ؐ کی اصلاح کیلئے قیام فرمایا۔ وہ اموی حکمرانوں کے ناپاک ہاتھوں سے شہید کئے گئے۔

۲۔ ہارون الرشید، ۱۹۳ھ ق، بنی عباس کا پانچواں خلیفہ۔

۳۔ عبداللہ مامون، ۱۷۰۔۲۱۸، ہارون رشید کا بیٹا اور ساتواں عباسی خلیفہ تھا۔

۴۔ یعنی اقتدار لاولد ہے۔

اسارت میں مبارزہ

موسیٰ بن جعفرؑ زندان میں رہ کر بھی مقابلہ فرماتے تھے۔(۳۱۶)

فداکاری کا مذہب

مذہب تشیع فداکاری کا مذہب رہا ہے۔اس سے پہلے بھی لوگوں نے قیام عدل اور اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی خاطر قیام کیا ہے اور ہمیشہ خون کا نذرانہ پیش کیا ہے۔(۳۱۷)

شہادت، شیعوں کی پسندیدہ سیرت

ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ہمارے جوانوں کا پاکیزہ خون اسلام کی راہ میں بہایا گیا ہے۔ ہمیں اس بات کا کوئی افسوس نہیں کہ ہمارے عزیزوں کو شہادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ ایک پسندیدہ سیرت ہے جو شیعیان امیر المومنینؑ کے درمیان ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک موجود رہی ہے۔اسلام اور شیعوں کی فداکاریوں کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔صدر اسلام میں امیر المومنینؑ جو اسلام کے پیرو اور پوری دنیا کے ہیرو تھے نے اپنی عظیم فداکاریوں کے ذریعے اسلام کو پروان چڑھایا، اسلام کو ترقی دی۔ امیر المومنینؑ اپنے عظیم شیعوں کے ساتھ اسلام کی عظیم جنگوں میں پیش پیش تھے۔ آپؑ کی پاک اولاد میں سید الشہداء علیہ السلام نے قیام فرمایا، انقلاب برپا کیا اور اسلام کی راہ میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا۔اسی طرح ہمارے دیگر ائمہؑ تقیہ کرتے ہوئے اسلام کی ترویج اور قرآن کی تقویت میں مصروف رہے۔ان کے بعد وہ واحد جماعت جس نے وقت کے ظالموں اور ڈکٹیٹروں کے ساتھ مقابلے اور مزاحمت کی روش اپنائی وہ یہی شیعیان علی علیہ السلام تھے۔

شیعوں کی مزاحمتوں نے اسلام کو باقی رکھا

آخر تک جاری رہنے والی پے در پے اور مسلسل مزاحمتی کوششوں میں بھی شیعیان علیؑ ہی تھے جو ظالموں کے مقابلے میں کھڑے ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی آپ لوگ ہی اسلام کی وہ عظیم شیعہ جماعت ہیں جس نے ڈکٹیٹروں اور بڑی طاقتوں کے مقابلے میں قیام کیا ہے اور اپنے مکوں سے، اپنے بھنچے ہوئے مکوں سے ٹینکوں اور توپوں کو شکست دی ہے۔اسلام شیعہ مذہب ہی کے دم سے زندہ ہے۔شیعیان علیؑ کی پے در پے مزاحمتوں نے اسلام کو زندہ کیا ہوا ہے۔(۳۱۸)

نظریۂ
امامت پر ہونے والے اعتراضات

پہلی فصل:

اعمال کی قبولیت کا ولایت سے ربط

دوسری فصل:

ائمہؑ کی شفاعت

شفاعت کرنے والوں کے ساتھ رابطے کے اسباب وموانع

تیسری فصل:

نـــو اعتـــراضات

چوتھی فصل:

ائمہؑ سے مربوط بعض امور کو شرک سمجھنا

پانچویں فصل:

عزاداری امام حسین علیہ السلام کا عظیم ثواب

اعمال کی قبولیت کا ولایت سے ربط[1]

ولایت، کمال دین

کسی چیز کے ''کمال'' سے مراد وہ امر ہے جس کی بدولت اس چیز کی خوبیاں مکمل ہوں اور اس کے نقائص برطرف ہوں۔ پس ہیولا کا کمال ''صورت'' ہے اور جنس کا کمال ''فصل'' ہے۔ اسی لئے نفس کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ جسم طبیعی آلی کا پہلا کمال ہے کیونکہ نفس ایک لحاظ سے ہیولا کا کمال ہے اور دوسرے لحاظ سے جنس کا کمال ہے۔

اسی بناپر علیؑ کی ولایت، اللہ ہمیں اس پر باقی رکھے، دین کے کمال اور نعمتوں کی تکمیل سے عبارت ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿اَلْيَومَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾[2] ''آج میں نے تم لوگوں کیلئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا ہے''۔

اصول کافی کی ایک مفصل روایت میں ابوجعفر (الباقرؑ) فرماتے ہیں: ''پھر ولایت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن عرفات میں پیش آیا اور اللہ نے یہ آیت نازل کی ﴿اَلْيَومَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ یوں علیؑ کی ولایت کے ذریعے دین کامل ہوا''۔

پس جملہ عبادات بلکہ عقاید و ملکات ہیولا کی طرح ہیں اور ولایت اس کی ''صورت'' ہے۔ یا وہ سب

۱۔ قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں شیعوں کا نظریہ ہے کہ اہل بیت رسولؐ کی محبت اور عقیدۂ ولایت، ایمان کی بنیاد، نیز جملہ اعتقادات، اعمال اور عبادات کی قبولیت کی شرط ہے۔ بنابریں یہ سوال پیش آتا ہے کہ ولایت کا عقیدہ اس قدر بلند مرتبے کا حامل کیوں ہے؟ نیز اہل بیت رسولؐ کی محبت دنیا و آخرت میں انسانوں کی نجات کا موجب کیوں ہے؟

۲۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳۔

ظاہر اور ولایت باطن کے مترادف ہیں۔ اسی لئے جو شخص امام پر عقیدہ کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت، کفر، نفاق اور ضلالت کی موت مرتا ہے جیسا کہ کافی میں مروی ہے۔

کیونکہ مادہ اور ہیولا کا صورت و فعلیت کے بغیر کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ اخروی دنیا میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کیونکہ آخرت زندگی ہے[1] اور فصل حاصل کرنے کی جگہ ہے اور دنیا، آخرت کی کھیتی ہے۔ (۳۱۹)

اللہ سے تقرّب کیلئے، ولایت سے تمسک ضروری ہے

جان لو کہ یہ روحانی سفر اور ایمانی معراج ان ٹوٹے پھوٹے اور بے لگام پیروں، اس بے بصیرت آنکھ اور اس بے نور دل کے ساتھ طے نہیں ہوسکتا ﴿وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ﴾[2] پس اس روحانی راستے پر چلنے اور اس عرفانی معراج کی طرف پرواز کرنے کیلئے طرق معرفت کی طرف رہنمائی کرنے والوں اور راہ ہدایت کے چراغوں کے روحانی مقام سے تمسک ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تک پہنچے ہوئے اور اللہ میں کھوئے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی خودسر ان کی ولایت سے تمسک کئے بغیر اس راستے کو طے کرنا چاہے تو اس کا یہ سفر شیطان اور جہنم کی طرف ہوگا۔

علمی اصطلاح میں بیان کیا جائے تو جس طرح حادث کو قدیم سے اور متغیر کو ثابت سے مربوط کرنے کیلئے کسی واسطے اور رابطے کی ضرورت ہوتی ہے جو ثبات و تغیر اور حدوث و قدم کی صفات کا حامل ہو کیونکہ اگر یہ واسطہ نہ ہو تو فیض قدیم ثابت، قانون خداوندی کی رو سے کسی متغیر و حادث کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا، یوں ''رابطۂ کونیۂ وجودیہ'' کا حصول ممکن نہ ہوگا اور ان دونوں کے درمیان رابطے کے معاملے میں علوم برہانی کے ماہرین اختلاف نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ عرفانی طرز فکر کا تقاضا بھی کچھ اور ہے جس کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں اور ذوق عرفانی کی رو سے یہ واسطہ فیض مقدس اور وجود منبسط سے عبارت ہے جو برزخیت کبریٰ اور وسطیت عظمیٰ کے مقام کا حامل ہے جو بعینہ رسول ختمی مرتبت ؐ کی روحانیت وولایت جو ولایت مطلقہ علویہ کے ساتھ متحد ہے سے عبارت ہے۔ اس کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب ''مصباح الہدایۃ'' میں دے دی گئی ہے۔ میں اسی طرح ''رابطہ روحانیہ عروجیہ'' جو ''رابطہ کونیہ نزولیہ'' کے برعکس ہے یعنی قبض وجود اور رجوع الی المبدأ سے عبارت ہے اس میں بھی واسطے کی ضرورت ہے جس کے بغیر

۱۔ سورۂ عنکبوت، آیت ۶۴۔ ۲۔ سورۂ نور، آیت ۴۰۔

رابطہ صورت پذیر نہیں ہوسکتا، نیز کمال مطلق کے ساتھ ناقص ومقید قلوب اور پست ومحدود ارواح کا رابطہ روحانی وغیبی واسطوں کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی یہ گمان کرے کہ حق تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ہر موجود کے ساتھ قیوم اور ہر شئے پر محیط ہے جیسا کہ آیت شریفہ ﴿مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾[۱] میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے تو یہ مقامات میں خلط اور اعتبارات میں اشتباہ، نیز کثرت مراتب وجود اور فنائے تعینات میں خلط سے عبارت ہے۔ اس بحث کا کتاب ہذا سے چنداں ربط بھی نہیں ہے اور جو کچھ یہاں بیان ہوا وہ قلم کی بے قابو جولانی کا نتیجہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ اولیائے نعم جو معارج کی طرف پرواز کی راہ پا چکے ہیں اور اللہ کی طرف اپنے سفر کو مکمل کر چکے ہیں کے ساتھ تمسک سیر الی اللہ کیلئے ضروری ولازم ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی طرف بہت سے مقامات پر اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ وسائل الشیعہ کا ایک باب اسی موضوع سے مختص ہے کہ ائمہؑ کی ولایت اور ان کی امامت پر اعتقاد کے بغیر عبادت باطل ہے اور کافی شریف کی حدیث محمد بن مسلم کی سند کے ساتھ وسائل میں مذکور ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت باقر العلومؑ سے سنا: ''اے محمد! جان لو کہ ائمہ جور اور ان کے پیروکار دین خدا سے خارج ہیں۔ وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جسے تیز ہوا طوفانی دن اڑا کر لے جاتی ہے''۔[۲]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت امام باقرؑ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنی راتیں عبادت میں بسر کرے، دنوں کو روزہ رکھے، اپنا تمام مال صدقہ دے اور زندگی بھر حج کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی ولایت کو نہ پہچانے تاکہ اس سے موالات رکھے اور اپنے تمام اعمال اس کی رہنمائی میں انجام دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کسی ثواب کا مستحق نہیں ہے اور وہ ایمان والوں میں سے نہیں''۔[۳]

ولایت پر عدم ایمان، عبادات کے بطلان کا موجب

اسی طرح شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ ابوحمزہ ثمالیؒ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن

۱۔ سورہ ہود، آیت/۵۶۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۰، ابواب مقدمۃ العبادات، باب ۲۹، ح۱۰۔

۳۔ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۳، باب ۲۹، ح۱۲؛ نیز عقاب الاعمال، باب من جہل حق اہل البیتؑ، ح۲۔

الحسین علیہ السلام نے ہم سے فرمایا: "کون سی جگہ سب سے افضل ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ، اس کا رسول اور اس کے رسول کا فرزند بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ہمارے لئے سب سے بہترین جگہ رکن ومقام کی درمیانی جگہ ہے۔ اگر کسی کی عمر نوح ؑ کی عمر کے برابر ہو جس نے اپنی قوم میں نو سو پچاس سال زندگی گزاری پھر وہ اس جگہ دنوں کو روزہ رکھے اور راتیں عبادت میں بسر کرے اس کے بعد ہماری ولایت کے بغیر اللہ سے ملاقات کرے تو یہ چیزیں اسے کوئی فائدہ نہ دیں گی۔[۱] (۴۲۰)

ولایت سے تمسک کی حقیقت

یہ مبارک دن اسلام کی عظیم عیدوں میں سے ایک ہے اور ہماری احادیث کی رو سے سب سے بڑی عید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ولایت نبوت کی بقا، رسول کی معنویت کی بقا اور اس حکومت الٰہی کی بقا سے عبارت ہے۔ اسی لئے اسے تمام اعیاد پر برتری حاصل ہے۔ مروی ہے کہ اس دن ہمیں کہنا چاہئے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِينَ بِوِلَايَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ﴾[۲]

امیر المومنین ؑ کی ولایت سے تمسک کیا ہے؟ کیا صرف یہی ہے کہ ہم اسی جملے کو دہرانے پر اکتفا کریں؟ حالانکہ یہاں امیر المومنین ؑ کی ولایت سے مراد آپ کی محبت نہیں بلکہ یہاں ولایت کا اصلی وحقیقی مفہوم مراد ہے۔

محبت سے تمسک کا سرے سے کوئی مفہوم ہی نہیں بنتا۔ آپ ؑ کے مقام ولایت سے تمسک مقصود ہے اگرچہ ہم اور دیگر افراد اس حقیقی عدالت اجتماعی کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے جس پر عمل پیرا ہونے کی طاقت حضرت امیر ؑ میں تھی۔ لیکن چونکہ آپ ؑ ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں اس لئے ہمیں اپنی وسعت کے مطابق تھوڑا بہت اس ولایت سے متمسک ہونا چاہئے۔

۱۔ عن أبي حمزة الثمالي قال: قال لنا علي بن الحسين ؑ: ﴿أيّ البقاع أفضل؟ فقلنا: الله ورسوله وابن رسوله أعلم. فقال لنا: أفضل ما بين الركن والمقام. ولو أنّ رجلاً عمّر ما عمّر نوح في قومه ألف سنة إلّا خمسين عاماً يصوم النهار ويقوم الليل في ذلك المكان ثمّ لقي الله بغير ولايتنا لم ينفعه ذلك شيئاً﴾۔

۲۔ تعریف اس اللہ کی جس نے ہمیں امیر المومنین ؑ اور آپ ؑ کی آل ؑ سے تمسک رکھنے والوں میں سے قرار دیا۔ (مفاتیح الجنان، اعمال روز غدیر)۔

ولایت سے تمسک کا ایک مفہوم یہ ہے کہ ہم اس ولایت کا پرتو اور سایہ بنیں۔ امور مسلمین کی سرپرستی اور مسلمانوں پر حکومت کے منصب کو منصب ولایت کہتے ہیں۔ پس اگر حکومت تشکیل پاتی ہے تو وہ حکومت ولایت امیر المومنین ؑ سے اس طرح تمسک کرے کہ جس طرح امیر المومنین ؑ عدل وانصاف کو نافذ کرتے تھے اسی طرح یہ حکومت بھی حتی المقدور عدل سے کام لے۔ ہمارا یہ خالی دعویٰ کافی نہیں کہ ہم امیر المومنین ؑ سے متمسک ہیں۔ یہ سرے سے کوئی تمسک نہیں۔ جب کوئی حکومت امیر المومنین ؑ کو حکومت چلانے کے معاملے میں اور دیگر ضروری امور میں نمونہ عمل قرار دے تو یہ ہے امیر المومنین ؑ کی ولایت سے تمسک۔

...ہمارے عوام جو اس دعا یا اس جملے کو دھراتے ہیں وہ بھی اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ حضرت امیر ؑ کی ولایت سے تمسک کا مطلب ہے آپ کے اہداف ومقاصد سے تمسک ہے۔ صرف یہ کہنا کہ ہم علی ؑ کے شیعہ ہیں یا یہ کہنا کہ ہم ولایت امیر المومنین ؑ سے متمسک ہیں کافی نہیں۔ یہ درست نہیں۔ یہ کوئی لفظی معاملہ نہیں۔ ہم الفاظ وعبارات کے ذریعے تمسک کے حصول کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان باتوں کا تعلق عمل سے ہے، حکمت عملی سے ہے۔ جو لوگ امیر المومنین ؑ کے شیعہ اور پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ قول وفعل اور تحریر وبیان، خلاصہ یہ کہ ہر چیز میں آپ ؑ کی متابعت کریں۔ اگر یہ متابعت نہ ہو اور اس کے باوجود ہم یہ دعویٰ کریں کہ ہم شیعہ ہیں تو یہ ہمارا ڈھونگ اور محض کھوکھلا نعرہ ہوگا۔ (۴۲۱)

احادیث میں ائمہ ؑ پر اعتقاد اور محبت

بالسّند المتّصل الی الشّیخ الاقدم محمد بن یعقوب الکلینی (رضوان الله علیه) عن احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عمّن ذکره عن عبید بن زرارة عن محمد بن مارد قال: قُلْتُ لِأبي عَبْدِاللهِ علیه السلام حَدیثٌ رُوِيَ لَنا أنَّکَ قُلْتَ: اِذا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ ما شِئْتَ. فقالَ: قَدْ قُلْتُ ذٰلِکَ. قالَ: قُلْتُ: وَاِنْ زَنَوا وَاِنْ سَرَقُوا وَاِنْ شَرِبُوا الْخَمْرَ؟ فقالَ لي: ﴿اِنّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَیْهِ راجِعُون﴾ وَاللهِ ما أنْصَفُونا أنْ نَکُونَ اُخِذْنا بِالْعَمَلِ وَوُضِعَ عَنْهُم! اِنَّما قُلْتُ اِذا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ ما شِئْتَ مِنْ قَلیلِ الْخَیْرِ وَکَثیرِه فَاِنَّهُ یُقْبَلُ مِنکَ﴾[1]

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۴۶۴، کتاب الایمان والکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ، حدیث ۵۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: "آپ کی ایک حدیث ہمارے لئے نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تمہیں معرفت حاصل ہو جائے (یعنی ائمہ کی معرفت) تو پھر جو چاہو کرو۔ فرمایا: ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا: کیا وہ زنا، چوری کریں تب بھی؟ وہ شراب پئیں تب بھی؟ فرمایا: ﴿اِنّـا لله وَاِنّـا اِلَیْهِ راجِعُون﴾ اللہ کی قسم ان لوگوں نے ہمارے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ (یہ انصاف نہیں) کہ ہم سے تو اعمال کا حساب لیا جائے لیکن انہیں چھوٹ مل جائے؟ میں نے تو یہ کہا تھا کہ جب تمہیں معرفت حاصل ہو جائے تو اب جتنا چاہو عمل خیر انجام دو، چاہو تو کم اور اگر چاہو تو زیادہ (دونوں صورتوں میں) تمہارا عمل مقبول ہوگا"۔

امامؑ کے قول ﴿اِذا عَـرَفْـتَ﴾ کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث میں معرفت سے مراد امامؑ کی معرفت ہے۔ ﴿قـالَ قُلْت﴾ میں ممکن ہے کہ "قلت" کے تاء پر ضمہ ہو اور یہ متکلم کا صیغہ ہو (یعنی میں نے کہا) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب کا صیغہ ہو (قلتَ، یعنی تو نے کہا)۔ ﴿وَاِنْ زَنَـوا﴾ میں "ان" وصلیہ ہے (اگر چہ، کے معنوں میں) یعنی معرفت حاصل ہونے کے بعد وہ جو چاہیں کریں اگر چہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔[1]

امامؑ کا قول ﴿اِنّـا لله...﴾ کلمہ استرجاع ہے۔ یہ کلمہ سخت مصیبت کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ مذکورہ الزام یا غلط فہمی ایک عظیم مصیبت تھی اس لئے امامؑ نے اس پر کمال تاسف کے اظہار کیلئے ایسا فرمایا۔

امامؑ کے قول ﴿أنْ نَكُونَ﴾ سے مراد ہے ﴿في أنْ نَكُونَ﴾ ہے یعنی انہوں نے ہمارے ساتھ اس بات میں ناانصافی کی کہ ہم تو اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں لیکن وہ ہمارے معتقد ہونے کی وجہ سے جوابدہ نہ ہوں اور ان کے اعمال کا حساب نہ لیا جائے۔ اس کے بعد امامؑ نے اپنا مقصود بیان فرمایا کہ ولایت، اعمال کی قبولیت کی شرط ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

معارض احادیث کا جمع عرفی

جان لو کہ جو کوئی احادیث منقولہ، رسول اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی سیرت، ان کی عبادات کی کیفیت، بارگاہ رب العزت میں ان کے تضرع وزاری، ان کے تواضع اور ان کے خوف وحزن کا جائزہ لے، نیز قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کی مناجات کی کیفیت کا مطالعہ کرے جن کے بارے میں احادیث تواتر کی حد سے

---

[1] ۔ چھاپ شدہ نسخوں میں ﴿وانْ زَنَوا أوْ سَرَقُوا أوْ شَرِبُوا﴾ مذکور ہے۔

بھی آگے اور سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، اسی طرح جو کوئی ان وصیتوں کا مطالعہ کرے جو رسول اکرمؐ نے حضرت امیر المومنینؑ سے کیں یا ائمہؑ نے ایک دوسرے ائمہؑ سے کیں یا انہوں نے اپنے خاص شیعوں اور مخلص دوستداروں سے کیں، نیز ان تاکیدی نصیحتوں کا مطالعہ کرے جن کے ذریعے ائمہؑ انہیں معصیت خداوندی سے ڈراتے تھے اور اصول وفروع سے مربوط احکام کے بارے میں ان نصائح سے احادیث کی کتابیں لبریز ہیں تو اسے یقین حاصل ہو جائے گا کہ اگر بعض احادیث ظاہری طور پر ان تعلیمات کی مخالف ہیں تو ان کا یہ ظاہری مفہوم مقصود نہیں۔ بنابریں اگر ہم ان چند احادیث کی تاویل اس طرح سے کرسکیں جو ان صریح اور قطعی احادیث کی منافی نہ ہو جو دین کی مسلمہ تعلیمات پر مشتمل ہیں تو تاویل کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر جمع عرفی ممکن ہو تو ایسا کرنا چاہئے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس کی حقیقت کا علم اس کے قائل کی طرف لوٹائیں گے۔ یہاں ان اوراق میں ان تمام احادیث بلکہ ان کے عشر عشیر کا بھی ذکر کرنے اور ان میں ہماہنگی کو ثابت کرنے کی گنجائش نہیں لیکن اس کے باوجود ہم دونوں طرف کی بعض احادیث کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں تاکہ حقیقت حال سامنے آئے۔

کافی باسناده عن أبي عبدالله علیہ السلام قالَ: ﴿شِيعَتُنا (هُمُ) الشَّاحِبُونَ الذَّابِلُونَ النّاحِلُونَ الَّذِينَ إذا جَنَّهُمُ اللَّيلُ اسْتَقْبَلُوهُ بِحُزنٍ﴾ [1] فرمایا: ہمارے شیعہ وہ ہیں جو حزن واندوہ کے حامل ہیں اور کثرت حزن وعبادت کی وجہ سے کمزور ونحیف ہیں، جب رات کی تاریکی انہیں ڈھانپ لیتی ہے تو وہ حزن وغم کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس مضمون کی احادیث جو شیعوں کی علامت بیان کرتی ہیں بہت ہیں۔

طاعت وعبادات کا حکم

وعنه عن المفضل قالَ: قالَ أبُو عَبْدِاللهِ علیہ السلام: ﴿إيّاكَ وَالسَّفْلَةَ فَإنّما شِيعَةُ عَلِيٍّ علیہ السلام مَنْ عَفَّ بَطْنُهُ وَفَرْجُهُ وَاشْتَدَّ جِهادُهُ وَعَمِلَ لِخالِقِهِ وَرَجا ثَوابَهُ وَخافَ عِقابَهُ فَإذا رَأيْتَ أولٰئِكَ فَاولٰئِكَ شِيعَةُ جَعْفَرٍ﴾ [2] فرمایا: پست اور رذیل لوگوں سے بچے رہو کیونکہ علیؑ کا شیعہ صرف وہ ہے جس کا

۱۔ اصول کافی، ج۲، ص۲۳۳، کتاب الایمان والکفر، باب المومن وعلاماتہ، ح۷۔

۲۔ اصول کافی، ج۲، ص۲۳۳، کتاب الایمان والکفر، باب المومن وعلاماتہ، ح۹۔

شکم اور جس کی شرمگاہ گناہ سے پاک ہوں جس کا جہاد شدید ہو، جس کا عمل اللہ کیلئے ہو، جسے اللہ کی طرف سے ثواب کی امید ہو اور اس کے عقاب کا خوف ہو۔ پس جب تم اس قسم کے لوگ دیکھو تو (جان لو کہ) یہی جعفر (بن محمد) کے شیعہ ہیں۔

وعن الامالي للحسن بن محمد الطوسي شيخ الطائفة (رحمه الله) باسناده عن الرضا عليه السلام عن أبيه عن جدّه عن أبي جعفر عليه السلام أنه قالَ لِخَيْثَمَة: ﴿أبلِغْ شِيْعَتنا أنّا لا نُغْني مِنَ اللهِ شَيْئاً وَأبلِغْ شِيْعَتنا أنّهُ لا يُنالُ ما عِنْدَاللهِ إلاّ بالْعَمَلِ وَأبلِغْ شِيْعَتنا أنّ أعْظَمَ النّاسِ حَسْرَةً يَومَ القِيامَةِ مَنْ وَصَفَ عَدلاً ثُمّ عَدلاً ثُمّ خالَفَهُ إلىٰ غَيْرِهِ وَأبلِغْ شِيْعَتنا أنّهُمْ إذا قامُوا بِما اُمِرُوا أنّهُمْ هُمُ الْفائِزُونَ يَومَ الْقِيامَة﴾[1] یعنی جناب باقر العلوم نے خیثمہ سے فرمایا کہ ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچاؤ کہ ہم کسی چیز کو اللہ سے بے نیاز قرار نہیں دیتے یعنی ہمارے بھروسے پر عمل سے پہلوتہی نہ کرو۔ نیز ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچاؤ کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس تک رسائی صرف عمل سے ہو سکتی ہے۔ نیز ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچاؤ کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ افسوس اس شخص کو ہوگا جو عدل کی توصیف پر توصیف کرے پھر اسے چھوڑ کر کسی اور چیز کو اپنائے۔ نیز ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچاؤ کہ جب وہ ان احکام کی پابندی کریں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے یعنی اگر وہ اللہ کی اطاعت کریں تو اس صورت میں ہی وہ قیامت کے دن کامیاب ہوں گے۔

کافی باسناده عن أبي جعفر عليه السلام قال: ﴿لا تَذْهَبُ بِكُمُ الْمَذاهِبُ فَوَ اللهِ ما شِيْعَتُنا إلاّ مَنْ أطاعَ الله﴾[2] یعنی اللہ کی نافرمانی کیلئے عذر تراشیاں نہ کرو اور باطل نظریات کی پیروی نہ کرو کہ ہم شیعہ ہیں اور اہل بیت سے نسبت ہمیں نجات دے گی۔ اللہ کی قسم ہمارے شیعہ نہیں ہیں مگر وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کریں۔

ائمہ اور رسول کی طرف سے تقویٰ اور عمل کی تاکید

وباسناده عن جابر عن أبي جعفر عليه السلام قال: قال لِي: ﴿ياجابِرُ أيَكْتَفي مَنْ يَنْتَحِلُ التَّشَيُّعَ أنْ

۱۔ امالی، ص ۳۸، جزء ۲، ۱۳۔

۲۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۷۳، کتاب الایمان والکفر، باب الطاعۃ والتقوی، ح ۱۔

يَقُولُ بِحُبِّنا أَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَوَاللهِ ما شِيعَتُنا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللهَ وَأَطاعَهُ. (إِلىٰ أَنْ قالَ:) فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْمَلُوا لِما عِنْدَاللهِ لَيْسَ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ أَحَدٍ قَرابَةٌ. أَحَبُّ الْعِبادِ إِلَى اللهِ تَعالىٰ وَأَكْرَمُهُمْ عَلَيْهِ أَتْقاهُمْ وَأَعْمَلُهُمْ بِطاعَتِهِ. يا جابِرُ وَاللهِ ما يُتَقَرَّبُ إِلَى اللهِ تَعالىٰ إِلَّا بِالطّاعَةِ. ما مَعَنا بَراءَةٌ مِنَ النّارِ وَلا عَلَى اللهِ لِأَحَدٍ مِنْ حُجَّةٍ. مَنْ كانَ لِلّٰهِ مُطِيعاً فَهُوَ لَنا وَلِيٌّ وَمَنْ كانَ لِلّٰهِ عاصِياً فَهُوَ لَنا عَدُوٌّ وَما تُنالُ وِلايَتُنا إِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ[1]

فرماتے ہیں: اے جابر! کیا تشیع کا دعویٰ کرنے والوں کیلئے یہی کہنا کافی ہے کہ وہ ہم اہل بیت سے محبت کرتے ہیں؟ قسم ہے اللہ کی، ہمارے شیعہ صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈریں اور اس کی اطاعت کریں...(آگے چل کر فرمایا:) پس اللہ سے ڈرو اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے حاصل کرنے کیلئے عمل کرو۔ اللہ کی کسی کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں سب سے محبوب اور سب سے معزز شخص وہ ہے جو ان سب سے زیادہ متقی اور مطیع ہو۔ اے جابر! اللہ کی قسم، خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا مگر اطاعت کے طفیل۔ ہمارے پاس جہنم سے نجات کا کوئی پروانہ نہیں ہے اور نہ کسی کو اللہ کے برخلاف کوئی حجت حاصل ہے۔ جو اللہ کا مطیع ہو وہ ہمارا دوستدار ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرے وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہماری ولایت حاصل نہیں ہوتی مگر عمل اور پرہیز گاری کے ذریعے۔

کافی شریف میں ہی ایک حدیث ہے جس کی سند حضرت باقر العلومؑ تک پہنچتی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں: اے شیعیان آل محمدؐ! تم درمیانی راستے اور حد اعتدال پر رہو تا کہ حد سے بڑھنے والے (غالی) تمہاری طرف لوٹ آئیں اور پیچھے رہنے والے (تالی) تم سے ملحق ہوں۔ انصار کے ایک شخص نے جس کا نام "سعد" تھا عرض کیا: میں آپ کے قربان جاؤں! غالی کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: غالی وہ ہیں جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ پس ان کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہمارا ان سے کوئی ربط ہے۔ عرض کیا: پس "تالی" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تالی وہ ہے جو ہدایت کا طالب ہو لیکن اس کا راستہ نہ پہچانتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ اس کا علم حاصل ہو جائے تا کہ اس کے مطابق عمل کرے۔ اس کے بعد آپؑ نے شیعوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: اللہ کی قسم ہمارے پاس برائت اور نجات کا پروانہ نہیں ہے (یعنی

۱۔ اصول کافی، ج ۲، کتاب الایمان والکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ، ص ۷۴، حدیث ۳۔

اللہ کے عذاب اور قہر سے) نیز ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں۔ ہمیں اللہ پر کوئی حجت حاصل نہیں۔ ہمیں اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا مگر اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے۔ تم میں سے جو کوئی اللہ کا فرمانبردار ہو اسے ہماری ولایت و محبت فائدہ دے گی۔ تم میں سے جو کوئی اللہ کا تابعدار نہ ہو اسے ہماری ولایت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ وائے ہو تم پر! دھوکے میں نہ رہو ہو، وائے ہو تم پر! غلط فہمی نہ رہو۔[۱]

اسی طرح کافی میں مذکور ہے کہ حضرت باقر العلومؑ نے فرمایا: رسول خداؐ کوہ صفا پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: ''اے ہاشم کی اولاد! اے عبدالمطلب کی اولاد! میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں۔ میں تمہارے اوپر مہربان اور شفیق ہوں۔ بہ تحقیق میرے لئے میرا عمل ہے اور تم میں سے ہر ایک کیلئے اس کا عمل۔ یہ نہ کہو کہ محمدؐ ہمارے ہیں اور جہاں وہ داخل ہوں گے وہاں ہم بھی داخل ہوں گے۔ نہیں اللہ کی قسم تم میں سے یا اوروں میں سے ہمارے دوستدار نہیں ہیں مگر وہ لوگ جو متقی ہیں۔ خبردار! میں تمہیں قیامت کے دن نہیں پہچانوں گا اگر تم دنیا کو اپنی پشت پر اٹھا کر وہاں آؤ گے جبکہ دوسرے لوگ میرے پاس آخرت کو اٹھا کر آئیں گے''۔[۲]

اسی طرح جابر کی مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت باقر العلومؑ نے فرمایا: اے جابر! باطل افکار و نظریات اور غلط عقائد کہیں تجھے دھوکہ نہ دیں اور کہیں تم یہ گمان نہ کر بیٹھو کہ تمہارے لئے علیؑ کی محبت ہی کافی ہے۔ کیا انسان کیلئے صرف یہی کافی ہے کہ وہ علیؑ کی محبت اور ولایت کا دعویٰ کرے جبکہ وہ خوب عمل نہ کرتا ہو؟ پس اگر وہ یہ کہے کہ میں رسول اللہؐ سے محبت کرتا ہوں لیکن وہ آپؐ کی سیرت پر نہ چلے اور نہ آپؐ کی سنت پر عمل کرے تو آنحضرتؐ کی محبت اسے کوئی فائدہ نہ دے گی حالانکہ رسول اکرمؐ علیؑ سے افضل ہیں۔[۳]

۱۔ اصول کافی، ج۲، کتاب الایمان والکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ، ص۷۵، ح۶۔

۲۔ روضہ کافی، ج۸، ص۱۸۲، ح۲۰۵۔

۳۔ ﴿... فقال: يا جابر! لا تذهبنّ بك المذاهب حسب الرّجل أن يقول أحبّ عليّاً وأتولّاه ثمّ لا يكون مع ذلك فعّالاً. فلو قال إنّي أحبّ رسول الله فرسول الله ﷺ خير من عليّ ؑ ثمّ لا يتبع سيرته ولا يعمل بسنّته ما نفعه حبّه إيّاه شيئاً﴾ (اصول کافی، ج۲، کتاب الایمان والکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ، ص۷۴، ح۳)۔

جنت اور جہنم دونوں عمل کا نتیجہ

طاؤس کی معروف حکایت میں مذکور ہے کہ اس نے گریہ وزاری اور تضرع وفریاد کی آواز سنی یہاں تک کہ نالہ وفریاد کرنے والے کی آواز رک گئی گویا اس پر غشی طاری ہوگئی ہو۔ جب وہ اس کے سرہانے پہنچا تو دیکھا کہ وہ علی بن الحسین ؑ ہیں۔ اس نے آپ ؑ کا سر اپنی گود میں رکھا اور کچھ یوں کہنے لگا: آپ فرزند رسول ؐ اور جگر گوشہ بتول ؑ ہیں۔ بہشت آپ لوگوں کی جاگیر ہے۔ امام ؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بہشت ان لوگوں کیلئے خلق فرمائی ہے جو اس کی عبادت اور اطاعت کریں اگر چہ وہ حبشی غلام ہو اور جہنم کو خلق فرمایا ہے ان لوگوں کیلئے جو اس کی نافرمانی کریں اگر چہ وہ قریشی سید ہی کیوں نہ ہو۔[۱]

یہ چند واضح اور صریح احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا پرستوں اور گناہگاروں کی یہ بے جا خواہشات اور امیدیں غلط اور باطل ہیں، نیز یہ شیطانی تمنائیں ہیں جو عقل وشرع کی منافی ہیں۔ اب آپ ان احادیث پر ان قرآنی آیات کا بھی اضافہ کریں، مثلاً ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ [۲] نیز ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ [۳] نیز ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [۴] ان کے علاوہ دیگر بہت سی آیات ہیں جو قرآن کے صفحے صفحے پر موجود ہیں اور ان میں تاویل وتصرف مسلمہ دینی تعلیمات کے منافی ہے۔

ان کے مقابلے میں کچھ اور احادیث ہیں۔ یہ احادیث بھی معتبر کتب میں مذکور ہیں لیکن غالباً ان کا صحیح ومعقول جمع عرفی ممکن ہے اور اگر جمع بھی پسندیدہ نہ ہو اور قابل تاویل بھی نہ ہوں تو اس صورت میں یہ احادیث اس قدر متواتر، صحیح اور صریح احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتیں کہ جن کی تائید ظواہر قرآنی نصوص فرقانی،

۱۔ ﴿قال فالتفت اليّ وقال: هيهات هيهات يا طاوس! دع عني حديث أبي وأمي وجدي۔ خلق الله الجنة لمن أطاعه وأحسن ولو كان عبداً حبشياً وخلق النار لمن عصاه ولو كان سيداً قريشياً﴾

بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۸۱و۸۲، تاریخ علی ابن الحسین ؑ، باب ۵، حدیث ۷۵۔

۲۔ ہر کوئی اپنے کئے کا نتیجہ بھگتے گا۔ (سورۂ مدثر ۳۸/)

۳۔ پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اسے پائے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔ (زلزال ۷/و۸)

۴۔ اس نے جو نیکی کی ہوگی وہ اسے ملے گی اور اس نے جو برائی انجام دی ہو وہ بھی اسی کے حساب میں جائیگی۔ (بقرہ ۲۸۶)

عقل سلیم اور اسلام کی مسلمہ تعلیمات سے ہوتی ہے۔

اس حدیث کا بیان کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل نقصان دہ نہیں

اسی طرح ثقۃ الاسلام کلینی اپنی سند کے ساتھ یوسف بن ثابت بن ابی سعدہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿الایمانُ لا یَضُرُّ مَعَهُ عَمَلٌ وَ کَذٰلِکَ الْکُفْرُ لا یَنْفَعُ مَعَهُ عَمَلٌ﴾ [۱] یعنی حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ''ایمان کی موجودگی میں کوئی عمل نقصان نہیں پہنچاتا اسی طرح کفر کی موجودگی میں کوئی عمل فائدہ نہیں پہنچاتا''۔ اس مضمون کی کئی اور احادیث بھی مروی ہیں۔[۲]

محدث جلیل جناب مجلسیؒ نے ان احادیث میں مذکور لفظ ''ضرر'' کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد جہنم میں داخل ہونا یا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ (انتہی)[۳] اگر ''ضرر'' سے مراد ''دخول جہنم'' ہو تو یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ برزخ اور قیامت کے دیگر مواقف میں ان پر عذاب ہو۔

اس حدیث کے بارے میں راقم کا نظریہ

راقم کا خیال ہے کہ ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ ایمان دلوں کو اس طرح منور کرتا ہے کہ اگر کبھی انسان سے کوئی خطا یا گناہ صادر ہو بھی جائے تو اس نور باطنی اور ایمان راسخ کے طفیل توبہ کے ذریعے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے اور اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، نیز اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کے اعمال کا حساب قیامت تک موخر نہیں ہوتا۔ پس درحقیقت یہ احادیث ایمان سے تمسک رکھنے اور اس پر باقی رہنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ چنانچہ اسی طرح کی ایک حدیث کافی شریف میں حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جناب خضرؑ سے فرمایا: آپ کی مصاحبت نے مجھے عزت و شرف سے ہمکنار کیا ہے پس مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ فرمایا: ''اس چیز سے متمسک رکھو جس کی موجودگی میں کوئی چیز آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے اور اس کی عدم موجودگی میں کوئی عمل تمہیں فائدہ نہ پہنچا سکے''۔[۴]

۱۔ اصول کافی، ج۲، ص۴۶۴، کتاب الایمان والکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ، ح۴۔

۲۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳، ۵، ۶۔

۳۔ مرآۃ العقول، ج۱۱، ص۳۹۶، کتاب الایمان والکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ، حدیث۲۔

۴۔ عن أبي عبداللهؑ قال: قالَ مُوسىؑ لِلْخَضِرِؑ: ﴿قَدْ تَحَرَّمْتُ بِصُحْبَتِكَ فَأَوْصِني. قالَ: اِلْزَمْ مَا لا يَضُرُّكَ مَعَهُ -->

اس سلسلے کی ایک اور حدیث

ومن ذلک ما رواه باسناده عن محمّد بن ريّان بن الصّلت رفعه عن أبي عبدالله ؑ قال:

﴿كانَ أميرُ المؤمنينَ ؑ كثيراً ما يقولُ في خُطبتِهِ: يا أيُّها النّاسُ دِينَكُمْ دِينَكُمْ! فَإنَّ السَّيِّئَةَ فِيهِ خَيْرٌ مِنَ الْحَسَنَةِ في غَيْرِهِ وَالسَّيِّئَةُ فِيهِ تُغْفَرُ وَالْحَسَنَةُ في غَيْرِهِ لا تُقْبَلُ﴾[1] یعنی حضرت امیر المومنین ؑ اپنے خطبات میں بار بار فرمایا کرتے تھے: "اے لوگو! اپنے دین کی حفاظت کرو، اپنے دین کی حفاظت کرو۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں گناہ کرنا اس کی عدم موجودگی میں نیکی کرنے سے بہتر ہے۔ اس میں گناہ بخشے جاتے ہیں جبکہ اس کی عدم موجودگی میں عبادات اور نیکیاں قبول نہیں ہوتیں"۔

یہ حدیث شریف اور اس قسم کی دیگر احادیث جو دین حق سے متمسک رہنے کی ترغیب دیتی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین اور دین حق کے پیروکاروں کی برائیاں آخر کار بخشی جائیں گی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿إنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً﴾[2] اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے گناہ دوسروں کی نیکیوں سے بہتر ہیں جو ہرگز قبول نہیں ہوتیں بلکہ شاید وہ نیکیاں جو قبولیت کی شرائط مثلاً ایمان اور ولایت وغیرہ سے عاری ہوتی ہیں بجائے خود ایک قسم کی تاریکی پر مشتمل ہوں اور مومنین کی خطاؤں کی بہ نسبت ان نیکیوں کی ظلمت اور تاریکی زیادہ شدید ہو کیونکہ مومنین نور ایمان کی بدولت خوف و رجا کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ صاحبان ایمان اپنے گناہوں اور غلط کاریوں کے جوابدہ اور مسئول نہیں ہیں جیسا کہ واضح ہے۔

حُبُّ عَلِيٍّ حَسَنَةٌ

کہتے ہیں کہ جو احادیث فریقین کے ہاں مشہور و معروف ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے: ﴿حُبُّ عَلِيٍّ حَسَنَةٌ لا يَضُرُّ مَعَها سَيِّئَةٌ وَبُغْضُهُ سَيِّئَةٌ لا يَنْفَعُ مَعَها حَسَنَةٌ﴾[3] یعنی علی علیہ السلام کی محبت ایسی نیکی

<- شيءٌ كما لا يَنْفَعُكَ مَعَ غَيْرِهِ شيءٌ﴾۔ (اصول کافی، ج ۲، کتاب الایمان والکفر، باب ان الایمان لا یضر معہ سیئہ، ص ۴۶۴، حدیث ۲)

۱۔ ایضاً، حدیث ۶۔

۲۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (سورۂ زمر/۵۳)

۳۔ المناقب، ج ۳، ص ۱۹۷۔

ہے جس کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح بغض علیؑ ایسا گناہ ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔

اس حدیث کا تعلق ایمان سے مربوط اس حدیث سے ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یا تو وہ ہے جس کا مرحوم مجلسیؒ نے ان احادیث کے بارے میں احتمال دیا ہے یعنی ضرر سے مراد جہنم میں ہمیشہ رہنا یا جہنم میں داخل ہونا ہے۔ بنابریں مقصود یہ ہے کہ حبّ علی جو سرمایۂ ایمان ہے، نیز اکمال ایمان اور اتمام ایمان کا موجب ہے کے طفیل شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نصیب ہوتی ہے اور جہنم سے رہائی ملتی ہے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ مفہوم اس بات کی منافی نہیں ہے کہ برزخ کے مختلف عذابوں سے روبرو ہونا پڑے چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ فرمایا: ''تم لوگ اپنے برزخ کو ٹھیک کرو ہم قیامت کے دن تمہاری شفاعت کریں گے''۔[1]

ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ امامؑ کی محبت سے دل اس طرح منور ہوتا ہے جس کے باعث انسان گناہوں سے احتراز کرتا ہے اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو انسان توبہ وانابہ کے ذریعے اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو بے لگام ہونے سے بچا کر بچاؤ کا سامان فراہم کرتا ہے۔

ائمہؑ کی محبت گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرتی ہے

اس سلسلے میں بعض احادیث مذکور ہیں جو سورۂ فرقان کی اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہیں: ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَـدْعُـونَ مَعَ اللهِ اِلٰهاً آخَرَ وَلاَ يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أثاماً ☆ يُضاعَفْ لَهُ الْعَذابُ يَومَ الْقِيامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهاناً ☆ اِلاَّ مَنْ تابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً

۱۔ میں نے جناب ابوعبداللہؑ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں ہمارے شیعہ اپنے اندر موجود باتوں (گناہوں) کے باوجود جنت میں جائیں گے۔ فرمایا: میں نے تم سے سچ کہا ہے۔ اللہ کی قسم وہ سب جنتی ہیں۔ میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! گناہ بڑے ہیں اور زیادہ۔ فرمایا: قیامت میں تو تم سب نبی مطاع یا وصی نبی کی شفاعت سے جنت میں جاؤ گے لیکن اللہ کی قسم مجھے تمہارے برزخ کا خوف ہے۔ میں نے عرض کیا: برزخ کیا ہے؟ فرمایا: یہ وہی قبر ہے موت سے لے کر قیامت تک۔

فروع کافی، ج ۳، ص ۲۴۲، کتاب الجنائز، باب ما ینطق بہ موضع القبر، حدیث ۳۔

صالِحاً فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَحِیماً﴾ ۱ یعنی جولوگ اللہ کے علاوہ کسی معبود کونہیں پکارتے اور کسی ایسے آدمی کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے لہذا یہ لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں اور جو کوئی ان اعمال کا مرتکب ہو وہ اپنے کئے کی مکمل سزا پائے گا اور قیامت کے دن اس کے عذاب میں اضافہ کیا جائے گا، نیز وہ ذلت وخواری کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا۔ سوائے اس شخص کے جو توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل انجام دے کہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں تبدیل فرماتا ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بہت ساری احادیث مذکور ہیں۔ ہم ان میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ان سب کا مفہوم اور مضمون تقریباً ایک ہی ہے۔

جلیل القدر محدث محمد بن مسلم ثقفی (رضوان اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر العلوم ؑ سے قول خداوندی ﴿فَاُولٰئِکَ ...﴾ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ؑ نے فرمایا: ''قیامت کے دن گناہگار ومومن کو لایا جائے گا اور اسے حسابگاہ میں کھڑا کیا جائے گا پس اللہ تعالیٰ خود اس سے حساب لے گا اور کسی انسان کو اس کے حساب کتاب سے باخبر نہیں فرمائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں سے آگاہ کرے گا یہاں تک کہ جب وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا تو خداوند عزوجل کاتبین سے فرمائے گا کہ وہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیں اور اس بات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ تب لوگ کہیں گے اس شخص کا تو ایک گناہ بھی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔ یہ ہے اس آیت کی تاویل اور یہ صرف ہمارے گناہگار شیعوں کے بارے میں ہے''۔ ۲

ولایت ائمہ ؑ ، ایمان کے حصول اور بقا کی شرط

میں نے یہاں آیت مبارکہ کو مکمل طور پر لکھ کر بات کو اس لئے طول دیا ہے کیونکہ یہ بات اہمیت کی حامل ہے اور بہت سے خطیبوں نے اس قسم کی احادیث کے بارے میں عوام کو گمراہ کر رکھا ہے۔ آیہ شریفہ کا ذکر کئے بغیر آیت کے ساتھ ان احادیث کا ربط معلوم نہیں ہو سکتا تھا اس لئے میں گفتگو کو طول دینے پر مجبور ہوا

۱۔ سورۂ فرقان/۶۸ تا ۷۰۔

۲۔ الامالی، ص ۷۰، حصہ سوم۔

ہوں۔ جو کوئی اس آیت کی ابتدا اور انتہا کو دیکھے اسے معلوم ہوگا کہ تمام لوگ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور اپنی خطاؤں کے جوابدہ ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئیں، گناہوں سے توبہ کریں اور نیک کام کریں۔ جس کسی میں یہ تین صفات موجود ہوں وہ کامیاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس کے شامل حال ہوگا۔ بارگاہ الٰہی میں اسے عزت حاصل ہوگی اور اس کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوں گے۔ حضرت باقر العلوم ؑ نے بھی یہی تاویل کی ہے کہ اس قسم کے افراد کا حساب و کتاب اس طریقے سے ہوگا البتہ یہ صرف شیعیان اہل بیت ؑ سے مختص امر ہے اور دوسرے لوگ اس سے محروم ہوں گے کیونکہ علی ؑ اور آپ ؑ کے معصوم اوصیاء ؑ کی ولایت کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا بلکہ ولایت کے بغیر اللہ اور رسول پر ایمان قبول نہیں ہوتا جیسا کہ آنے والی فصل میں انشاء اللہ اس کا تذکرہ ہوگا۔ پس اسی آیہ شریفہ اور اس کی تفسیر کرنے والی احادیث کو ''ادلۂ اولیہ'' میں شمار کرنا چاہئے کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر کوئی ایمان تو رکھتا ہو لیکن اپنے گناہوں کا ازالہ توبہ اور عمل صالح سے نہ کرے تو یہ آیت اسے شامل نہ ہوگی۔

پس اے عزیز! کہیں شیطان تجھے دھوکہ نہ دے اور نفسانی خواہشات تجھے فریب نہ دیں۔ راقم جیسے

ست، خواہشات نفسانی کے اسیر، نیز حب دنیا اور جاہ و مال کے غلام لوگ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تراشتے ہیں تا کہ اپنی سستی کا جواز فراہم کریں۔ وہ ہر اس چیز کی طرف رخ کرتے ہیں جو ان کی نفسانی خواہشات اور شیطانی خیالات سے ہم آہنگ ہو اور اسی پر اپنی توجہ مرکوز کر لیتے ہیں بغیر اس کے کہ اس کی حقیقت پر غور کریں یا اس کے مقابلہ میں موجود باتوں کا جائزہ لیں۔ یہ بے چارے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ائمہ معصومین ؑ کے شیعہ اور محب ہونے کا دعویٰ کرتے ہی ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب ان کیلئے جائز ہو جاتا ہے اور (نعوذ باللہ) وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ ان بدبختوں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ شیطان نے انہیں اندھا کر دیا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ مرتے وقت یہ کھوکھلی محبت ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ خالی ہاتھوں دشمنان اہل بیت ؑ کے ساتھ محشور ہوں۔ دلیل کے بغیر کسی کا دعوائے محبت قابل قبول نہیں ہوتا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک طرف سے میں آپ کا چاہنے والا اور مخلص بنا پھروں لیکن دوسری طرف سے آپ کے جملہ اہداف و مقاصد اور آپ کی پسند کے خلاف عمل کرتا رہوں۔ محبت کے پودے کا پھل اور ثمرہ اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر یہ ثمرہ حاصل نہ ہو تو جاننا چاہئے کہ محبت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اور

محبت کا دعویٰ خیال وگمان کے علاوہ کچھ نہیں۔

محبت اور عمل، لازم وملزوم

پیغمبر اکرمؐ اور آپؐ کی آل پاکؑ نے اپنی پوری زندگی احکام، اخلاق اور عقاید کی ترویج میں گزار دی۔ ان کا واحد مقصد احکام خدا کی ترویج اور انسانوں کی اصلاح کرنا تھا۔ انہوں نے اس راہ میں قتل وغارت کا شکار ہونا اور ذلت واہانت کا نشانہ بننا گوارا کرلیا اور آرام سے نہیں بیٹھے۔ پس ان کا محبّ اور شیعہ وہ ہے جو ان کے مقاصد میں ان کے ساتھ شریک ہو اور ان کی سیرت واحادیث پر عمل کرے۔ احادیث شریفہ میں ''اقرار باللسان'' اور ''عمل بالارکان'' کو ایمان کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک فطری حقیقت اور قانون خداوندی ہے کیونکہ ایمان کا لازمہ اظہار اور عمل ہے۔ عاشق کی فطرت، جبلّت اور سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے معشوق کے ساتھ اظہار عشق ومحبت کرے۔ جو اللہ کا عاشق ہو وہ ایمان، اللہ سے محبت اور اس کے اولیا سے محبت کے تقاضوں اور لوازم پر عمل پیرا ہوگا۔ جو عمل نہ کرے وہ مومن ہی نہیں اور وہ محبت سے عاری ہے۔ اس کی یہ ظاہری اور کھوکھلی محبت بھی معمولی دباؤ اور سختی کے ساتھ دم توڑ دیتی ہے۔ یوں وہ خالی ہاتھوں دار جزا کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ حدیث شریف کا آخری حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ولایت ومعرفت اعمال کی قبولیت کی شرط ہے۔ یہ شیعہ مذہب کے ہاں مسلّمہ اور واضح امور میں سے ایک ہے۔ اس سلسلے میں احادیث اس قدر زیادہ ہیں جن کے ذکر کی گنجائش ان مختصر کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ احادیث تواتر کی حد سے بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ ہم ان احادیث میں سے بعض کا ذکر ان اوراق میں بطور تبرک کریں گے۔

ولایت، قبولیت اعمال کی شرط؛ صحت اعمال کی نہیں

عن الكافي باسناده عن أبي جعفرؑ قال: ﴿ذِرْوَةُ الأَمْرِ وَسَنامُهُ وَمِفْتاحُهُ وَبابُ الأَشْياءِ وَرِضَى الرَّحْمٰنِ الطّاعَةُ لِلإمامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ... أما لَوْ أَنَّ رَجُلاً قامَ لَيْلَهُ وَصامَ نَهارَهُ وَتَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مالِهِ وَحَجَّ جَمِيعَ دَهْرِهِ وَلَمْ يَعْرِفْ وِلايَةَ وَلِيِّ اللهِ فَيُوالِيَهُ وَيَكُونَ جَمِيعَ أعْمالِهِ بِدَلالَتِهِ إلَيْهِ ما كانَ لَهُ عَلَى اللهِ حَقٌّ في ثَوابِهِ وَلا كانَ مِنْ أَهْلِ الايمان﴾

فرمایا: امر کی حقیقت اس کا اعلا مرتبہ، اس کی چابی، اشیاء کا دروازہ اور اللہ کی خوشنودی یہ ہے کہ امام کو پہچاننے کے بعد اس کی اطاعت کی جائے۔ آگاہ رہو کہ اگر کوئی شخص راتوں کو عبادت کرتا رہے، دنوں کو

روزے رکھے، اپنا تمام مال صدقہ دے، زندگی بھر حج کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی ولایت کو نہ پہچانے تاکہ اس سے موالات رکھے اور اپنے سارے اعمال اس کی رہنمائی میں انجام دے تو اسے کسی قسم کی جزائے خیر دینے کا اللہ پر کوئی حق نہیں رہتا اور اس کا شمار ایمان والوں میں نہیں ہوگا۔

وباسناده عن أبي عبدالله علیہ السلام قال: ﴿مَنْ لَمْ يَاتِ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَومَ الْقِيامَةِ بِمَا انْتُمْ عَلَيْهِ لَمْ يُتَقَبَّلُ مِنْهُ حَسَنَةٌ وَلَمْ يُتَجاوَزْ لَهُ سَيِّئَةٌ﴾[1]

حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم اگر ابلیس (لعنۃ اللہ علیہ) اس نافرمانی اور تکبر (آدم کو سجدہ نہ کرنے) کے بعد اگر اپنی پوری دنیوی زندگی، اللہ کے آگے سجدے کرتا تو بھی اللہ کے حکم کے مطابق آدم کو سجدہ کئے بغیر اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا اور نہ اللہ اسے قبول کرتا۔ یہی حال اس نافرمانی اور فریب خوردہ امت کا بھی ہے جنہوں نے رسولؐ کی جانب سے نصب شدہ امامؑ کی نافرمانی کی۔ پس اللہ ان کے اعمال کو قبول نہیں فرمائے گا اور ان کی کسی نیکی کو وقعت نہیں دے گا مگر یہ کہ وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں اسی راستے سے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اس امامؑ کی ولایت کو قبول کریں جس کی ولایت کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس راستے سے داخل ہوں جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کیلئے کھولا ہے''۔[2]

اس بارے میں اور اس مضمون کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولایت اعمال کی قبولیت بلکہ اللہ اور رسول مکرمؐ کی رسالت پر ایمان کی قبولیت کی شرط ہے۔ کچھ علما کا یہ فرمانا کہ یہ اعمال کی درستگی کی شرط ہے ثابت نہیں بلکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ولایت درستگی کی شرط نہیں ہے جیسا کہ بہت ساری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جس میں حکم دیا گیا کہ ''مستبصر یعنی باطل مذہب کو چھوڑ کر تشیّع اختیار کرنے والے پر اپنے گزشتہ اعمال کی قضا لازم نہیں ہے''۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''زکات جو اس شخص نے اپنی گمراہی کے دوران غیر مستحق کو دی تھی کے علاوہ دیگر اعمال کو دہرانے

۱۔ جو کوئی قیامت کے دن تمہارے عقیدے پر ایمان کے بغیر اللہ کے ہاں حاضر ہو جائے اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور نہ اس کا کوئی گناہ معاف ہوگا۔ (وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۱، کتاب الطہارۃ، باب ۲۹، ابواب مقدمۃ العبادات، ح۳)

۲۔ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۲، ح۵۔

کی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ان اعمال کا اجر دے گا"۔[1]

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ "دیگر اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج اور صدقہ وغیرہ تم سے ملحق ہوں گے اور تمہارے پیچھے چلے آئیں گے لیکن چونکہ تم نے زکات غیر مستحق کو دی تھی اس لئے اسے دوبارہ مستحق تک پہنچانا پڑے گا"۔[2]

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ "جمعرات کے دن اعمال رسول خدا کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظر فرماتا ہے اور ان سب کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ سوال ہوا کہ کن لوگوں کے اعمال کا یہ حشر ہوگا؟ فرمایا: ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ بغض رکھنے والوں کے ساتھ ایسا ہوگا"۔[3] یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعمال صحیح تو ہیں لیکن قبول نہیں ہوں گے جیسا کہ واضح ہے۔ (۴۲۲)

عمل کے بغیر تشیّع کا دعویٰ اور شفاعت کی امید؟!

ایک مشہور حدیث ہے: ﴿قَلْبُ الْمُؤمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ﴾[4]

حدیث قدسی میں یہ بات معروف ہے: ﴿لَا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلٰكِنْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ﴾[5] مومن کا دل سلطنت الٰہیہ کا تخت اور عرش ہے، اس کا دل اللہ کا مکان ہے۔ اس دل کا مالک ذات پروردگار ہے۔ غیر اللہ سے دل لگانا اللہ سے خیانت ہے۔ غیر اللہ سے محبت اور اللہ کے بندگان خاص سے محبت جو درحقیقت اللہ سے محبت ہے کو چھوڑ کر دوسروں سے محبت کرنا اہل عرفان کی نظر میں

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، ابواب مقدمۃ العبادات، ح۱۔

۲۔ محمد بن حکیم امام صادق سے روایت کرتے ہیں: ﴿أَمَّا الصَّلاةُ وَالصَّومُ وَالصَّدَقَةُ فَإنَّ اللّٰهَ يُتْبِعُكُمَا ذٰلِكَ وَيُلْحِقُ بِكُمَا وَأَمَّا الزَّكَاةُ فَلَا لِأَنَّكُمَا أَبْعَدْتُمَا حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ وَأَعْطَيْتُمَاهُ غَيْرَهُ﴾۔

وسائل الشیعہ، ج۱، ص۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، ابواب مقدمۃ العبادات۔

۳۔ بحار الانوار، ج۲۳، ص۳۴۵، کتاب الامامۃ، باب ۲۰، حدیث ۳۷۔

۴۔ مومن کا دل خدائے رحمٰن کا عرش ہے۔ (بحار الانوار، ج۵۵، ص۳۹، کتاب السماء والعالم، باب ۴)

۵۔ میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں سماتا لیکن میں اپنے بندۂ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔ (یہ حدیث مختصر اختلاف کے ساتھ) عوالی اللئالی، ج۴، ص۷؛ نیز بحار الانوار، ج۵۵، ص۳۹، کتاب السماء والعالم، باب العرش والکرسی وحملتہا؛ نیز المحجۃ البیضاء، ج۵، ص۲۷، کتاب شرح عجائب القلب؛ نیز احیاء علوم الدین، ج۳، ص۱۷ میں مذکور ہے۔

خیانت ہے۔ اسی طرح اہل بیت عصمتؑ کی ولایت، آل رسولؐ کی محبت اور ان کے پاک مقام کی معرفت امانت خداوندی ہے۔ چنانچہ بہت ساری احادیث میں قرآن میں مذکور "امانت" سے مراد امیر المومنینؑ کی ولایت کو لیا گیا ہے۔[1]

جس طرح آپؑ کی ولایت وحکومت کو غصب کرنا امانت میں خیانت ہے اسی طرح آپؑ کی متابعت نہ کرنا بھی خیانت ہے۔ احادیث شریفہ میں مذکور ہے کہ شیعہ وہ ہے جو مکمل طور پر اطاعت کرے وگرنہ اطاعت کے بغیر خالی دعویٰ کرنا تشیع نہیں ہے۔[2]

بہت سے خیالات واوہام کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ جب ہم اپنے دل میں حضرت امیرؑ اور آپ کی آل پاک کی محبت کا معمولی مشاہدہ کرتے ہی ہم یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان کی متابعت کے بغیر بھی یہ محبت باقی رہے گی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر انسان احتیاط نہ کرے اور اس دوستی کے آثار وثمرات کو ضائع کرے تب بھی یہ محبت باقی رہے؟ عین ممکن ہے کہ سکرات موت کی سختی جو ایمان واخلاص سے عاری لوگوں کو لاحق ہوتی ہے کے باعث خوف ودہشت کے مارے انسان علی ابن ابی طالبؑ کو بھول جائے۔

حدیث میں مذکور ہے کہ گناہگاروں کی ایک جماعت جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوتی ہے جبکہ وہ لوگ رسول اکرم ﷺ کے نام کو بھول جاتے ہیں یہاں تک کہ جب عذاب کی مدت گزر جاتی ہے اور گناہ کی گندگی دھل جاتی ہے تو انہیں آنحضرتؐ کا نام دوبارہ یاد آ جاتا ہے اور دوبارہ ان کے اذہان میں ڈالا جاتا ہے۔ تب وہ "یا محمد" کہہ کر پکاریں گے اور ان پر رحمت کا نزول ہوگا۔[3]

۱۔ ان احادیث میں سے ایک کلینی کی روایت ہے جو امام صادقؑ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا. قَالَ: هِيَ وِلَايَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔

اصول کافی، ج۱، ص۴۱۳، کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ، ح۲۔

۲۔ "یہ نہ کہو کہ وہ ہمارا شیعہ ہے۔ وہ تو جھوٹا ہے۔ ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہماری متابعت کرے اور ہمارے اعمال میں ہماری پیروی کرے۔ تو نے اس شخص کے عمل کا ذکر کیا ہے (ہمسایہ کے گھر میں دیکھنا) اس کا ہمارے اعمال سے کوئی تعلق نہیں"۔

(بحار الانوار، ج۶۵، ص۱۵۵، کتاب الایمان والکفر، باب۱۹، ح۱۱)

۳۔ علم الیقین، ج۲، ص۱۰۴۲۔۱۰۴۳ میں اسی مضمون کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ موت اور سکرات موت اس دنیا کے احوال کی طرح ہیں۔ اے عزیزم! تو ایک معمولی بیماری کے باعث اپنی تمام معلومات کو بھلا دیتے ہو پس موت کی سختیوں، تکالیف، مصیبتوں اور وحشتوں کا کیا بنے گا؟ اگر کوئی ان ہستیوں سے محبت کرے، محبت کے تقاضوں کو پورا کرے، محبوب کو یاد رکھے اور اس کی پیروی کرے تو یقیناً ولی مطلق اور اللہ کے محبوب مطلق کی محبت پر اللہ اور محبوب حق کا لطف و کرم ہوگا۔ لیکن اگر کوئی دعویٰ کرے لیکن عمل نہ کرے بلکہ ان کی مخالفت کرے تو ممکن ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے تغیرات وتبدلات عالم اور دنیا کی رنگینیوں کے باعث انسان آنحضرت کی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ (نعوذ باللہ) آپ کا دشمن ہو جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ان کی محبت کے دعویدار تھے لیکن غلط روابط، بے جا میل جول اور برے اعمال کے باعث خدا ورسولؐ اور آل رسولؑ کے دشمن بن گئے۔ اگر یہ لوگ بطور فرض ان کی محبت کے ساتھ اس دنیا سے چلے بھی جائیں تو وہ احادیث شریفہ اور آیات پاک کی رو سے بروز قیامت نجات تو پائیں گے اور ان کا انجام بخیر ہوگا لیکن برزخ اور موت وقیامت کے عذاب میں پھر بھی مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ حدیث ہے کہ ہم قیامت کے دن تمہاری شفاعت کریں گے لیکن اپنے برزخ کی فکر تم خود کرو۔ (۴۲۳)

احتضار کے وقت اور موت کے بعد ائمہؑ کی محبت وعداوت کا تجسم

احتضار کے وقت انسان کے اوپر اس کے بعض مقامات واحوال منکشف ہوتے ہیں۔ جب وہ سکرات موت اور احتضار کے عذاب سے روبرو ہوتا ہے تو ایک حد تک اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال عمل میں آجاتا ہے۔ پس اگر وہ صاحب ایمان ویقین ہو اور اس کا دل ان عوالم کی طرف متوجہ رہا ہو تو آخری لحوں میں اس کا دل لامحالہ اس عالم کی طرف متوجہ ہوگا، نیز معنوی رہنما اور اس پر موکل فرشتے بھی اسے اس عالم کی طرف لے جائیں گے۔ اس انتقال کے بعد عالم برزخ کا ایک نمونہ اس پر منکشف ہوتا ہے اور عالم غیبت کا ایک روزن اس کے سامنے کھل جاتا ہے۔ یوں وہ ایک حد تک اپنے حال ومقام سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿حَرامٌ عَلىٰ كُلِّ نَفْسٍ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيا حَتّىٰ تَعْلَمَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ هِيَ أَمْ مِنْ أَهْلِ النّارِ﴾[۱]

۱۔ ہر شخص دنیا سے جانے سے پہلے یہ جان لیتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ (علم الیقین، ج ۲، ص ۸۵۳، مقصد ۴، ذکر الموت)

اس بارے میں ایک حدیث مذکور ہے جو طویل ہے لیکن یہ حضرت مولی الموحدین ؑ کے شیعوں اور اہل بیت عصمت ؑ کے دامن سے تمسک کرنے والوں کیلئے ایک بشارت ہے اس لئے ہم یہاں اس حدیث کو مکمل طور پر نقل کرتے ہیں۔ اس حدیث کو جناب فیض کاشانی ؒ نے علم الیقین میں نقل کیا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق ؑ کو یہ فرماتے سنا:

''اللہ کی قسم! تمہارے اعمال بارگاہ حق میں قبول ہوں گے اور اللہ کی قسم! تمہاری بخشش ومغفرت ہوگی۔ جب تمہاری جان یہاں تک پہنچ جائے (یہ فرما کر آپ ؑ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ فرمایا) تو اس کے ساتھ ہی بغیر کسی تاخیر اور فاصلے کے وہ مرحلہ آ جائے گا جس کے باعث تم پر رشک کیا جائے، تمہیں خوشی حاصل ہو اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

(اس کے بعد امام ؑ نے فرمایا:) جب ایسا ہو اور احتضار کی حالت پیش آئے تو اس کے پاس پیغمبر خدا ؐ، علی ؑ، ائمہ ؑ، جبرئیل ؑ، میکائیل ؑ اور ملک الموت (عزرائیل ؑ) حاضر ہو جائیں گے۔ پس جبرئیل ؑ اس شخص کے پاس آ کر رسول خدا ؐ سے عرض کریں گے: یہ شخص آپ اہل بیت کا محب تھا پس آپ بھی اس کو دوست رکھیں۔ پس رسول اللہ ؐ فرمائیں گے: اے جبرئیل! یہ شخص اللہ، اس کے رسول اور اس کے رسول کی آل سے محبت کرتا تھا پس تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرئیل ؑ کہیں گے: اے ملک الموت! یہ شخص اللہ، اس کے رسول اور اس کے رسول کی آل سے محبت کرتا تھا۔ پس آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس کے ساتھ نرمی کریں۔ پس ملک الموت ؑ اس کے قریب جائیں گے اور کہیں گے: اے بندہ خدا! تو نے اپنی آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا؟ تو نے اپنی برائت کا امان نامہ حاصل کر لیا؟ تو نے دنیا کی زندگی میں عظیم ترین محافظوں سے تمسک کیا؟ پس اللہ اسے توفیق دے گا اور وہ بولے گا: ہاں! پس ملک الموت! اس سے کہیں گے: وہ کیا چیز تھی؟ بولے گا: علی ابن ابی طالب ؑ کی ولایت۔ ملک الموت کہیں گے: تو نے درست کہا۔ جس چیز کا تجھے خوف لاحق تھا اللہ نے تجھے اس سے امان دی اور جس چیز کی تجھے آرزو تھی اس سے تم ہمکنار ہوئے۔ مبارک ہو تجھے گزشتہ نیک لوگوں کی مصاحبت یعنی رسول اللہ ؐ، علی ؑ اور آپ ؑ کی نسل کے ائمہ ؑ کی مصاحبت''۔

احتضار کے وقت اور موت کے بعد ائمہ ؑ کے حبّ وبغض کا اثر

''پس وہ اس کی جان آرام اور نرمی کے ساتھ نکالے گا۔ اس کیلئے جنت کا کفن لائے گا۔ اس کا حنوط

خوشبودار مشک کی طرح ہوگا۔ پس اسے یہ کفن پہنایا جائے گا۔ پھر اسے بہشت کے زرد لباسوں میں سے ایک لباس پہنایا جائے گا۔ جب اسے قبر میں رکھا جائے گا تو بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کیلئے کھولا جائے گا جس سے جنت کی آسائش اور خوشبو داخل ہوں گی۔ اس کے بعد اس سے کہا جائے گا: بہشتی بستر میں دولھا کی طرح سو جا۔ مبارک ہوں تجھے جنت کی آسائش، خوشبو اور نعمتیں اور وہ پروردگار جو تجھ سے غضبناک نہیں"۔

اس کے بعد حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

"اور جب کافر کی موت آئے تو اس کے پاس رسول خداؐ، علیؑ، ائمہؑ، جبرئیلؑ، میکائیلؑ اور ملک الموتؑ حاضر ہوں گے۔ پس جبرئیل اس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے رسول خدا! بہ تحقیق یہ شخص آپ اہل بیتؑ سے بغض رکھتا تھا پس آپ بھی اس سے بغض رکھیئے۔ رسول خداؐ فرمائیں گے: اے جبرئیل! یہ شخص اللہ، رسول خداؐ اور رسول خدا کے اہل بیتؑ سے بغض رکھتا تھا پس تو بھی اس سے بغض رکھ۔ پس جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت! یہ شخص خدا، رسول خدا اور اس کے اہل بیت سے بغض رکھتا تھا پس آپ بھی اس سے بغض رکھیں اور اس پر سختی کریں۔ پس ملک الموت اس کے نزدیک جائیں گے اور کہیں گے: اے بندۂ خدا! تو نے اپنی آزادی کا پروانہ حاصل کیا؟ اپنا امان نامہ حاصل کیا؟ تو نے دنیا کی زندگی میں عظیم ترین نگہبان سے تمسک کیا؟ وہ کہے گا: نہیں۔ پس ملک الموت اس سے کہے گا: اے دشمن خدا تجھے غضب الٰہی، عذاب خداوندی اور جہنم کی خوشخبری ہو۔ جس چیز کی تجھے تمنا تھی وہ خاک میں مل گئی اور جس چیز کا تجھے خوف تھا وہ تیرے اوپر نازل ہوگئی۔ پس وہ اس کی جان سختی کے ساتھ نکالے گا۔ پھر اس کی روح پر تین سو شیاطین کو مسلّط کرے گا جو اس کے منہ پر تھوکیں گے اور وہ اس کی بدبو سے اسے تکلیف ہوگی۔ پھر جب اسے قبر میں رکھا جائے گا تو اس کیلئے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جائے گا جس سے جہنم کی گرم ہوا اور شعلے داخل ہو کر اسے اپنی لپیٹ میں لیں گے"۔[۱] انتہیٰ (۴۲۴)

۱۔ علم الیقین، ج ۲، ص ۸۵۴ تا ۸۵۶، المقصد الرابع فی ذکر الموت؛ نیز فروع کافی، ج ۳، ص ۱۳۱، کتاب الجنائز، باب ما یعاین المومن والکافر، ح ۴۔

ائمہ علیہم السلام کی شفاعت

شفاعت کی حقیقت[1]

اصحاب ولایت و معرفت کا ذکر خیر باہمی محبت، وصلت اور تناسب کا موجب ہے۔ یہ تناسب تجاذب کا باعث بنتا ہے اور یہ تجاذب تشافع کو جنم دیتا ہے جو ظاہراً جہل کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت و علم کی روشنیوں کی طرف منتقل کرنے سے عبارت ہے اور باطناً شفاعت کا اظہار ہے عالم آخرت میں۔ (۴۲۵)

شفاعت ہدایت کا اخروی جلوہ

اس عالم میں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا جلوہ ان کی ہدایت ہے اور دوسری دنیا میں ہدایت کا باطن شفاعت ہے۔ اگر تم ہدایت سے محروم رہو تو شفاعت سے بھی محروم رہو گے اس کے برعکس تم جس قدر ہدایت پاؤ گے اسی حساب سے تمہاری شفاعت ہوگی۔ (۴۲۶)

محمدؐ وآل محمدؑ ہماری اخروی اصلاح کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ذریتؑ کو ہمارے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور ان کے ذریعے امت کو گمراہی و جہالت سے نجات دی ہے اسی طرح ان کی شفاعت کے طفیل ہمارے نقائص کو دور فرمائے اور ہماری ناچیز عبادات و طاعات کو شرف قبولیت بخشے۔ (۴۲۷)

شفاعت، اخروی کامیابی کی شرط

خدا جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ سے کٹ جانا اور آنحضرتؐ کی حمایت سے محرومی کس قدر عظیم مصیبت

۱۔ ''شفاعت'' کے بارے میں مزید معلومات کیلئے دیکھئے: ''تبیان'' دفتر ۱۷ ''آراء و نظرات امام خمینیؒ پیرامون عدل الٰہی''، فصل ۱۱، ''شفاعت و عدالت''۔

ہے، نیز آنحضور ؐ اور آپ کی آل پاک ؑ کی شفاعت سے دوری کس قدر بڑی ناکامی ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ آنحضرت ؐ کی شفارش اور حمایت کے بغیر کوئی شخص رحمت حق اور بہشت موعود سے ہمکنار ہو سکے گا۔ (۴۲۸)

شفاعت پر ہونے والی بعض اعتراضات

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال مکتب کے مولوی کی طرح نہیں جو شاگرد کو رسی سے باندھ کر خوب پیٹتا جاتا ہے مگر یہ کہ کوئی اور آ کر اس کی سفارش کرے۔ ﴿تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا﴾[۱]

بنیادی طور پر یہ وہابیوں کا عقیدہ ہے۔ وہ بھی گویا مردوں سے شفاعت طلب کرنے کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد مصر کے کسی مولف نے اس بات کو کسی اور پیرائے میں بیان کیا ہے اور شفاعت کا سرے سے ہی انکار کیا ہے۔ وہ اپنے زعم میں انبیاء کی تعلیمات کو ہی شفاعت سمجھتا ہے۔ اس کے بعد شیخ طنطاوی نے اس نظرئے کو پسند کرتے ہوئے اسے اپنے نام سے مکمل کیا۔

یہاں ہم ''شفاعت'' پر ہونے والے اعتراضات کا ایک ایک کر کے ذکر کریں گے اور ان کا جواب دیں گے۔

پہلا اعتراض: مردوں سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے!

اس سوال کا مفصل جواب اس سے پہلے گزر چکا ہے[۲] اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ شفیع اس دنیا سے رحلت کے بعد مردہ نہیں ہیں بلکہ ان مرنے والوں کی زندگی، یعنی ان کی ارواح کا دوسرے عالم میں ہمیشہ باقی رہنا اور ان کا عالم پر محیط ہونا قدیم فلسفہ کی رو سے بھی اور یورپ کے روحانی فلسفیوں کے نزدیک بھی ایک مسلّمہ امر ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ ان معترضین کے بقول پیغمبر ؐ اور امام ؑ مرنے کے بعد لکڑی، پتھر اور دیگر جمادات کی طرح ہیں تب بھی ان سے شفاعت طلب کرنا باعث شرک کیوں کر ہوگا؟ زیادہ سے

۱۔ اشارہ ہے سورۂ اسراء کی آیت ۴۳ ﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ کی طرف۔
''وہ پاک و منزہ ہے اور جو باتیں یہ لوگ کرتے ہیں وہ ان سے کہیں بلند و بالا ہے''۔

۲۔ دیکھیے ''معاد از دیدگاہ امام ؒ'' کی بحث نفس اور حیات روح پس از مرگ۔

عمل ہوگا۔

دوسرا اعتراض: غیر اللہ سے شفاعت چاہنا اللہ کے کاموں میں دوسروں کو شریک قرار دینے کے مترادف ہے اور یہ شرک ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ شفاعت خدا کا کام نہیں ہے کیونکہ شفاعت در حقیقت اللہ کے حضور پیغمبر ؐ اور امام ؑ کی دعا سے عبارت ہے تاکہ اللہ کسی کے گناہ کو بخش دے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بندے کا ہی ہوسکتا ہے خدا کا نہیں۔ اس سے قبل ہم واضح کر چکے ہیں کہ اللہ کے کام سے کیا مراد ہے، نیز اللہ کے اور بندوں کے کام میں کیا فرق ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ کچھ کام وہ ہیں جو کسی کی مدد اور کسی سے حاصل شدہ طاقت کے بغیر اپنی ذاتی قوت اور مدد سے انجام دئے جائیں جبکہ یہ بات واضح ہے کہ شفاعت و سفارش خدا کی اجازت سے انجام پاتی ہے اور یہ وہ اختیار اور اعزاز ہے جو خدا شفاعت کرنے والے کو عطا فرماتا ہے۔

تیسرا اعتراض: شفاعت اور سفارش مقام خدائی کی منافی ہے اور دینداروں کے بقول: کیا خدا مکتب کے ملاّ کی طرح ہے جو اس وقت تک اپنے کام (بچوں کی پٹائی) سے دستبردار نہیں ہوتا جب تک کوئی سفارش نہ کرے؟!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اسی حد تک رہے تو ایک بے دلیل اور بے مقصد بات ہے اور تمہارے قول کے مطابق بندگان خدا کو علم بھی نہیں سکھانا چاہئے کیونکہ علم سکھانا مکتب کے ملاّ کا کام ہے۔ بنابریں تمام ادیان و مذاہب کو لغو اور بے فائدہ سمجھنا چاہئے اور انبیاء کی تعلیمات سے دستبردار ہونا چاہئے بلکہ اللہ کو موجود بھی نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ مکتب کا ملاّ بھی وجود رکھتا ہے۔ دیندار لوگ کہتے ہیں کہ تم بھی خدا کو مکتب کا ایک ہٹ دھرم ملاّ سمجھتے ہو جو کسی کی پٹائی شروع کرتا ہے تو آخری دم تک مارتا رہتا ہے اور کسی قسم کی نرمی اور بخشش قبول نہیں کرتا۔ (۴۲۹)

شفاعت کی تائید قرآن مجید سے

ان یاوہ گوؤں نے کم از کم ایک بار بھی قرآن کا مطالعہ نہیں کیا اور یہ نہیں دیکھا کہ خالق کائنات نے شفاعت کے بارے میں کس قدر آیات نازل کی ہیں اور کس قدر صراحت کے ساتھ اس مسئلے کو بیان کیا ہے تاکہ وہ کمال جسارت کے ساتھ نہ کہتے:

﴿تعالَى اللهُ عَمّا يَقولُ الظّالِمونَ عُلوّاً كَبيراً﴾[1]

یہاں ہم قرآن کی چند آیات کا تذکرہ کریں گے اور آپ سے قضاوت چاہیں گے:

سورۂ بقرہ کی آیت/۲۵۵ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلاّ بِاِذْنِهِ﴾ "اللہ کی اجازت کے بغیر کون اللہ کے حضور شفاعت کر سکتا ہے؟"۔

سورۂ انبیاء، آیت/۲۸ میں فرماتا ہے: ﴿وَلاَ يَشْفَعُونَ اِلاّ لِمَنِ ارْتَضىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ "وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو"۔

سورۂ نجم، آیت/۲۶ کہتی ہے: ﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰاتِ لاَ تُغْنِي شَفاعَتُهُمْ شَيْئاً اِلاّ مِنْ بَعْدِ اَنْ يَاْذَنَ اللهُ لِمَنْ يَشآءُ وَيَرْضىٰ﴾ "آسمان میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی مگر یہ کہ اللہ اجازت دے اس کے حق میں جسے وہ چاہے اور پسند کرے"۔ (۴۳۰)

شافع اور مشفوع کے درمیان مناسبت کی ضرورت

ہمارا خیال ہے[2] کہ آخرت اور وہاں کے حساب و کتاب کا مسئلہ ایک خدائی اصول اور قانون ہے

﴿اِسْتِحْقاقُ الْعَبْدِ لِلْعُقوبَةِ اَوْ لِلْمَثوبَةِ﴾ "بندے کا مستحق عقاب و ثواب ہونا" اللہ کی طرف سے وضع شدہ ایک استحقاقی قانون ہے۔ خداوند تعالیٰ اس قانون کے تحت یا سزا دیتا ہے یا سرے سے بخش دیتا ہے اور کہتا ہے جاؤ میں نے تجھے بخش دیا یا ایک شخص آ کر کہتا ہے مولا اسے بخش دے کہ یہ میری خواہش ہے۔ عام طور پر شفاعت کے بارے میں ہمارا نظریہ کچھ ایسا ہی ہے لیکن یہ ایک باطل تصور ہے۔ ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ اخروی عقاب بندے کی ذات کا ایک لازمہ ہے۔ آخرت میں انسان کا وجود اس کے باطن کے ظہور و بروز کے مطابق اور اس کے اندر راسخ صفات کا لازمہ ہوتا ہے۔ کیا اس قسم کے لازموں سے چشم پوشی کی سفارش کی جا سکتی ہے؟ وہ شفاعت جو قرآن و سنت کے مطابق اور مسلمانوں کے درمیان مسلّمہ ہے وہ صرف ایک

۱۔ سورۂ اسراء کی آیت ۴۳ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ نیز شفاعت پر اعتراض ہے کہ: کیا گناہگاروں کے گناہوں کو معصومینؑ کی سفارش پر بخش دینا اللہ کے درست اور دقیق اخروی حساب و کتاب سے منافات نہیں رکھتا؟ کیا یہ امر عدل الٰہی کے منافی نہیں؟ کیا اس سے گناہگاروں میں گناہ انجام دینے کی جرأت پیدا نہیں ہوتی؟

نہایت قلیل تعداد کو شامل ہوگی جو نہ ہونے کے برابر کہلائی جاسکتی ہے۔اس شفاعت کا دائرہ اس قدر وسیع نہیں جتنا ہم سمجھتے ہیں کہ انسان جس قدر ظلم اور گناہ کرے اس کے باوجود اس کی شفاعت ممکن ہے؛ نہیں؛ کیونکہ شفاعت ''شفع'' سے ماخوذ ہے اور شفع سے مراد ہے ''جوڑا'' یا ''دو ہونا''۔ولی خدا کی ولایت عظمیٰ کا نور بندۂ مومن کے نور سے مل کر اسے اپنی طرف لے جاتا ہے۔پس جب تک اس بندے کا اپنا کوئی نور نہ ہو اس وقت تک دو نوروں کا اختلاط و اجتماع کیونکر ممکن ہے؟ کیا جس قسم کی شفاعت کا ہمیں گھمنڈ ہے اس قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے؟ بنیادی طور پر شفاعت کا وقوع ایک مسلّمہ امر ہے اور شاید یہ ایک نا قابل انکار مسئلہ ہو لیکن اصل بات، شفاعت کی کیفیت کے بارے میں ہے۔

قرآن واحادیث نے نہایت اجمال وابہام کے ساتھ کہا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾[1] یعنی کون ہے جو اذن خداوندی کے بغیر شفاعت کرسکے؟ کیا اذن الٰہی کے بغیر شفاعت ممکن ہے؟ کیا ہمیں یہ معلوم ہے کہ خدا کب اذن عطا فرمائے گا؟ شاید وہ مزید دو ارب سالوں کے بعد اذن دے یا شاید سرے سے اجازت ہی نہ دے۔پھر اذن بھی تب دے گا جب بندے کا نور، ولایت کے نور سے مخلوط ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔لیکن اگر بندے کا نور ﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾[2] کے نیچے پڑا رہا ہو، نیز شرک خفی اور منفی صفات کے تاریک پردوں نے اسے ڈھانپ رکھا ہو تو کیا وہ ولی اللہ کے نور سے مخلوط ہوسکتا ہے؟

اذن خداوندی ہم جیسوں کے اذن کی طرح نہیں جو ایک امر اعتباری وعقلی ہو اور اللہ کہے: ''میں تجھے اذن دیتا ہوں'' بلکہ یہ ایک حقیقی وتکوینی امر ہے جس طرح اس کی مغفرت بھی ایک حقیقی وتکوینی امر ہے بلکہ بنیادی طور پر وہ ایک حقیقت خارجیہ ہے۔کیونکہ یہ اعتباریات کی منزل نہیں جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ وہاں ''استحقاق عقاب'' ایک امر حقیقی اور وجود خارجی ہے اسی طرح اخروی سزائیں جو وجود انسانی اور صفات ذاتی کا لازمہ ہیں، نیز بچھو، آگ اور شعلے جو نفس کی تخلیق ہیں قابل مغفرت نہیں۔اس ذات کی مغفرت کیسے معقول ہے جس کا لازمہ آگ ہے اور جو آگ کو وجود بخشتی ہے؟ کیا اس ذات کی مغفرت سوائے اس کے کسی اور طریقے سے ہوسکتی ہے کہ یہ راسخ صفات اپنے تقاضوں اور اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق آگ

۱۔سورۂ بقرہ، آیت/۲۵۵۔

۲۔تہہ در تہہ تاریکیاں۔(سورۂ نور/۴۰)

اور آتش کو وجود میں لائیں یہاں تک کہ آگ کو وجود میں لانے کی صلاحیت ختم ہو جائے؟ کیا اس ذات کو جس کی حقیقت تاریک ہو چکی ہو یونہی ظلمت ذاتی سے خارج کرنا ممکن ہے؟ اس ذات کی مغفرت ہی یہی ہے کہ اس کا استحقاق عقاب ختم ہو جائے۔ اس ذات پر رحم و کرم کی صورت یہی ہے کہ اس کا استحقاق عقاب باقی نہ رہے۔(۴۳۱)

شفاعت کرنے والوں سے رابطے کے اسباب و موانع[۱]

اعمال کی سزائیں اور برزخ و جہنم کا عقاب

اگر بعض قرآنی آیات کی ظاہری دلالت کو مدنظر رکھا جائے تو مصیبت پر مصیبت کا اضافہ ہوتا ہے اور شفاعت کے ذریعے گناہگاروں کی مغفرت طویل مراحل سے گزرنے کے بعد ہی ممکن نظر آتی ہے۔ اخلاق و اعمال کا تجسم، ان کے لازمی نتائج، انسان کے ساتھ ان کا لازمی ربط جو موت کے بعد سے لے کر قیامت کبریٰ تک اور اس کے بعد سے لے کر تنزیہہ تک رہے گا، نیز برزخ اور جہنم کی سختیوں اور عذاب کے باعث قطع رابطہ، شفیع کے ساتھ رابطے کا ممکن نہ ہونا اور شفاعت کا نصیب نہ ہونا وغیرہ وہ احتمالی امور ہیں جو انسان کی کمر توڑ کر رکھ دیتے ہیں اور مومنین کو اپنی اصلاح کیلئے کمر ہمت باندھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے ان احتمالات کے واقع نہ ہونے کا یقین ہے مگر یہ کہ اس کے نفس کا شیطان اس پر اتنا مسلّط ہو کہ وہ اسے اس طرح کھلونا قرار دے اور اس کے سامنے حق کا راستہ یوں مسدود کرے کہ وہ روز روشن کا ہی انکار کر دے۔(۴۳۲)

موت سے لے کر قیامت تک کی سختیاں

ممکن ہے کہ جان نکلتے ہی شفاعت نصیب ہو جائے یعنی فوری طور پر ولی اللہ کا نور اس نور کے ساتھ مخلوط ہو جو موت کے وقت مومن کو حاصل ہوتا ہے، نیز ممکن ہے کہ برزخ میں ایمان کا نور فگن ہو اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ روز قیامت کی ابتدا میں یا کسی خاص حسابگاہ میں یا جہنم میں کچھ مدت تک جلائے جانے کے بعد یہ توفیق حاصل ہو۔

انسان کو قوانین الٰہیہ کے مقابلے میں ایسی شفاعت کا گھمنڈ نہیں رکھنا چاہئے جس کے مفہوم سے بھی وہ

۱۔ اس مبحث سے بہتر آگاہی کیلئے دیکھئے کتاب: ''بررسی آراء و نظرات امام'' در باب عدل الٰہی، فصل ۱۱، شفاعت و عدالت''۔

نابلد ہے کیونکہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اس بات کا بھی امکان ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ سرے سے شفاعت کی اجازت ہی نہ دے یا سالہا سال کے بعد اذن دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان سرے سے تمام چیزوں یہاں تک کہ شفاعت کرنے والوں کے مبارک ناموں کو بھی بھول جائے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس دنیا میں جب انسان کسی معمولی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو بہت سی چیزوں کو بھول جاتا ہے؟ اس صورت میں کیا بعید ہے کہ موت کی سختی، بے کسی، دہشت اور تنہائی کے باعث انسان ہر چیز کو بھلا دے یہاں تک کہ وہ اپنی شفاعت کرنے والوں کے مبارک ناموں کو بھی بھول جائے اور کسی کو پکارنے پر قادر نہ ہو یا وہ مسلسل ''یاعلی'' کہتا رہے اور اسی حال میں وارد جہنم ہو کر اس وقت تک جلتا رہے کہ اسکے وجود کی ساری کثافتیں جل کر ختم ہو جائیں اور وہ خالص ہو جائے یوں اس کا فراموش شدہ نور پلٹ آئے جو اس کی ذات کی گہرائیوں میں مخفی تھا۔ یوں یہ نور طلوع ہو اور دوزخ کے نگہبان اسے شفاعت کرنے والوں کے ناموں سے آگاہ کریں۔ (۴۳۳)

نور توحید اور ولایت کا فقدان اور گناہوں کی تاریکی

آخرت کی شفاعت کوئی غیر معقول بات نہیں۔ یہ شافع و مشفوع کے درمیان تناسب کا نتیجہ ہے۔ بنابریں جو کوئی توحید اور ولایت کے نور سے بے بہرہ ہیں وہ نور شفاعت سے مستفیض نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح گناہگار لوگوں کو بھی اگر گناہوں کی تاریکی نے خوب گھیر لیا ہو تو ممکن ہے کہ وہ بہت لمبی مدت کے بعد شفاعت سے ہمکنار ہوں۔ (۴۳۴)

اخروی شفاعت کی شرط

اولیاء علیہم السلام کی شفاعت کے بھروسے پر گناہوں کا ارتکاب کرنا شیطان کے عظیم پھندوں میں سے ایک ہے۔ آپ ذرا ان لوگوں کی حالت دیکھئے جو ان کی شفاعت کی آس لگائے، خدا سے غافل، گناہوں میں غرق ہیں۔ آپ انکے نالہ و فریاد، ان کی دعاؤں اور انکے سوز و گداز کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے اپنی زندگی کے آخری لحات میں اپنے رشتہ داروں اور اپنی اولاد کو پاس بلایا اور ان سے فرمایا: ''تمہیں کل خدا کی بارگاہ میں عمل کا توشہ لے کر جانا ہوگا۔ یہ خیال نہ کرو کہ میرے ساتھ تمہارا رشتہ تمہیں کوئی فائدہ دے گا''۔

علاوہ ازیں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ شفاعت ان لوگوں کو نصیب ہو جن کا اپنے شفیع کے ساتھ معنوی ارتباط برقرار ہو اور اللہ کے ساتھ ان کا رابطہ اس طرح سے ہو کہ وہ شفاعت حاصل کرنے کے اہل قرار پائیں۔ اگر یہ امر اس عالم میں تحقق پذیر نہ ہو تو اس بات کا بھی امکان ہے کہ عالم برزخ بلکہ جہنم کے عذاب کے ذریعے تزکیہ و تطہیر حاصل ہونے کے بعد وہ شفاعت کے لائق بن جائیں البتہ اس بات کا علم اللہ کے پاس ہے کہ اس میں کتنا وقت لگے گا۔

اس کے علاوہ شفاعت کے بارے میں قرآن کی کچھ آیات ایسی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کا سکون چھن جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾[۱] نیز فرماتا ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾[۲]

شفاعت کی امید شوق طاعت کی موجب ہے نہ کہ گناہ کی

یہ اور اس قسم کی آیات شفاعت کو ثابت تو کرتی ہیں لیکن شفاعت کن لوگوں کو نصیب ہوگی؟ کن شرائط کے ساتھ حاصل ہوگی اور کب ملے گی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کی موجودگی میں انسان غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور نہ گناہ کی جرأت کر سکتا ہے۔ ہم شفاعت کی امید تو رکھتے ہیں لیکن اس امید کے باعث ہمیں اللہ کی اطاعت کرنی چاہئے نہ کہ نافرمانی۔ (۴۳۵)

شفیعوں کے ساتھ عملی ارتباط کی حفاظت

اگر کسی انسان کو شفاعت کی خواہش ہے تو اسے چاہئے کہ اس دنیا میں سعی و کوشش کے ذریعے اپنے اور اپنے شفیعوں کے درمیان رابطے کو برقرار رکھے اور قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں کی حالت پر ذرا غور کریں کہ وہ عبادت و ریاضت کے کس درجے پر فائز تھے۔ (۴۳۶)

ائمہؑ کے ساتھ روحانی رابطے کی حفاظت

شفاعت ''شفع'' سے ماخوذ ہے اور شفع سے مراد دو ''نوروں'' کا یکجا ہونا ہے۔ بنابریں یہ ضروری ہے کہ اخلاق و صفات کے لحاظ سے ائمہؑ میں سے ایک کے ساتھ رابطہ برقرار کیا جائے تا کہ ان کی ولایت کا نور شفاعت کا موجب بنے۔ (۴۳۷)

۱۔ سورۂ بقرہ/۲۵۵۔ ۲۔ سورۂ انبیاء/۲۸۔

باطنی تناسب وتجاذب کا شفاعت سے ربط

ارباب ولایت ومعرفت کا ذکر خیر، محبت، باہمی ارتباط اور ہم آہنگی وتناسب کا موجب بنتا ہے۔ یہ ہم آہنگی اور مناسبت وتجاذب یعنی ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کا موجب بنتی ہے اور یہ تجاذب شفاعت کو جنم دیتا ہے کیونکہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کسی باطنی تناسب وتجاذب کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتی اور یہ کوئی بے بنیاد اور لاف وگزاف پر مبنی دعویٰ نہیں۔(۴۳۸)

تیسری فصل

نو اعتراضات

ائمہ اطہار ؑ کے ساتھ خوارق عادت امور کا انتساب

معترض کہتا ہے: "ہمارا آج کا دین امامت کو نبوت کے بعد شمار کرتا ہے لیکن عملی طور پر اس کو بہت ہی بلند و بالا قرار دیتا ہے کیونکہ ہم نے کبھی نہیں سنا ہے کہ رسول ؐ نے کسی اندھے کو شفا دی ہو یا کسی بیمار کو ٹھیک کیا ہو، نیز ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے پیغمبر ؐ کے نام پر نذر کیا ہو لیکن ہم نے اماموں ؑ اور امامزادوں کے بارے میں یہ باتیں اور اس قسم کی دیگر باتیں بہت سنی اور دیکھی ہیں۔ پیغمبر اکرم ؐ کہتے ہیں: میں اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر دنیا فنا ہو جائے تو علیؑ کے ہی ہاتھوں ہوگی"!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احمقوں کا دیندار لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا سروکار نہیں رہا ہے اور یہ لوگ ان کی کتابوں سے جو عربی و فارسی زبانوں میں مسلمانوں کے اندر شائع و رائج ہیں مکمل طور پر بے خبر ہیں۔ ہماری علمی کتابوں میں یہاں تک کہ اپنے تمام تر اختصار کے باوجود علامہ کی کتاب "شرح تجرید" میں بھی رسول اکرم ؐ کے بہت سارے معجزات کا ذکر ہوا ہے۔

رسول اکرم ؐ کے معجزات

علامہ مجلسی ؒ اپنی کتاب حق الیقین کے بارہویں صفحے پر رقمطراز ہیں:

قسم اول: آنحضرت ؐ کے جملہ معجزات کے اجمالی بیان میں ہے: "جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول ؑ کو کوئی معجزہ عطا نہیں فرمایا مگر یہ کہ اسی طرح کا معجزہ اور اس سے بیشتر معجزات آنحضرت ؐ کو عطا کئے ہیں۔ آپ ؐ کے معجزات کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے دیگر کتب میں ایک ہزار سے زیادہ معجزات کا ذکر کیا ہے"۔

اس کے بعد وہ آنحضرت ؐ کے معجزات کا تفصیلی تذکرہ شروع کرتے ہیں اور ان کی اقسام کو بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ کہتے ہیں: "چوتھی قسم اس بات کے بیان ہیں کہ آنحضرت ؐ کی دعا سے مردے

زندہ ہوتے تھے، اندھے بینا ہوتے تھے اور بیمار صحت یاب ہوتے تھے۔ اس نوع کی تفصیل اس قدر زیادہ ہے جس کو شمار نہیں کیا جا سکتا''۔

اگر کوئی شخص علمائے اسلام کی کتابوں اور شیعہ و سنی احادیث کا اجمالی مطالعہ کرے تو ان معترضین کی دروغ پردازی کا پردہ خوب چاک ہو جائے گا۔ میرے خیال میں تمام مسلمانوں، یہود و نصاری کے بہت سارے مذاہب اور دیگر ملتوں کے درمیان کوئی فرد ایسا نہ ہوگا جو یہ کہے کہ ہم نے ہرگز نہیں سنا کہ پیغمبرؐ نے کسی اندھے یا بیمار کو ٹھیک کر دیا ہو...

شاید ان کی مراد یہ ہو کہ رسولؐ کی قبر سے ہم نے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن قبور ائمہؑ کے بارے میں ہم نے بہت کچھ سنا ہے۔ اس کی وجہ بھی بہت واضح ہے کیونکہ ہم اس قبر مطہر کے پاس موجود نہیں ہیں جو ہم مشاہدہ کر سکیں۔ اسی لئے ہم نے جنت البقیع میں مدفون ائمہؑ سے بھی کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن دیگر اماموںؑ کی قبور کی زیارت کیلئے ہر سال لاکھوں لوگ جاتے ہیں۔ شاید ہر چند سالوں کے بعد کوئی آدمی ایسا مل سکے جسے اللہ ان کی قبور کے پاس شفا عنایت کرے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ دینداروں کا یہ دعویٰ نہیں کہ اماموںؑ اور امامزادوں سے منسوب ہر کرامت درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ لوگ دوسروں کی نسبت زیادہ کھوجی اور تحقیق و تفحص کے عاری ہوتے ہیں، نیز ان کے علماء سب سے زیادہ شکی مزاج ہیں جنہیں سب سے آخر میں یقین آتا ہے۔ البتہ اگر قواعد و ضوابط اور دلائل کی رو سے ثابت ہو جائے تو وہ قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ خداوند قادر پر ایمان رکھتے ہیں وہ جس طرح بلاوجہ کسی چیز کی تائید نہیں کرتے بالکل اسی طرح بلاوجہ کسی چیز کا انکار بھی نہیں کرتے۔ یہی دینداری اور عقلمندی کا معیار ہے۔ جو کوئی کسی واضح دلیل کے بغیر کسی چیز کو رد کرے یا قبول کرے وہ عقلمندوں اور دینداروں کے دائرے سے خارج ہے۔

امامؑ کیلئے نذر کرنا، پیغمبرؐ کیلئے نذر نہ کرنا

رہا ان کا یہ اعتراض کہ ''پیغمبرؐ کیلئے نذر کیوں نہیں کرتے؟'' تو یہ ایک جاہلانہ سوال ہے کیونکہ جو لوگ نذر کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی امامؑ یا امامزادے کے جوار ہیں موجود ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نذر کرتے ہیں، ان کی قبور پر شمع جلاتے ہیں یا ان کی خاطر صدقہ دیتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے یہ نہیں سنا کہ لوگوں نے جنت البقیع

میں مدفون ائمہؑ کیلئے نذر کی ہو۔ پس اس کی وجہ یہ نہیں کہ دیندار لوگ اماموںؑ اور امامزادوں کو پیغمبر اکرمؐ سے بلند و برتر سمجھتے ہیں۔ اگر تمہاری یہ بات درست ہو تو تمہیں کہنا چاہئے کہ دیندار لوگ امامزادہ داوود کو امام حسن، امام باقر اور امام صادق علیہم السلام سے بلند و برتر سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے اس بات کو تم خود بھی تسلیم نہیں کرتے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ پیغمبرؐ، امامؑ یا کسی اور کیلئے نذر اس صورت میں درست اور مطابق شریعت ہے جب کسی پسندیدہ اور نیک کام کیلئے اللہ کی خاطر نذر کی جائے، نذر کا صیغہ بھی پڑھا جائے اور اس کا ثواب پیغمبرؐ یا امامؑ کو پیش کیا جائے وگرنہ نذر ایک لغو، باطل اور جاہلانہ عمل ہوگا بلکہ بعض اوقات ایسی نذر شریعت میں دخل اندازی اور حرام شمار ہوگی۔

پیغمبرؐ سے زیادہ ائمہؑ کے فضائل کا ذکر

ان کا کہنا ہے: ''کیا بات ہے کہ ائمہؑ وسادات کے فضائل بیان کرنے کی خاطر اس قدر مجالس برپا ہوتی ہیں اور اس قدر کتابیں لکھی جاتی ہیں لیکن پیغمبرؐ کے بارے میں ایسا نہیں ہوتا! اس کی وجہ بھی رقابت،

حسد اور ہٹ دھرمی ہے''۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس کے ساتھ ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ کیا پیغمبر اسلامؐ ہمارے پیغمبرؐ نہیں؟ کیا وہ صرف اہل سنت کے رسول ہیں جو ہم پیغمبرؐ اور امامؑ کے نام پر ایک دوسرے سے رقابت برتنے لگیں؟ اس کے بجائے یہ کہا جاتا تو بہتر تھا کہ ابوبکر اور عمر کے فضائل کیوں نہیں لکھتے اور ان کیلئے مجالس کیوں برپا نہیں کرتے تاکہ رقابت والی بات درست ہوتی۔ بہر حال اس بکواس کی کوئی بنیاد نہیں، کیونکہ رسول اکرمؐ کے فضائل کو ہم نے بھی تمام ائمہؑ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ تنہا آنحضرتؐ کے جتنے معجزات مذکور ہیں اتنے تمام ائمہؑ کے مجموعی طور پر بھی نہیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے غزوات، آپؐ کی سیرت اور آپ سے مربوط دیگر امور کے بارے میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں دوسروں کے بارے میں اس کا نصف بھی موجود نہیں۔ البتہ مصائب کی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں زیادہ تر امام حسین علیہ السلام کی مصیبت میں مرقوم ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ یہ اعتراض صدر اول کے لوگوں پر کریں کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کی طرح رسول اکرمؐ کو کیوں قتل نہیں کیا اور آپؐ پر اس قدر ظلم کیوں نہیں کیا جو آپؐ کے بارے

میں مصائب کی کتاب لکھی جاتی ؟ ہم لوگ ذکر مصائب کی جو مجلسیں برپا کرتے ہیں وہ سو فیصد اخلاق، احکام اور عقاید پر مشتمل ہوتی ہیں آخر میں ہم اس شہید کی مظلومیت کا تذکرہ کرتے ہیں جس نے دین کی خاطر قربانی دی۔ یہ ان برکات میں سے ایک ہے جس نے آج تک مذہب شیعہ اور اس کی تعلیمات کو محفوظ رکھا ہوا ہے حالانکہ یہ لوگ مکمل طور پر اقلیت میں تھے۔ حکومت اور ملت کی ذمہ داری ہے کہ اس نعمت کی پوری پوری حفاظت کریں کیونکہ نظام مملکت اور مذہب شیعہ کی بنیاد اسی پر استوار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظام حکومت کی حفاظت ملی وحدت کی مرہون منت ہے اور یہ مذہبی رسم ملی و اسلامی وحدت کی بہترین بنیاد ہیں۔ ملی وحدت کی موجودگی میں کوئی حکومت تزلزل کا شکار نہیں ہوتی۔

شفا کو ائمہؑ سے اور بیماری کو اللہ سے منسوب کرنا

اس کا کہنا ہے: ''دیندار لوگ بری چیزوں کو خدا سے اور اچھی چیزوں کو ائمہؑ سے منسوب کرتے ہیں جبکہ رسول اکرمؐ کو (نعوذ باللہ) بیکار قرار دیتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارا ایک مریض تھا، جب اسے بخار ہو جاتا تو تیماردار اس سے کہتا تھا: ''کیا کریں خدا کی یہی مرضی تھی'' اور جب ٹھیک ہو جاتا تو کہتا تھا: ''ائمہ اطہارؑ کی برکت سے ٹھیک ہوا ہے''۔

میری عرض ہے کہ اس مولف کو اس بوڑھی تیماردار عورت کی بات کو بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر وہ اس کی بات کو سمجھتا تو شاید وہ یہ غیر معقول اعتراض نہ کرتا۔ اس کا یہ کہنا تو درست ہے کہ بخار اور بیماری اللہ کی مشیت ہے کیونکہ کوئی شخص برے امور سے بھی ارادۂ خداوندی کو سلب نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾[1]

رہا اس کا یہ کہنا کہ ائمہ اطہارؑ کی برکت سے مریض صحت یاب ہو گیا تو بہتر یہ تھا کہ آپ اس تیماردار سے پوچھتے کہ کیا خدا بے کار بیٹھا ہے جو ائمہ اطہارؑ اس کی جگہ کام کریں؟ اگر آپ یہ سوال کرتے تو اس بوڑھی عورت کی زبان سے اس کا جواب سنتے۔ اب بھی کوئی زیادہ دیر نہیں گزری۔ ہم تمام چھوٹے بڑے اور

۱۔ ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ، وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ، قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾ یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی نصیب ہو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی ناگوار امر پیش آئے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے، کہئے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ (سورۂ نساء/۷۸)

پیروجوان شیعوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ اچھی چیزوں کو خدا کی طرف سے قرار نہیں دیتے اور صرف بری چیزوں کو ہی خدا کا عطیہ سمجھتے ہیں یا ہر چیز کو خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں؟ البتہ چونکہ مریض معصومینؑ سے توسل کے نتیجے میں صحت یاب ہوا تھا اس لئے کہا تھا کہ ان کی برکت سے ٹھیک ہوا ہے۔ یقیناً اس عورت نے اس وقت ائمہؑ سے شفاعت چاہی تھی وگرنہ یہی عورت پیغمبرؐ کو ائمہؑ سے بہتر اور آپؐ کی شفاعت کو اللہ کے ہاں زیادہ مقبول سمجھتی تھی لیکن آپ نے اس کی بات کو درک نہیں کیا۔ بہت سے لوگ بیمار پڑتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ کو یہی منظور تھا پھر وہ طبیب کے پاس جاتے ہیں جو انہیں ٹھیک کر دیتا ہے۔ تب وہ کہتے ہیں: اس ڈاکٹر نے ہمیں ٹھیک کیا۔ کیا یہاں یہ کہنا درست ہے کہ بیمار لوگ برائی کو اللہ سے منسوب کرتے ہیں اور خوبیوں کو طبیب سے، نیز وہ پیغمبرؐ اور ائمہؑ کو بے کار سمجھتے ہیں؟

ائمہؑ کا جبرئیلؑ سے ارتباط

اس مولف نے اس بات کو عوام کا جرم سمجھا ہے کہ ان کا عقیدہ احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ اس کے بعد وہ چند احادیث نقل کرتا ہے جن میں سے ایک ''ابی حمزہ'' کی حدیث ہے جو حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ فرشتوں کے پروں کے ٹکڑے جمع کرتے تھے۔ ایک اور حدیث کے مطابق رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد جبرئیلؑ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے غیب کی خبریں لاتے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام انہیں لکھتے تھے اور یہی مصحف حضرت زہراءؑ ہے۔ پھر وہ ان احادیث پر تین اعتراضات کرتا ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے: ''روح الامینؑ تیرے دل پر وحی اتارتا ہے۔ یہاں جبرئیلؑ کے وحی لانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے''۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ''فرشتوں کے پر و بال نہیں ہوتے اور قرآن میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا''۔

تیسرا اعتراض یہ کہ ''اگر یہ احادیث درست ہوں تو پھر ایک کی بجائے اسلام کے چودہ پیغمبروں کو ماننا ہوگا''۔

قرآن میں جبرئیلؑ کا ذکر

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اس قدر سینہ زوری کے ساتھ دین اور دینداروں پر اعتراض کرتا ہے اس کیلئے بہتر یہی ہوتا کہ وہ کم از کم ایک بار قرآن کا مطالعہ کرتا تا کہ اس قدر رسوائی کا باعث نہ بنتا۔

یہاں ہم ایک آیت کا ذکر کریں گے جس میں جبرئیل ؑ کے نام اور اس کے وحی لانے کا ذکر ہوا ہے:

سورۂ بقرہ کی آیت ر۹۷ کہتی ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ '' کہئے جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہے وہ جان لے کہ اسی جبرئیل نے تیرے دل پر خدا کے اذن سے قرآن کو نازل کیا ہے''۔

دوسرے اعتراض کا جواب بھی قرآن کے اندر موجود ہے۔ سورۂ فاطر کی پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ''تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا خالق، نیز فرشتوں کو اپنا پیامبر ؑ قرار دینے والا ہے، یہ فرشتے دو دو، تین تین اور چار چار پروں کے حامل ہیں، اللہ اپنی خلقت میں جس طرح چاہے اضافہ کرتا ہے، بہ تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اگر بالفرض قرآن میں جبرئیل ؑ کا نام نہ ہوتا اور نہ ہی فرشتوں کے پروں کا کوئی ذکر ہوتا تب بھی یہ اس بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے کہ جبرئیل ؑ نام کا کوئی فرشتہ نہیں یا فرشتوں کے پر نہیں ہوتے۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ قرآن میں جس چیز کا نام مذکور نہ ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں کائنات کی اکثر موجودات کے وجود کا انکار کرنا چاہئے۔ ان بے بنیاد اعتراضات کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں نے نہ منطق کی الف باء پڑھی ہے اور نہ ہی خداداد فطری منطق پر توجہ دی ہے کیونکہ چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں کہ قرآن میں کسی شخص کے نام کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص موجود ہی نہیں یا اس کا نام یہ نہیں۔

جبرئیل ؑ کے ساتھ گفتگو اور نبوت کا ربط

ان لوگوں کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ''ائمہ ؑ اور فرشتوں میں ملاقات کی صورت میں پیغمبروں کی تعداد چودہ ہونی چاہئے''۔

اس اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ پیغمبری کے مفہوم سے آگاہ نہیں۔ اس لئے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کوئی فرشتوں کو دیکھے یا ان سے کوئی چیز سیکھے وہ پیغمبر بن جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کیونکہ پیغمبری جسے فارسی میں ''پیامبری'' اور عربی میں ''رسالت و نبوت'' کہتے ہیں اس بات سے عبارت ہے کہ خداوند عالم فرشتوں کے ذریعے یا فرشتوں کے بغیر کسی شخص کو شریعت کی بنیاد رکھنے اور لوگوں کے درمیان اللہ کے احکام

وقوانین کی تاسیس کیلئے بھیجے۔ جو کوئی اس مقام کا حامل ہو وہ پیغمبر یعنی پیغام لانے والا ہے خواہ اس پر فرشتے نازل ہوں یا نہ ہوں۔ پس جو کوئی اس منصب کا حامل نہ ہو اور نہ اس امر پر مامور ہو وہ پیغمبر نہیں ہے خواہ وہ فرشتوں کو دیکھے یا نہ دیکھے۔ پس نبوت ورسالت اور فرشتوں کو دیکھنے میں کوئی تلازم نہیں۔

قرآنی دلائل

قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے جو نبی یا رسول نہ تھے فرشتوں بلکہ جبرئیلؑ کو دیکھا اور اس سے گفتگو کی ہے۔ ہم اس کا ایک نمونہ یہاں بیان کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۴۲ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''فرشتوں نے مریمؑ سے کہا: اے مریم بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ اور پاک کیا ہے اور آپ کو عالمین کی عورتوں پر فضیلت دی ہے''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ آیت ۴۵ میں حضرت مریمؑ کا واقعہ نقل فرماتا ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیحؑ کے متعدد حالات اور معجزات کو فرشتے حضرت مریمؑ سے بیان کرتے ہیں اور فرشتے حضرت مریمؑ کو غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ سورۂ مریم کی آیت ۱۷ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ ''پس ہم نے مریم کی طرف اپنی روح کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے ایک خوبصورت انسان کی شکل میں ظاہر ہوا''۔

قرآن کی بہت سی آیات میں حضرت مریمؑ کے ساتھ فرشتوں اور جبرئیلؑ کی گفتگو اور ان غیبی خبروں کا تذکرہ ہے جو وہ حضرت مریمؑ کو دیتے تھے۔

سورۂ ہود کی آیت ۷۰ تا ۷۳ کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ نے فرشتوں کو دیکھا تھا، فرشتوں نے اس کے ساتھ گفتگو کی تھی اور انہوں نے اسے غیب کی خبر دی تھی۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں دو فرشتوں ''ہاروت و ماروت'' کی شہر بابل آمد اور لوگوں کو جادو سکھانے کا تذکرہ فرماتا ہے۔ اب آپ یا تو ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات کو قرآن سے حذف کریں یا یہ کہیں کہ مریمؑ، حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ اور تمام اہل بابل پیغمبر ہیں۔

خلاصہ بحث

خلاصہ سخن یہ کہ ''پیغمبری'' جو خدا کی طرف سے ''قانون گزاری'' سے عبادت ہے، نیز امامت جس کا کام قانون الٰہی کی حفاظت، تبلیغ و تعلیم ہے اور فرشتوں کے ساتھ گفتگو و ملاقات اسی طرح علم غیب وغیرہ کے علم کا آپس میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص، ملائکہ سے گزشتہ یا آیندہ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرلے لیکن اس کے باوجود وہ رسول یا امام نہ ہو جس طرح حضرت مریمؑ نے فرشتوں سے حضرت عیسیٰؑ، ان کی نبوت، ان کی گفتگو اور ان کے معجزات کے بارے میں پیشن گوئیاں حاصل کیں حالانکہ وہ نہ پیغمبر تھیں نہ امام۔ پس اگر دنیا کے سب سے عظیم پیغمبرؐ اور اشرف الموجودات حضرت رسول اکرمؐ کی عظمت کے طفیل خداوند عالم فرشتہ بھیجے اور آنحضرتؐ کی بیٹی علیہا السلام کو ان کے پدر گرامی کی وفات اور ان کے بابا کی امت کے ہاتھوں انہیں پہنچنے والی تکالیف کا پرسہ دے، نیز آپ کو عالم غیب و شہور کی باتوں سے آگاہ کرے تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑے گا اور پیغمبروں کی تعداد کیوں چودہ ہو جائے گی؟(۴۳۹)

حالت تقیہ میں ائمہؑ کا جواب

معترض تقیہ سے مربوط احادیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ''زرارہ کہتا ہے: میں نے امام سے کوئی چیز پوچھی اور آپ نے ایک جواب دیا۔ پھر کسی اور نے وہی سوال کیا تو آپ نے کوئی اور جواب دیا۔ اس کے بعد اور ایک آدمی آیا اور اس نے بھی وہی سوال پوچھا تو امام نے ایک اور جواب دیا۔ میں نے عرض کیا: تین شیعوں کے یکساں سوالوں کے آپ نے تین مختلف جوابات دئے؟ فرمایا: اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے درمیان اختلاف واقع ہوتا کہ وہ پہچانے نہ جائیں''۔ اس کے بعد معترض کہتا ہے: ''اگر یہ احادیث بھی درست ہوں تو آگے کیا عرض کروں''۔

تقیہ ایک عقلی مسئلہ

تقیہ کا جائز بلکہ واجب ہونا عقل کے واضح ترین احکام میں سے ایک ہے۔ تقیہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان حقیقت کے برخلاف کوئی بات کہے یا شرعی قواعد کے خلاف کوئی کام کرے تا کہ اپنے یا کسی اور کے خون، ناموس اور مال کی حفاظت کرے۔ بطور مثال حکم خدا کے تحت واجب ہے کہ وضوء کرتے وقت کہنی سے پانی ڈالا جائے اور پاؤں کا مسح کیا جائے لیکن اس کے برعکس کچھ سنیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انگلیوں کی طرف سے

ٹخنوں تک الٹا دھویا جائے اور پاؤں بھی دھوئے جائیں۔ پس اگر کوئی شخص اہل سنت کے علاقے میں وضو کرنا چاہے اور دیکھے کہ شیعوں کے طریقے پر عمل کرنے کی صورت میں اس کی جان یا کسی اور مسلمان کی جان کو خطرہ لاحق ہے تو یہاں حکم خدا یہ ہے کہ ان کے طریقے پر وضو کرے اور اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالے۔ عقل سلیم کا واضح اور قطعی حکم بھی یہی ہے۔ کوئی عاقل یہ نہیں کہتا کہ مذکورہ صورت میں شیعوں کے طریقے پر وضو کیا جائے خواہ خود اس کی یا کسی اور مسلمان کی جان خطرے میں ہی کیوں نہ ہو۔ جو بھی تاریخ سے آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ ائمہ ؑ دین کے دور میں ایک وقت وہ بھی تھا جب ائمہ ؑ اور شیعوں کو نہایت سختی اور تقیہ کا سامنا رہا یہاں تک کہ اگر اس وقت کے حکمرانوں اور خلفا کو ان کے شیعوں کا علم ہو جاتا تو ان کی جان و مال اور عزت خطرے میں پڑ جاتی۔ ائمہ اطہار ؑ کو پیغمبر اکرم ؐ کی طرف سے حکم تھا کہ وہ ہر ممکنہ طریقے سے شیعوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کریں۔ اسی لئے وہ گاہے اللہ کے حکم اولی کے برخلاف بطور تقیہ کوئی اور حکم دیتے تھے تاکہ خود شیعوں کے درمیان بھی اختلاف ہو جائے اور مخالفین کو یہ علم نہ ہو سکے کہ ان کے احکام کا ماخذ اور سرچشمہ ایک ہے اس طرح مسلمانوں کیلئے کوئی خطرہ پیش نہ آئے۔

اب کیا ان احادیث کے بارے میں جو عقل سلیم کے مطابق ہیں اور پیغمبر اکرم ؐ کا خاص حکم بھی یہی ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ درست ہیں تو آگے کیا عرض کروں؟ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص چند دنوں تک وضو وغیرہ میں خدا کے حکم اولی کے برخلاف عمل نہ کرے جس کے نتیجے میں لوگوں کی ایک بڑی جماعت تباہ ہو اور ان کی جان اور عزت کا خاتمہ ہو جائے؟

اگرچہ یہ امر عقل سلیم کے واضح حکم کے علاوہ کسی اور دلیل کا محتاج نہیں، نیز جو کوئی معمولی عقل و شعور رکھتا ہو وہ جان لے گا کہ تقیہ، خدا کا قطعی حکم ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جو کوئی تقیہ کا معتقد نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔[۱]

۱۔ امام صادق ؑ سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: ﴿لا دِينَ لِمَنْ لا تَقِيَّةَ لَه﴾۔

وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۶۵، کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، باب وجوب التقیہ مع الخوف، ح ۲۲؛ نیز اسی باب کی حدیث ۲، ۳ و ۶۔

قرآنی دلیل

اس کے باوجود ہم اس بات کے اثبات میں قرآن سے دلیل پیش کریں گے۔

سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ...﴾ "اللہ کا غضب ہے ان لوگوں پر جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے سوائے اس شخص کے جسے مجبور کیا جائے اور وہ اجبار کے نتیجے میں اظہار کفر کرے لیکن اس کا دل خدا پر ایمان سے لبریز ہو"۔

یہ آیت عمار یاسر کے بارے میں نازل ہوئی۔ کافروں نے عمار کو مجبور کیا کہ وہ کفر اختیار کرے اور عمار نے بھی اظہار کفر کیا اور ان کی خواہش کے مطابق بدزبانی بھی کی پھر روتے ہوئے رسولؐ کے پاس آئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور تقیہ کی اجازت دی گئی۔ (۴۴۰)

ابلاغ امامت سے پیغمبرؐ کا خوف

معترض کہتا ہے: "وہ (شیعہ) کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ امامت کے بارے میں کچھ کہنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کریں حالانکہ خود قرآن اور تاریخ پیغمبر گواہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی حقیقت پوشی سے کام نہیں لیا"۔

ہم نے اس بحث کی ابتداء میں ثابت کیا ہے کہ پیغمبرؐ قرآن میں امام کے نام اور خصوصیات کے ذکر سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ آپ کے بعد قرآن میں تحریف نہ کریں یا مسلمانوں کے درمیان اختلاف میں شدت نہ آجائے جس کے نتیجے میں اسلام کا کام تمام ہو جائے۔ یہاں ہم ایک قرآنی دلیل کا ذکر کریں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ امام کا نام اور امام کی خصوصیات کا اظہار کرنے کے معاملے میں احتیاط سے کام لے رہے تھے اور حقیقت کو بیان کرنے سے اجتناب کر رہے تھے کیونکہ آپ کو منافقین کا خوف تھا۔

قرآن اور پیغمبرؐ کا خوف

سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ کہتی ہے: ﴿یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ اہل سنت کے اعتراف اور متعدد معتبر طرق سے ان کی نقل کے مطابق جو ابوسعید، ابورافع اور ابوہریرہ وغیرہ سے مروی ہے، نیز شیعوں کے اتفاق و اجماع کی

رو سے یہ حدیث، غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی امامت کے اعلان کے بارے میں نازل ہوئی۔

یاد رہے کہ سورۂ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت ہے۔ یہ آیت اور آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾[1] حجۃ الوداع یعنی رسول اکرمؐ کی آخری حج کے دوران نازل ہوئیں۔ اس آیت کے نزول اور رسول اکرمؐ کے وصال کے درمیان دو ماہ دس دن سے زیادہ کا فاصلہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک رسول اکرمؐ تمام احکام کی تبلیغ فرما چکے تھے جیسا کہ خود رسول اکرمؐ غدیر خم کے خطبے میں فرماتے ہیں۔ بنابریں معلوم ہوا کہ یہ اعلان، امامت سے مربوط ہے، نیز اللہ کا یہ وعدہ فرمانا کہ وہ رسولؐ کی حفاظت فرمائیگا اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ اس قسم کی کسی چیز کا اعلان فرمانا چاہتے تھے وگرنہ دیگر احکام میں کسی قسم کے خوف اور احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت، دیگر قرائن اور کثیر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ امامت کے معاملے میں رسولؐ لوگوں سے خطرہ محسوس فرماتے تھے۔ اگر کوئی تواریخ اور احادیث کی طرف رجوع کرے تو وہ جان لے گا کہ رسول اکرمؐ کا خوف بجا تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ضرور اعلان فرمائیں، نیز اللہ نے رسولؐ کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس امر کی تبلیغ فرمائی اور اس سلسلے میں آخری دم تک کوشش فرماتے رہے لیکن حزب مخالف نے کام مکمل نہیں ہونے دیا۔

یہاں پہنچ کر معترض ایک بار پھر دینداروں کی طرف سے ایک جواب گھڑتا ہے اور کہتا ہے: ''وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں بہت سی جگہوں پر امامت کی تصریح ہوئی ہے لیکن انہیں حذف کیا گیا ہے''۔

تم نے اس بارے میں کس سے گفتگو کی ہے اور جواب سنا ہے؟ شاید تم نے اپنے تئیں بعض کتب یا احادیث کی طرف رجوع کیا ہے جن پر پہلی اور عوامانہ نظر کرنے سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ قرآن سے کوئی چیز حذف ہوئی ہے...

قرآن میں امامت کی تصریح

علمی کتابوں کو سمجھنے کیلئے مہارت وتخصص کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ان معترضین نے آنکھیں بند کر کے احادیث اور کتب کا مطالعہ کیا ہے اس لئے وہ کہنے لگے: ''قرآن میں امامت کا ذکر تھا لیکن لوگوں نے

۱۔ سورۂ مائدہ/۳۔

اسے حذف کردیا ہے" یہ احادیث تفسیر و تاویل سے مربوط ہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ قرآن میں ﴿اولوا الأمر﴾ ۱ بہت سی آیات میں ﴿اھل الذکر﴾ ۲ آیت تطہیر میں ﴿اھل البیت﴾ ۳ ﴿کونوا مع الصادقین﴾ ۴ والی آیت میں "صادقین" ﴿واعتصموا بحبل اللہ﴾ ۵ میں "حبل اللہ"، نیز ﴿صراط اللہ، صراط مستقیم﴾ اور آیۂ ﴿انما ولیکم اللہ﴾ ۶ میں "مومنون" ﴿انا عرضنا الامانۃ﴾ ۷ والی آیت میں "امانت" نیز ان کے علاوہ دیگر سینکڑوں آیات امامت اور امام کے بارے میں ہیں بغیر اس کے کہ قرآن میں امام کا نام صریحاً لیا گیا ہو۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں ان کا تعلق صرف شیعہ احادیث سے نہیں بلکہ اہل سنت نے بھی یہی باتیں نقل کی ہیں اور یہ ان کی کتب میں موجود ہیں۔ شائقین اس بارے میں لکھی گئی کتب کا مطالعہ کریں۔ ان میں سے بہت سی باتیں "غایۃ المرام" میں اور ان کا اجمالی تذکرہ عظیم المرتبت معاصر عالم علامہ "سید شرف الدین عاملیؒ" کی کتاب "المراجعات" میں مذکور ہیں، لہٰذا ان کی طرف رجوع کیجئے۔

البتہ یہاں ایک نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض اخباری حضرات اور شیعہ و سنی محدثین، جن کے بیانات کی علما اور دانشوروں کے ہاں کوئی اہمیت نہیں، بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک نے اس قسم کے نظریات کا اظہار کیا ہے لیکن علما اور دانشوروں نے ان باتوں کو رد کیا ہے۔ علمی حلقوں میں اس کتاب کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ پس ایک غیر معقول بات کو بغیر سوچے سمجھے دینداروں سے منسوب کرنا درست نہیں حالانکہ وہ خود ایسا نہیں کہتے اور نہ کہیں گے۔ نیز جیسا کہ آپ جان چکے ہیں ہم نے عرض کیا ہے کہ قرآن میں امام کا نام لینا کسی طرح سے اسلام کے مفاد میں نہیں تھا۔ (۴۴۱)

قرآن میں ائمہؑ کے ناموں کے ذکر کی نفی

اخباری حضرات قرآن مجید کے الفظ کی ظاہری دلالت کی عدم حجیت کے بارے میں جو نظر یہ رکھتے ہیں اس کے اثبات میں وہ درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱۔ سورۂ نساء/۵۹۔ ۲۔ سورۂ بقرہ/۱۲۴۔
۳۔ سورۂ احزاب/۳۳۔ ۴۔ سورۂ توبہ/۱۱۹۔
۵۔ سورۂ آل عمران/۱۰۳۔ ۶۔ سورۂ مائدہ/۵۵۔ ۷۔ سورۂ احزاب/۷۲۔

پہلی دلیل: ''بہت سی احادیث کی رو سے قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ بنابریں قرآن سے تمسک درست نہیں کیونکہ تحریف کی وجہ سے قرآن اجمال وابہام کا شکار ہو گیا ہے''!

یہ دلیل صغریٰ وکبریٰ کے لحاظ سے باطل ہے۔ صغریٰ اسی لئے نادرست ہے کیونکہ قرآن میں حقیقی تحریف واقع نہیں ہوئی جیسا کہ شیعہ وسنی محقق علما اور معتبر شخصیات کا نظریہ ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں ان کے نظریات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو معاصر مفسر ''علامہ بلاغی'' [1] کی تفسیر ''آلاء الرحمٰن'' کے مقدمہ کی طرف رجوع کریں۔

مزید توضیح کیلئے عرض کرتا ہوں کہ ''فصل الخطاب'' [2] کے مصنف کا گمان غلط ہے۔ اس مصنف کی کتابیں علمی اور عملی فوائد سے عاری ہیں۔ اس نے تو بس ان ضعیف روایات کو جمع کیا ہے جنہیں محدثین نے رد کیا ہے۔ نیز ہمارے گزشتہ دانشمندوں، مثلاً ''محمدون ثلاث'' [3] نے قبول نہیں کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر فصل الخطاب کے مصنف وغیرہ کا یہ خیال درست ہوتا کہ اہل بیتؑ، ان کے فضائل، امیر المومنینؑ اور آپ کی وصایت وامامت کے اثبات کے ذکر سے قرآن لبریز تھا تو پھر امیر المومنینؑ، فاطمہ زہراء، حسن وحسین علیہم السلام، سلمان، ابوذر، مقداد، عمار اور دیگر اصحاب نے علی علیہ السلام کی خلافت کے اثبات میں کتاب الٰہی کی ان نازل شدہ آیات اور واضح براہین میں سے کسی ایک سے استدلال کیوں نہیں کیا؟

علاوہ ازیں اگر فصل الخطاب کی بات درست ہوتی تو امیر المومنینؑ نے قرآن کی ان آیات کے ہوتے

۱۔ شیخ محمد جواد بلاغی نجفی (۱۲۸۲۔۱۳۵۲) آخوند خراسانی ؒ اور آقا رضا ہمدانی ؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتابوں میں ''الھدی الی دین المصطفیٰ، الرحلۃ المدرسیۃ اور آلاء الرحمٰن'' وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ اس سے مراد معروف محدث ''مرزا حسین نوری طبرسی'' (۱۲۵۴۔۱۳۲۰) ہیں۔ وہ شیخ العراقین ؒ اور شیخ انصاری ؒ کے شاگرد تھے۔

۳۔ محمدون ثلاث سے مراد شیعوں کے تین عظیم علما اور محدثین ہیں:
''کافی'' کے مولف: محمد بن یعقوب کلینی (۳۲۹ ق)، ''من لا یحضرہ الفقیہ'' کے مولف: محمد بن علی ابن بابویہ المعروف ''صدوق'' (۳۰۶۔۳۸۱)، ''استبصار اور تہذیب'' کے مولف: محمد بن حسن طبرسی (۳۸۵۔۴۶۰ھ ق)۔

ہوئے احادیث نبویہ سے کیوں استدلال کیا؟ اگر قرآن امیر المومنینؑ اور آپ کی معصوم اولادؑ کے اسماء، فضائل اور ان کی خلافت کے ذکر سے پر ہوتا تو پھر رسول اکرمؐ کو اپنی زندگی کے آخری سال میں حجۃ الوداع کے دوران سب سے آخر میں نازل ہونے والی قرآنی آیات میں سے ایک آیت جو تبلیغ ولایت سے مربوط تھی کے اعلان سے کیوں خوف محسوس ہوا یہاں تک کہ اللہ کو کہنا پڑا: ﴿اللهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ ۱
''اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا''۔

علاوہ ازیں رسولؐ کو اپنی رحلت کے وقت قلم اور دوات مانگنے کی ضرورت کیوں پڑی تا کہ آپؐ علیؑ کے نام کی تصریح فرمائیں؟ کیا حضورؐ یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا کلام وحی سے زیادہ موثر ہے؟

خلاصہ یہ کہ اس قبیح کلام اور اس نازیبا نظریے کا بطلان اس قدر واضح ہے کہ جو کسی صاحب عقل وادراک سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ مگر بدقسمتی سے یہ باطل نظریہ علمائے اسلام اور شریعت محمدیہؐ کی حفاظت کرنے والوں کی مخالفت کے باوجود لوگوں میں معروف ہو گیا ہے۔ (۴۴۲)

کیا ہر امام کی امامت اور تعلیمات اس کے دور تک محدود ہیں؟

یہ مولف کہتا ہے: ''امام جو کوئی بھی ہو وہ صرف اپنے زمانے کیلئے ہوتا ہے دوسرے زمانوں کیلئے نہیں جیسا کہ کتاب کافی میں مذکور ہے: ﴿کُلُّ امامٍ هادٍ لِلْقَرْنِ الَّذي هُوَ فِيه﴾'' ۲

یہاں ہم اس بات سے چشم پوشی کرتے ہیں کہ قرآن کی آیت ﴿اِنَّما اَنتَ مُنذِرٌ وَلِکُلِّ قَومٍ هادٍ﴾ ۳ کی تفسیر میں مروی اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ ہر زمانے کیلئے آل محمدؐ سے ایک امام ہوتا ہے۔ اس حدیث کا مقصد ہر زمانے کے امام کی امامت کو ثابت کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس امام کی رحلت کے بعد اس کی امامت کی نفی کی جائے جیسا کہ انہی روایات میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ ان روایات میں مذکور ہے کہ: ہر زمانے میں ہمارا ایک فرد ہادی و رہنما ہوتا ہے جو لوگوں کو پیغمبرؐ کی تعلیمات سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ رہنما اور ہادی رسول اکرمؐ کے بعد علیؑ اور آپ کے بعد یکے بعد دیگرے آپؑ کے اوصیاء ہیں۔

۱۔ سورۂ مائدہ/۶۷۔

۲۔ ہر زمانے کے امام، اسی زمانے کا قائد اور ہدایت کرنے والا ہے۔

۳۔ اے رسول! آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کیلئے ایک ہادی اور رہنما ہوتا ہے۔ (سورۂ رعد/۷)

اگر ہم یہ فرض کریں کہ ہر امام صرف اپنے زمانے کا ہادی ہوتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ امام کی موت کے بعد اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے؟ کیا آپ یہ کہیں گے کہ اگر وہ امام کسی حکم خداوندی کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرے تو جب تک وہ امام زندہ ہے اس حدیث پر عمل ضروری ہے اور اس کی موت کے بعد اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے؟

اگر آپ پہلی بات کے قائل ہیں تو ہم امام کا احترام کریں گے کیونکہ وہ اس دور میں اللہ کی طرف سے امام، ہادی اور برگزیدہ ہے، نیز اللہ نے اسے اعزاز و اکرام سے نوازا ہے۔ لیکن اگر آپ دوسرے نتیجے کے قائل ہیں تو پھر آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ امام کے بعد خدا بھی (نعوذ باللہ) مر جاتا ہے۔ کیونکہ امام کا اپنا کوئی حکم نہیں ہوتا جو اس کے مرنے کے بعد ختم ہو جائے۔ امام کی تمام تعلیمات رسولؐ سے ماخوذ ہیں جبکہ پیغمبرؐ کی جملہ تعلیمات بلاکم وکاست اللہ سے ماخوذ ہیں۔ پس امام کی موت سے اللہ کے احکام ختم نہیں ہوتے؟ (۴۴۳)

ائمہؑ کی زندگی میں اور ان کی موت کے بعد ان کی پیروی کا وجوب

مذہب شیعہ کی رو سے ائمہؑ کی جملہ تعلیمات اور ان کے تمام احکام کا اتباع ان کی زندگی میں بھی ضروری ہے اور ان کی موت کے بعد بھی۔ (۴۴۴)

ائمہؑ کی امامت دائمی ہے

﴿إِنَّ مُقْتَضَى الْمَذْهَبِ أَنَّ الامامَ إِمَامٌ حَيّاً وَمَيِّتاً وَقَائِماً وَقَاعِداً﴾ ''مذہب شیعہ کی رو سے امام خواہ زندہ ہو یا نہ ہو، خواہ وہ قیام کرے یا نہ کرے ہر صورت میں امام ہوتا ہے''۔ (۴۴۵)

ائمہؑ اپنی عظمت خود کیوں بیان کرتے ہیں؟

انبیاء، اولیا اور دنیا سے بے نیاز ہستیاں ان باتوں سے عاری ہیں![1] آپ بھی اگر انبیاء کے پیروکار ہیں اور امیر المومنین (سلام اللہ علیہ) کی پیروی کرتے ہیں تو آپ کو بھی اس صفت سے عاری ہونا چاہئے۔ امیر المومنینؑ کے سامنے دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ میں کبھی سوچتا تھا کہ حضرت امیرؑ، بعض انبیاء اور بعض

۱۔ کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بعض احادیث میں رسول اکرمؐ یا ائمہؑ اپنی تعریف آپ کیوں کرتے ہیں اور اپنا مقام و مرتبہ کیوں بیان کرتے ہیں؟

ائمہ علیہم السلام بھی کبھی کبھی اپنی تعریف کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا فلسفہ وہی ہے جو خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو بتایا تھا۔ اللہ نے آدم کو حکم دیا کہ وہ ان اسماء کا ذکر کرے جو اللہ نے اسے سکھائے تھے۔ اگر اللہ یہ حکم نہ دیتا تو حضرت آدمؑ خاموش رہتے۔

چونکہ یہ ایک عظیم مقام ومرتبہ ہے اس لئے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کریں تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ خودنمائی کریں۔ حضرت امیر المومنینؑ بہت سے مقامات پر خود اپنی تعریف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اللہ کی طرف سے آپ کی ذمہ داری تھی کہ آپ ایسا فرمائیں۔ یہ بات آپ کے اوپر گراں تھی اور دیگر انبیاء کے اوپر بھی کہ اپنی تعریف آپ کریں کیونکہ یہ راستہ ہدایت کا راستہ تھا، ذاتی خودنمائی کیلئے نہ تھا، یہ عالم غیب کی طرف راہنمائی کا راستہ تھا۔ آپ کی مثال اس طبیب کی طرح ہے جو کسی قسم کی ذاتی خواہش نہیں رکھتا لیکن دیکھتا ہے کہ اگر وہ اپنی طبی مہارت کا اظہار نہ کرے تو لوگ بیمار ہو جائیں گے، انہیں بیماری لاحق ہو جائے گی۔ اس لئے یہ طبیب مجبور ہوتا ہے کہ اپنی تعریف آپ کرے اپنی طبابت کی تعریف کرے اور یہ کہے کہ میں اس کام میں ماہر ہوں اگرچہ وہ اپنی تعریف کا خواہاں نہیں۔

تعریف کی دو قسمیں ہیں: کبھی انسان اپنی تعریف اس لئے کرتا ہے کہ خودنمائی کرے، یہ شیطانی عمل ہے۔ لیکن کبھی اپنی تعریف اس لئے کرتا ہے تاکہ دوسروں کی رہنمائی کرے، یہ رحمانی عمل ہے۔ حضرت امیرؑ نے اپنے بارے میں قسم کھا کر فرمایا کہ اگر پورا عالم مجھے دیا جائے تو بھی میں اس طرح کا ظلم نہیں کروں گا۔ یہ اللہ کا حکم تھا تاکہ آپ کا مقام ومرتبہ معلوم ہو جائے اور لوگ آپ کی پیروی کریں۔ بالکل اس طبیب کی طرح۔ آپ ہم جیسے لوگوں کی طرح خودنمائی نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں ایک شعر یاد ہو تو اپنی خودنمائی کی خاطر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ شعر میرا ہے۔ اگر ہم نے کوئی علم پڑھا ہو تو خودنمائی کرتے ہیں کہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ امامؑ چاہتے تھے کہ لوگوں کی ہدایت کریں جو اس کام کے بغیر ممکن نہ تھا اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ ایسا فرماتے تھے۔

اگرچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حضرت امیر علیہ السلام کا تعارف کرانا اور لوگوں کو راہ ہدایت سے آشنا کرنا سخت تھا کیونکہ آپ کو اختلاف کا خدشہ تھا لیکن اس کے باوجود اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اعلان کریں، اگر اعلان نہ کیا

پ نے کچھ نہیں کیا! پس یہ امور اللہ کی طرف سے لازم تھے۔ اگر آپ ائمہؑ کے کلام میں کبھی دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی تعریف کرتے ہیں تو جان لیں کہ یہ ایک غیبی حکم ہے کہ اس کام کو انجام دیں تا کہ لوگ طبیب کو پہچان سکیں۔ لوگ تو بس ظاہر کو دیکھتے ہیں جبکہ ظاہری طور پر امام اور غیر امام یکساں ہوتے ہیں۔ کبھی لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ امام لوگوں کو قتل بھی کرتا ہے۔ پس امام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس قتل کا فلسفہ لوگوں کو بتائے اور واضح کرے کہ یہ راہ ہدایت ہے، اس طبیب کی طرح۔ (۴۴۶)

ائمہؑ سے مربوط بعض امور کو شرک سمجھنا

پیغمبرؐ اور امامؑ سے حاجت طلب کرنا

اگلا سوال یہ ہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ سے حاجت طلب کرنا شرک ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ قارئین شرک کا مفہوم سمجھ لیں تو ان سوالات کا جواب خود ہی دے دیں گے اور بات طولانی کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اس کے باوجود اس کا جواب دیئے بغیر چارہ نہیں...

یہاں ہم عرض کریں گے کہ اگر پیغمبرؐ، امامؑ یا کسی اور کو خدا سمجھ کر ان سے حاجت طلب کی جائے اور انہیں حاجت روائی میں خودمختار اور اللہ سے بے نیاز قرار دیا جائے تو یہ شرک ہے جیسا کہ عقل اور قرآن بھی اس پر گواہ ہیں۔ لیکن اگر اس خیال سے نہ ہو تو شرک نہیں۔ چنانچہ پوری دنیا کا نظام ایک دوسرے کی حاجت روائی کے سہارے چل رہا ہے، نیز انسانی تہذیب وتمدن کی بنیاد ہی باہمی تعاون پر استوار ہے۔

اگر غیر اللہ سے کسی بھی قسم کی کوئی بھی حاجت طلب کرنا شرک ہوتا تو دنیا کے سارے لوگ مشرک ہوتے اور اس طرح اس کائنات کا پورا نظام شرک کی بنیاد پر استوار ٹھہرے گا۔ انبیاء بھی دنیوی زندگی گزارتے تھے وہ بھی لوگوں سے حاجتیں طلب کرتے تھے اور باہمی تعاون سے زندگی کے قافلے کو رواں دواں رکھتے تھے۔

شاید بعض لوگ یہ کہیں کہ ہر قسم کی حاجت طلبی تو شرک نہیں البتہ طاقت انسانی سے خارج حاجتوں کا طلب کرنا شرک ہے۔ بالفاظ دیگر خدائی کاموں کو غیر خدا سے طلب کرنا شرک ہے۔

خدائی کاموں کی خصوصیات

اس بات کا جواب یہ ہے کہ پہلے خدائی کاموں اور غیر خدائی کاموں کو الگ کرنا چاہئے۔ اگر ہم ایسا کریں تو معلوم ہوگا کہ معمول کا ہر کام غیر خدائی کام نہیں اسی طرح ہر غیر معمولی کام خدائی نہیں ہے۔ بنابریں

ہم عرض کریں گے کہ عقل و دلیل کی رو سے خدائی کام وہ ہیں جنہیں فاعل کسی کی مدد اور مداخلت کے بغیر خود ہی انجام دے۔ بالفاظ دیگر، خدائی کام وہ ہے جس کا کرنے والا اس کام کو کرنے میں کسی اور کا محتاج نہ ہو بلکہ خود مختار اور آزاد ہو۔ اس کے برعکس غیر خدائی کام وہ ہے جو اس طرح نہ ہو۔ مثال کے طور پر اللہ کسی چیز کو خلق کرنے، روزی دینے، بیمار کرنے اور صحت دینے میں کسی اور کی مدد کا محتاج نہیں اور اللہ کے کاموں میں جزئی یا کلی طور پر کسی چیز کا کوئی دخل نہیں ہے، نیز اس کی طاقت اور قوت کسی اور سے حاصل کردہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس غیر اللہ کا کوئی کام خواہ وہ معمول کا کوئی آسان کام ہو یا غیر معمولی اور مشکل کام بلاشرکت غیر خود اس کی طاقت وقدرت سے انجام نہیں پاتا۔

غیر معمولی کاموں کے امکان پر قرآنی دلیل

پس اگر کوئی شخص کسی اور کو خدا قرار دے کر اس سے کسی کام کا تقاضا کرے تو وہ عقل وقرآن کی رو سے مشرک ہے خواہ وہ کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی اور سے کسی کام کا تقاضا کرے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اسے اس کام کی طاقت اللہ نے دی ہے، وہ خدا کا محتاج بندہ ہے اور اس کام میں خود مختار نہیں تو نہ یہ کام خدائی ہے اور نہ ہی یہ حاجت طلبی شرک ہے۔

شاید کوئی یہ کہے کہ غیر اللہ سے ہر قسم کے غیر معمولی کام جو طاقت بشری سے خارج ہوں کا تقاضا کرنا شرک ہے خواہ یہ تقاضا جس نیت سے بھی ہو۔

اس نقطہ نظر کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اس دعوے کی کوئی واضح دلیل موجود نہ ہونے کے علاوہ عقل سلیم بھی اس کی نفی کرتی ہے۔ بلا دلیل انکار کے علاوہ اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ ہمارے نقطہ نظر کی واضح دلیل قرآن مجید ہے۔

سورۂ نمل کی آیت ۳۸/ـ۴۰ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ☆ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ☆ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي...﴾ ''سلیمانؑ نے کہا: اے جماعت! تم میں سے کون ہے جو بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس اسلام کی حالت میں حاضر ہوں؟

جنوں میں سے ایک عفریت نے کہا: میں اس کے تخت کو حاضر کروں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں۔ بہ تحقیق میں اس کام کو امانت کے ساتھ انجام دینے کی قوت رکھتا ہوں۔ (تب) اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا کہا: میں چشم زدن میں تخت بلقیس آپ کے پاس حاضر کرتا ہوں۔ پس جب سلیمان نے تخت کو اپنے سامنے موجود دیکھا تو کہا: یہ میرے اللہ کا فضل وکرم ہے"۔

اب ہم قارئین سے سوال کریں گے کہ تخت بلقیس کو کئی طویل منازل طے کر کے چشم زدن میں حاضر کرنا ایک استثنائی اور غیر معمولی کام ہے یا معمول کا عمل ہے؟ اگر یہ غیر معمولی عمل ہے اور ان کے بقول خدا کا کام ہے تو پھر حضرت سلیمانؑ جو فرمان خدا کے مطابق پیغمبرؑ ہیں، نیز جن کی تعریف اللہ نے کی ہے، نے اس غیر معمولی کام کا تقاضا حاضرین مجلس سے کیوں فرمایا؟ اس تقاضے کا ذکر آیت ۳۸/ میں مذکور ہے۔ اس عظیم المرتبت رسولؑ نے جنوں اور دیگر حاضرین سے یہ تقاضا کیا اور آصف بن برخیا نے اس حاجت کو روا کیا۔ اب آپ یا تو حضرت سلیمانؑ کو (نعوذ باللہ) مشرک قرار دیں اور اللہ پر تنقید کریں جس نے اس قسم کے مشرک کو نبی قرار دیا یا اس قسم کے غیر معمولی امور کے تقاضے کو شرک نہ سمجھیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ شایاں شان طریقے سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی عجیب حکایات کا قرآن میں ذکر فرماتا ہے اور انسان کے بس سے باہر کاموں کی نسبت ان سے دیتا ہے، نیز ان کاموں کو درست قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم بطور نمونہ ان میں سے ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات

سورۂ آل عمران کی آیت ۴۸/و۴۹ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولاً إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ یہاں عیسیٰؑ کی شان میں ارشاد ہوتا ہے (کہ عیسیٰؑ نے کہا:) "اے بنی اسرائیل! میں خدا کی جانب سے تمہارے لئے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں مٹی سے

ا۔ آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ: "اور وہ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل سکھاتا ہے، نیز اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ ان سے کہے:..."۔

تمہارے لئے پرندے کی شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اذن خدا سے پرندہ بن جاتا ہے، میں مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو صحت یاب کرتا ہوں، میں حکم خدا سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اور چیزوں کی جنہیں تم کھاتے ہو یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو"۔

یہاں جن باتوں کا عیسیٰ ؑ نے ذکر فرمایا ہے وہ غیر معمولی کام ہیں بقول ان لوگوں کے یہ خدائی کام ہیں اور عیسیٰ ؑ سے بنی اسرائیل کی درخواست شرک وکفر ہے۔ بنابریں عیسیٰ ؑ کو الوہیت کا دعویدار اور شرک کی طرف دعوت دینے والا سمجھنا چاہئے، نیز بنی اسرائیل کو جو عیسیٰ ؑ سے شفا طلب کرتے تھے مشرک قرار دینا چاہئے۔ یہاں مزید قرآنی دلائل بھی موجود ہیں جن کے ذکر سے ہم اجتناب کرتے ہیں۔

شاید کوئی یہ کہے کہ مردوں سے حاجت طلب کرنا شرک ہے اور جب رسول ؐ یا امام ؑ وفات پا جاتے ہیں تو ان کی حیثیت جمادات سے زیادہ نہیں ہوتی، نیز وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

پیغمبر ؐ اور ائمہ ؑ سے طلب حاجت

اس نقطہ نظر کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے پہلے کفر و شرک کا مفہوم ہی واضح نہیں کیا تا کہ جسے چاہیں اپنی دانست میں مشرک قرار دیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ شرک، غیر اللہ کو خدا قرار دیتے ہوئے اس سے کسی چیز کا تقاضا کرنا ہے ورنہ شرک نہیں ہے تو اب اس امر میں مردہ اور زندہ یکساں ہیں۔ بنابریں اگر کوئی کسی پتھر یا مٹی کے ڈھیلے سے بھی حاجت طلب کرے تو وہ مشرک نہیں ہوگا اگرچہ اس کا یہ کام لغو اور بے فائدہ ہو۔

ثانیاً، ہم انبیاء وائمہ علیہم السلام کی ارواح مقدسہ سے مدد طلب کرتے ہیں جنہیں اللہ نے حاجت روائی کی طاقت عطا کی ہے پھر قطعی براہین اور محکم عقلی دلائل کی رو سے فلسفہ اعلیٰ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ بدن سے روح کی مفارقت جسے موت کہتے ہیں کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے بلکہ موت کے بعد اس عالم پر ارواح کاملہ کا احاطہ وسیع تر اور بہتر ہو جاتا ہے۔ فلسفی حضرات فنائے روح کو محال خیال کرتے ہیں۔

یہ ایک مسلّمہ فلسفی مسئلہ ہے۔ فلسفہ کی پیدائش کے بعد سے علما، دانشوروں اور عظیم فلسفیوں کے ہاں یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے خواہ ان کا تعلق زمانہ قبل از اسلام سے ہو یا بعد از اسلام سے۔ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کے جملہ مکاتب فکر اس بات کو اپنے دین و مذہب کا واضح اور بدیہی مسئلہ قرار دیتے ہیں بلکہ روح کی بقا اور اس کا احاطہ یورپ کے الٰہی و روحانی فلسفیوں کے ہاں بھی مسلّم اور بدیہی ہے۔ (۴۴۷)

کیا خاک شفا پر سجدہ شرک ہے؟

یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ خاک شفا (تربت حسینؑ) پر سجدہ کرنا شرک ہے یا نہیں؟

قبل ازیں، اس سوال کا جواب واضح ہو چکا ہے جسے دوبارے دہرانے اور بات کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ بنابریں یہاں ہم اختصار سے کام لیں گے۔

اب جبکہ آپ شرک اور عبادت کے مفہوم سے آشنا ہو چکے ہیں ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر کوئی خاک شفا یا کسی اور مٹی یا کسی اور شئے پر اس نیت سے سجدہ کرے کہ وہ چیز یا اس کا مالک خدا ہے، اسی طرح کسی قبر یا صاحب قبر کی عبادت کرے وہ مشرک اور کافر ہے لیکن اگر قبر کی مٹی یا غیر قبر پر اللہ کیلئے سجدہ کرے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے تو نہ صرف یہ کہ یہ کام شرک نہیں بلکہ عین توحید اور خدا پرستی ہے۔

اب آپ دس کروڑ شیعوں اور ایک کروڑ سے زیادہ فارسی بولنے والے ایرانی شیعوں سے سوال کریں کہ آپ کربلا کی تربت پر کس نیت سے سجدہ کرتے ہیں؟ کیا آپ حسین بن علی علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں یا انہیں خدا کا مدمقابل گردانتے ہیں یا اپنے کاموں میں خدا سے بے نیاز خیال کرتے ہیں اور اس کی عبادت و پرستش کرتے ہیں؟

اگر شیعیان اثنا عشریہ کے نابالغ بچے یا شیعہ عورتیں بھی آپ کو اس سوال کا جواب اثبات میں دیں بلکہ تمام شیعوں میں ایک فرد بھی اس قسم کا دعوی کرے تو ہم اپنے موقف سے دستبردار ہوں گے اور آپ کی بات کو مکمل طور پر تسلیم کریں گے۔ لیکن اگر خود آپ بھی جو مدتوں تک شیعوں کے ہم عقیدہ رہے ہیں اور شیعوں کے درمیان پلے بڑھے ہیں اس بات کی تصدیق کریں کہ شیعوں کا تربت حسینؑ پر سجدہ کرنا خدا کی خوشنودی کیلئے ہے جیسا کہ تمام مسلمان خاک پر سجدہ کرتے ہیں۔ البتہ شیعہ حضرات خاک کربلا پر سجدہ کرنے کو زیادہ ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ شیعہ خدا کی خاطر سجدہ کرتے ہیں اور خدا سے ہی اجر چاہتے ہیں۔

اعتراض کا ایک قرآنی جواب

اگر آپ کا دعوی یہ ہو کہ تربت پر سجدہ کرنا بہر صورت شرک ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جب شرک کا مفہوم دنیا کے تمام دانشمندوں کے ہاں واضح ہے اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنی طرف سے گڑھی جائے اور آپ سب بھی جانتے ہیں کہ حکم خدا کی تعمیل میں کسی بھی چیز پر سجدہ کرنا شرک نہیں ہے بلکہ توحید اور طاعت

وعبادت ہے تو اس اعتراض کی کسی کے ہاں ذرہ برابر حیثیت نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے بقول دنیا کے تمام مسلمان مشرک ٹھہریں گے کیونکہ تمام مسلمان خدا کیلئے مٹی، پتھر اور لکری پر سجدہ کرتے ہیں۔ بہت سے مسلمان فرش، معادن اور دیگر اشیاء پر سجدہ جائز سمجھتے ہیں۔اہل سنت کے بڑے امام ''ابوحنیفہ'' تو گندگھوں پر سجدہ کو بھی درست سمجھتے ہیں۔پس اس طرح تو تمام مسلمانوں کو مشرک کہنا چاہئے سوائے ان لوگوں کے جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے اور اس عبادت کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔اس طرح صرف بے نمازی لوگ ہی خداپرست کہلائیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات میں اللہ نے لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ان میں سے ایک سورۂ حج کی آیت ۷۷ ہے جو کہتی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے ایمان لانے والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے ربّ کی، نیز اچھا کام کرو، شاید کہ تم فلاح پاؤ''۔آپ کے بقول گویا اللہ نے اس آیت میں مومنین کو دائرہ ایمان سے خارج ہونے اور شرک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ وہ کامیاب ہوں۔اب کس کی عقل کا

رونا رویا جائے؟

چوتھا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے قبل متعدد آیات کا ذکر کر چکے ہیں جن میں اللہ نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے[۱] ہم اس آیت کا بھی ذکر کر چکے ہیں جس میں صریحاً کہا گیا کہ یعقوبؑ اور آپ کی اولاد نے یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا[۲] اب آپ کے بقول تمام فرشتے، حضرت یعقوبؑ اور آپ کی اولاد بلکہ تمام انبیاء واولیا مشرک ہیں! کیونکہ ان سب نے خدا کے حکم سے اس عالم کی کسی نہ کسی چیز مثلاً مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ پر سجدہ کیا۔پس بہتر یہ ہے کہ دنیا کی ڈکشنریوں سے کلمہ توحید کو محو کیا جائے اور اہل عالم کے

۱۔ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو۔پس ابلیس کے سوا ان سب نے سجدہ کیا۔ابلیس نے نافرمانی اور تکبر سے کام لیا اور وہ کافروں کے زمرے میں شامل ہوگیا۔(بقرہ/۳۴،اسراء/۶۱،کہف/۵۰ اور سورۂ طٰہٰ/۱۱۶)

۲۔ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔(سورۂ یوسف/۱۰۰)

تمام اعمال کو شرک قرار دیا جائے۔(۴۴۸)

کیا تربت سے شفا چاہنا شرک ہے؟

ان معترضین کا ایک اور سوال یہ ہے کہ تربت حسینؑ کے ذریعے شفا چاہنا شرک ہے یا نہیں؟
اس سوال کا جواب مشرک کے مفہوم کو سامنے رکھنے سے واضح ہوتا ہے کیونکہ شرک سے مراد جیسا کہ آپ جان چکے ہیں یہ ہے کہ ہم کسی کو خدا سمجھیں یا کسی کی عبادت اس خیال سے کریں کہ وہ خدا ہے یا کسی سے اپنی حاجت اس عقیدے کے ساتھ طلب کریں کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر حاجت روائی کر سکتا ہے اور خدا ہے جیسا کہ مشرکین کی روش تھی۔ آپ ان کے نظریات کا جائزہ لیں۔ پس اگر ان میں سے کوئی تربت یا کسی اور چیز سے شفا طلب کرتے وقت یہ عقیدہ رکھے کہ وہ چیز خدا ہے یا خدا کا شریک ہے یا خدا کے مقابلے میں اپنا خود مختار نظام رکھتا ہے یا اس بات کا معتقد ہو کہ فلاں چیز کا مالک خدا ہے تو یہ شرک ہے بلکہ دیوانگی و جنون ہے۔ لیکن اگر اس عقیدے کے ساتھ حاجت طلب کرے کہ قادر مطلق نے اس ایک مشت خاک میں بطور قدردانی اس لئے شفا رکھی ہے کیونکہ ایک فداکار نے اس کے دین کی راہ میں اپنے پورے وجود کو قربان کیا تھا تو اس سے کسی قسم کے کفر و شرک لازم نہیں آتا۔

اس اعتراض کا قرآنی جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ غیر اللہ سے شفا طلب کرنا ہر صورت میں شرک ہے خواہ جس نیت سے بھی ہو تو اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ آپ کے اس دعوے کی رو سے یہ ماننا پڑے گا کہ (نعوذ باللہ) خدا نے بھی شرک کی دعوت دی ہے۔ سورۂ نحل کی آیت/۶۹ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾۔
یہاں شہد کی مکھی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''اس کے بدن سے مختلف رنگوں پر مشتمل مشروب خارج ہوتا ہے جس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے ایک نشانی ہے''۔
اب اگر ہم شہد سے اس لئے شفا طلب کریں کہ اللہ نے اس میں شفا رکھی ہے تو آپ کے بقول ہم مشرک ٹھہریں گے۔ کیا جس خدا نے توحید کی ترویج کیلئے انبیاء بھیجے تھے وہی خدا شرک کا راستہ کھول کر لوگوں کو شرک کی دعوت دے سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ شفا طلب کرنا توسل اور خدا کی طرف توجہ کے علاوہ کچھ

نہیں۔ بعض بے عقل فتنہ گروں نے اس کی غلط تاویل کی ہے تاکہ دینداروں پر خرافات کا الزام لگائیں۔

یہاں یہ فتنہ گر مولف ایک شاطرانہ چال چلتے ہوئے کہتا ہے: "آپ کہتے ہیں کہ تربت امامؑ ہر درد کی دوا اور ہر بلا سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔ پس آپ کو یہ کہنا چاہئے کہ تمام ہسپتالوں، دوا فروشی کی دکانوں، میڈیکل کالجوں اور دوا سازی کے کارخانوں کو بند کر دیا جائے"!

عوام فریبانہ سخن

اس مغالطہ آمیز اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تمہارے بقول اگر قرآن سچ کہتا ہے تو ہر شخص کو چاہئے کہ شہد کا ایک کنستر گھر میں رکھ لے! یوں ڈاکٹروں اور دواؤں کے شر سے نجات حاصل کر لے۔ اسی طرح اگر شہد میں شفا ہے تو بہتر ہے کہ تمام ہسپتالوں، میڈیکل کالجوں اور دوا سازی کے کارخانوں کے دروازے مقفل کر دئے جائیں!

اس بے بنیاد یاوہ گوئی کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں اس خدائی دوا کے استعمال کے موقع ومحل کا علم نہیں ہے۔ تمام خدائی دواؤں اور غیبی امور سے توسلات کا مرحلہ تب آتا ہے جب ظاہری و مادی اسباب جو سب کے سب کارخانۂ قدرت سے ہیں اور اللہ کی قدرت کے کارندے ہیں، ناکام ہو جائیں، نیز ڈاکٹروں اور ان کی دوائیں بے اثر ہو جائیں۔ اس وقت اللہ اپنے بندوں کیلئے امید کا ایک راستہ کھول دیتا ہے تاکہ لوگ خدا اور غیبی اسباب سے مکمل طور پر مایوس نہ ہو جائیں، نیز صرف ظاہری و مادی اسباب سے دل نہ لگائیں اور خالق کائنات سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد یہ شفا طلبی بھی مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ تربت حاصل کرنے اور استعمال کرنے کے سلسلے میں شرعی آداب کی رعایت کی جائے ورنہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ خداوند عالم اس آیہ شریفہ کے ذریعے قانون فطرت کو ہی مفلوج کر دے۔

بنابریں، ایک طرف سے ظاہری و مادی اسباب سے استفادہ کرنے اور اس مستحکم تکوینی نظام کے کارندوں اور طبیبوں کے پاس جانے اور دوسری طرف سے خداوند عالم اور خالق کائنات سے متوسل ہونے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ عالم تکوین کا نظام بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی ایک مظہر ہے اور ہر دوا کو ایک خاص اثر بخشنے والا بھی تو خدا ہی ہے۔ کیا میڈیکل سٹورز کی دواؤں کے اثرات خود انہی دواؤں کا ذاتی کمال ہیں؟ یہ وہ اثرات ہیں جو خداوند عالم نے ان دواؤں میں رکھے ہیں۔ اب اگر کوئی خدا پرست اپنی قوت

ایمانی کی بنا پر یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے دواؤں کو جو تاثیر عطا کی ہے وہی تاثیر مادی وسائل سے مایوس ہونے کے بعد خدا نے اس مٹھی بھر مٹی کو عطا کی ہے جس پر ایک مظلوم مجاہد کا خون ناحق راہ خدا میں گرا تھا تاکہ لوگوں کی زندگی کے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ سے ان کی امید کا سلسلہ نہ ٹوٹے اور اگر وہ چاہے تو انہیں اس خدائی دوا کے ذریعے شفا دے اور اگر نہ چاہے تب بھی مریض اللہ کی محبت سے لبریز دل اور اس عالم کے مستقبل کے بارے میں پرامید نگاہوں کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف چل پڑے۔ تو کیا یہ شرک ہے یا عین توحید اور خداشناسی؟ آپ کے خیال میں یہ بہتر ہے یا محض ظاہری اسباب سے دل لگا کر اللہ تعالیٰ کے غیبی آثار سے چشم پوشی کرنا اور اللہ کی لامحدود قدرت ورحمت سے مایوس ہونا؟

روحانی علاج

شیخ الرئیس بوعلی سینا " جیسے بڑے بڑے قدیم ماہرین طب روحانی علاج کے طریقوں کو مانتے تھے۔ کبھی یہ روحانی معالجات طبی طریقوں سے زیادہ کارگر واقع ہوتے تھے۔ یورپ کے بڑے بڑے دانشمندوں اور ڈاکٹروں نے اس نظریئے کی تائید کی ہے یہاں تک کہ ان سے یہ بات منقول ہے کہ اگر کوئی مریض کئی بار یہ کہے: "میں صحت مند ہوا ہوں" تو یہ اس کی صحت یابی میں مددگار ثابت ہوا ہے اور اگر کوئی آدمی اپنی صحت یابی کا مکمل یقین کر لے تو بسا اوقات یہی یقین درونی اس کی صحت یابی پر منتج ہوتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی بنیاد روح کی وہ قوت ہے جو بدن پر اثرانداز ہوتی ہے، نیز بدن روح کے تابع ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض عظیم فلسفیوں کا نظریہ ہے کہ صحت اور بیماری دونوں کی بنیاد روح ہے۔ اگر ہم اس نظریئے کو غیر مصدقہ فرض کریں تب بھی آج کے یورپ نے پہلے نظریئے کی تائید کی ہے اور اس نظریئے کو یورپ والوں کے ہاں زبردست مقام حاصل ہوا ہے۔ جو لوگ "مقناطیسی نیند" کے بارے میں جدید نظریات سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ روح اور اس عالم پر روح کے اثرات کے بارے میں نظریات کس قدر زیادہ ہیں۔

ایک قابل اعتماد عالم کہتے ہیں: میں شہر رے کے ہسپتال میں بغرض علاج گیا تھا۔ میں بعض اوقات بیماروں کی خبر گیری کرتا اور ان کیلئے دعا کرتا تھا۔ وہاں کا بڑا ڈاکٹر ایک یورپین تھا اور اس کا دین بھی ہم سے مختلف تھا مجھے خصوصی طور پر بیماروں کی عیادت کی ترغیب دیتا تھا اور کہتا تھا: آپ اپنا کام کریں اور ہم اپنا کام انجام دیں گے۔

قدیم وجدید اطبا کے بیانات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر دنیا میں دین کا وجود نہ بھی ہوتا تب بھی یہ روحانی کشش اور امید کہ میرا علاج فلاں چیز میں ہے طبیعی علاج، فطری شفا اور جسم کے طبعی نظام کی مددگار بنتی ہے، نیز روحانی ومعنوی دنیا سے دل کا رشتہ منقطع کرنا، صرف ظاہری و مادی اسباب سے سروکار رکھنا اور لوگوں کو معنوی امور سے دور کرنا انسانیت کے ساتھ خیانت اور موت کے اسباب کے ساتھ تعاون سے عبارت ہے۔

خاک پا سے بے جان چیز کا زندہ ہونا

یہاں ہم ایک قرآنی آیت کا بطور دلیل ذکر کریں گے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ خداوند عالم مٹھی بھر خاک جس کے اوپر کسی زندہ کا گزر ہوا ہو کو حیات بخش تاثیر دیتا ہے۔ سورۂ طٰہ کی آیت ۹۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قالَ فَما خَطْبُکَ یا سامِرِيُّ قالَ بَصُرْتُ بِما لَمْ یَبْصِرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُها﴾۔

اسی سورت کی آیت ۹۰ میں اللہ تعالیٰ پہلے سامری کے گوسالہ بنانے، گوسالہ کے زندہ ہونے اور آواز نکالنے کا واقعہ بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۹۶ میں فرماتا ہے کہ موسیٰؑ نے سامری سے کہا: ''تو نے یہ عظیم کام، یعنی گوسالہ کو زندہ کرنا، کیسے انجام دیا؟ سامری بولا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ میں نے پیامبر، یعنی جبرئیلؑ، کے پیروں کے نیچے سے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور گوسالے پر ڈالی جس سے وہ زندہ ہو گیا''۔

یہ وہ تاثیر ہے جو خدا نے مٹھی بھر خاک کو اس لئے عطا کی کیونکہ وہاں سے ایک زندہ گزرا تھا۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ بے جان مٹی کو حیات بخش بنائے۔ اب اگر اللہ اس مٹی کو کوئی تاثیر دے جس کے اوپر زندگی پانے والوں کا خون گرا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی نظر میں یہ بات سو فیصد ممکن ہے کہ اللہ کسی بے اثر چیز کو اثر دے یا کسی بااثر چیز کو بے اثر کرے۔ چنانچہ قرآن کے بقول اللہ نے آتش نمرود کے اثر کو زائل کر دیا۔ سورۂ انبیاءؑ کی آیت ۶۹ میں فرماتا ہے: ﴿قُلْنا یا نارُ کُونِي بَرْداً وَسَلاماً عَلیٰ إِبْراهِیمَ﴾[1] ہم اس کارخانہ

---

[1] پس انہوں نے آگ جلائی اور ہم نے خطاب کیا: اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کیلئے موجب سلامتی بن جا۔

کائنات کا مدبر اس ہستی کو سمجھتے ہیں جس کے آگے کائنات کے تمام ذرات سر تسلیم خم ہیں۔ جس طرح اس کے ایک ارادے سے آتش سوزاں بے اثر ہو جاتی ہے اسی طرح وہ اپنے ایک موثر ارادے سے کسی شہید کی شہادت گاہ کی مٹی کو تاثیر عطا فرما دیتا ہے۔

اب اگر کسی امر کے نادرست ہونے کا معیار ہم لوگوں کی عقل کے مطابق اس چیز کی نارسائی ہو تو بہتر ہے آپ یہ کہیں کہ آگ کے سرد ہونے، مردوں کے زندہ ہونے، چونٹیوں کے گفتگو کرنے اور اس طرح کے دیگر امور جن کا ذکر قرآن میں ہوا ہے کو قرآن سے نکال دیں۔ (۴۴۹)

زیارت جامعہ کبیرہ پر اعتراضات

دینداروں پر ان معترضین کا ایک اعتراض زیارت جامعہ کبیرہ سے مربوط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ کہتے ہیں: ﴿مَنْ أرادَ اللهَ بَـدَءَ بِـكُمْ وَمَنْ قَصَدَهُ تَوَجَّهَ اِلَيْكُمْ؛ بِكُمْ فَتَحَ اللهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ وَبِكُمْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ اگر یہ شرک نہیں تو پھر دنیا میں کوئی چیز شرک نہیں ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس شخص نے ان سادہ جملوں کا اپنی طرف سے کیا مفہوم تراشا ہے جو شرک کا باعث ہو۔

ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ شرک سے مراد یا دو خداؤں کو ماننا ہے یا دو خداؤں کی عبادت کرنا یا کسی بت یا ستارے کی اس نیت سے پرستش کرنا کہ وہ خدا یا خدا کی صورت ہے یا اسی ارادے سے ان سے حاجت طلب کرنا ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ عبارات میں شرک کے ان معانی میں سے کون سا معنی مذکور ہے تا کہ ہم زیارت جامعہ سے دستبردار ہو جائیں؟

بنا بریں ہم عرض کرتے ہیں کہ پہلی عبارت ﴿مَنْ أرادَ اللهَ بَـدَءَ بِكُم﴾ ایک عام فہم اور سادہ مفہوم کی حامل ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص خدا کو پہچاننا چاہے یا خدا کی عبادت و اطاعت کا خواہاں ہو تو اسے پہلے آپ لوگوں (معصومینؑ) کے پاس آنا چاہئے تا کہ آپؑ سے دینی تعلیمات اور عبادت کے طور طریقے سیکھ لے اور احکام خداوندی جو پیغمبر اسلامؐ نے آپ کو سکھائے ہیں کو ملحوظ رکھے بغیر اپنی طرف سے کوئی عبادت انجام نہ دے۔ عبادات خداوندی، نماز، روزہ، حج اور دیگر احکام کا علم آپؑ لوگوں کے پاس ہے۔

اب کیا تم معترضین یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں عبادت کے طور طریقے تراشیں؟ کیا دس رکعتی نماز پڑھنا درست ہے؟ کیا رمضان میں اپنی مرضی کی ہر چیز سے اجتناب کرنا جائز ہے؟ کیا دینی تعلیمات اور شرعی آداب کو ابتدا میں کسی سے سیکھنا شرک ہے؟ بطور مثال اگر آپ سے کہا جائے کہ اپنی صحت وسلامتی چاہتے ہو تو پہلے ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو اس عبارت سے آپ کیا مراد لیں گے؟ کیا اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ اور ہے کہ اپنی صحت چاہتے ہو تو پہلے طبیب سے ہدایات لو؟ آپ اس سادہ عبارت کی من گھڑت تاویل کیوں کرتے ہیں اور اسے حاکم شہر اور دربان کی مثال کی طرح قرار دیتے ہیں یا بادشاہ اور وزیر کی طرح؟

پھر آپ یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اگر کسی کو حاکم شہر سے کوئی کام ہو تو اسے پہلے دربان کے پاس جانا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی بساط کے مطابق اللہ کو پہچاننا، اس کے احکام کو سمجھنا اور عبادت کے طریقوں کو سیکھنا چاہے تو اسے پہلے ایک ایسے عالم کے پاس جانا چاہئے جس نے رسول اکرمؐ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ یہ تعلیمات حاصل کی ہیں۔ لیکن آپ اسے شرک قرار دے رہے ہیں اور اس مسئلے میں ہمارے موقف کو باطل ٹھہرا رہے ہیں؟

اعتراض کا قرآنی جواب

سورۂ حج کی آیت ۲۷ کہتی ہے: ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کرو تا کہ وہ پیدل اور سوار ہو کر دور دراز سے تیرے پاس آئیں۔

کیا آپ کی نظر میں حاجیوں کا ابراہیمؑ کے پاس جانا شرک ہے؟ اگر ایسا ہے تو (نعوذ باللہ) خداوند عالم نے اس دعوت کے ذریعے لوگوں کو شرک کی طرف مدعو کیا ہے اور ابراہیمؑ کو حکم دیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت یعنی حج سے پہلے لوگوں کو اپنی طرف بلائے جو بقول آپ کے شرک ہے!

لیکن ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس دن لوگ اللہ کی دعوت پر لبیک کہنا چاہتے تھے اس دن ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ پہلے وہ ابراہیمؑ کے پاس جاتے اور ان سے حج کے آداب واحکام سیکھتے کیونکہ ابراہیمؑ اس دور کے رسول تھے پھر اس کے بعد حج بجالاتے۔ پس اس دن اگر کوئی خدا کا طالب تھا یعنی اس کی عبادت یا اس کی

معرفت حاصل کرنے کا خواہاں تھا تو اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ پہلے ابراہیمؑ کے پاس جاتا۔ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں بھی لوگوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ رسولؐ کے پاس جاتے۔ ائمہؑ کے دور میں بھی پہلے ان کے پاس جانا چاہئے۔ اسی لئے زیارت کی مذکورہ عبارت کے فوراً بعد یہ جملہ مذکور ہے: ﴿وَمَنْ وَحَّدَهُ قَبِلَ عَنْكُمْ﴾ یعنی ہم نے توحید کا حقیقی درس آپ لوگوں سے سیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ﴿مَنْ قَصَدَهُ تَوَجَّهَ اِلَيْكُم﴾ سے کیا مراد ہے کیونکہ اس کا بھی یہی مفہوم ہے البتہ عبارت مختلف ہے۔

﴿بِكُمْ فتح اللهُ وبِكُمْ يُخْتِم﴾ کا جملہ شرک آمیز ہے؟

دوسرا اعتراض جو یہ لوگ ہمارے اوپر کرتے ہیں وہ یہ جملہ ہے: ﴿بِكُمْ فَتَحَ اللهُ وَبِكُمْ يُخْتِم﴾ یہاں ہر صاحب عقل وضمیر انسان کا پاؤں دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے کیونکہ ہم کسی بھی طریقے سے اس عبارت سے شرک کا مفہوم نہیں نکال سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جملے کے بارے میں تین احتمالات دیئے جاسکتے ہیں جن میں سے کوئی بھی احتمال شرک سے معمولی سی مناسبت نہیں رکھتا۔ پہلا احتمال زیادہ واضح ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے آپ معصومینؑ کے ذریعے سلسلہ امامت کی ابتدا کی ہے اور آپ کے ذریعے ہی اس کا خاتمہ فرمائے گا۔ یعنی امامت آپ اہل بیتؑ سے خارج نہیں۔ امام اول علی علیہ السلام ہیں جو اہل بیتؑ میں سے ہیں اور آخری امام حجۃ بن الحسن علیہ السلام کا تعلق بھی آپ اہل بیتؑ سے ہے۔ اب اس احتمال کا کون سا حصہ شرک ہے یا شرک سے نزدیک ہے؟ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ انہیں امامؑ بھی نہیں ماننا چاہئے؟

دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے خدا نے آپ اہل بیتؑ کے نور کو خلق فرمایا اور اس جہاں کا آخری انسان بھی آپ اہل بیتؑ میں سے ایک ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ احتمال عبارت کا ظاہری مفہوم تو نہ ہو لیکن اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔ لازماً اللہ نے کسی ایک چیز کو سب سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ وہ خواہ کوئی بھی ہو مخلوق خدا ہے اور ظاہر ہے کہ مخلوق خدا شریک خدا نہیں ہوسکتا...

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ اہل بیتؑ کے ذریعے خلقت کی ابتدا فرمائی اور آپ کے ذریعے ہی خلقت کا خاتمہ فرمائے گا۔ یہ احتمال بھی اگرچہ بعید ہے لیکن اگر اسے درست فرض کیا جائے تو بھی اس کا شرک سے کیا ربط ہے؟

یہ ایک واضح اور بدیہی بات ہے کہ خورشید عالمتاب سے لے کر جمادات، نباتات، حیوانات اور

کارخانہ قدرت کے تمام اجزاء یعنی کائنات کی تمام چیزیں انسان کی خاطر خلق ہوئی ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم خم ہیں جیسا کہ آج کی دنیا ان میں سے بعض کو ثابت کر چکی ہے۔ پس اگر کوئی شخص کامل ترین انسانوں سے کہے کہ اللہ نے آپ کی خاطر خلقت کی ابتدا و انتہا کی ہے تو اس کا شرک سے کیا تعلق ہے؟ یہیں سے دوسری عبارت یعنی ﴿بِکُمْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنَ السَّماءِ﴾ کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان کی خاطر اور اس کے فائدے کیلئے بارش نازل ہوتی ہے۔ پس اگر خداوند عالم اعلیٰ ترین انسانوں کی خاطر بارش نازل فرمائے تو اس کا شرک کے ساتھ کیا ربط ہے جو آپ یہ اعتراض کریں کہ "اگر یہ شرک نہیں تو پھر کوئی چیز شرک نہیں"۔ پھر اس عبارت میں بارش کے نزول کو خدا سے منسوب کیا گیا ہے نہ کسی اور سے۔

زیارت جامعہ کبیرہ پر ایک نظر

بہتر ہے کہ محترم قارئین زیارت جامعہ کبیرہ پر ایک گہری نظر فرمائیں۔ کیا اسی زیارت میں یہ کلمات موجود نہیں ہیں: ﴿أشْهَدُ أنْ لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِیکَ لَهُ کَمَا شَهِدَ اللهُ لِنَفْسِهِ وَشَهِدَتْ لَهُ مَلائِکَتُهُ وَأُولُوا الْعِلْمِ مِنْ خَلْقِهِ لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ وَاشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ الْمُنْتَجَبُ وَرَسُولُهُ الْمُرْتَضیٰ...﴾ یہاں تک کہ ہم ائمہؑ کی توصیف میں پڑھتے ہیں: ﴿وَأشْهَدُ أنَّکُمُ الْأئِمَّةُ الرَّاشِدُونَ الْمَهْدِیُّونَ الْمَعْصُومُونَ﴾[۱]

توحید خداوندی، پیغمبرؐ کی رسالت اور ائمہؑ کی امامت کے بارے میں ان صریح اور تائیدی بیانات کے باوجود کیا اس زیارت کے مندرجات کو شرک قرار دینا درست ہے؟ (۴۵۰)

معصومینؑ کیلئے گنبد سازی اور مقبرہ سازی

ان معترضین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ان گنبدوں اور آستانوں کی تعمیر شرک ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب بھی گزشتہ بیانات جن میں ہم نے شرک کا معیار بیان کیا ہے، سے بخوبی واضح

۱۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے علاوہ کوئی خدا نہیں، وہ شرک اور شریک سے منزہ ہے جیسا کہ اللہ نے خود اپنی وحدانیت کی گواہی دی ہے، نیز فرشتوں اور صاحبان علم (انبیاء، اولیا اور علمائے ربانی) نے شہادت دی ہے کہ خدائے واحد و قادر و حکیم کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے خالص و برگزیدہ بندے اور اس کے پسندیدہ رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بہ تحقیق آپ ہی وہ ائمہؑ ہیں جو حق شناس، ہدایت یافتہ اور معصوم ہیں۔

ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اگر گنبد سازی اور آستانہ سازی کا مقصد بت پرستی، امام پرستی اور رسول پرستی ہو جیسا کہ بت پرستوں کا شیوہ ہے تو اس کے شرک ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ جو لوگ پیغمبرؐ، امامؑ یا امامزادے کی پرستش و عبادت کیلئے وہاں جاتے ہیں وہ کافر اور مشرک ہیں، لیکن اگر مقصد ان کا احترام بجالانا یا وہاں آنے والوں کو استراحت بہم پہنچانا یا وہاں اللہ کی عبادت بجالانا ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ شرک نہیں بلکہ عین خداپرستی اور اطاعت خداوندی ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں شیعہ رسولؐ، ائمہؑ، امامزادوں اور مومنین کی قبور کی زیارت کرتے ہیں۔ ہم آپ کو تمام اہل عالم کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ تمام اثنا عشری شیعوں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورت، شہری ہوں یا صحرا نشین ہم دیگر شیعہ فرقوں کی ضمانت نہیں دیتے، سے پوچھیں اور ان سے جس طرح چاہیں سوال کریں۔ اگر وہ سب یا ان میں سے کوئی ایک فرد بھی یہ اقرار کرے کہ ہم امامؑ اور پیغمبرؐ کی پرستش و عبادت کیلئے مدینہ یا کربلا جاتے ہیں، نیز ہم انہیں خدا یا زمین کا ربّ سمجھتے ہیں تو ہم اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائیں گے...

مقبرہ سازی کے جواز پر قرآن سے استدلال

اس قسم کے کاموں (گنبد سازی اور آستانہ سازی) کے جواز کو ثابت کرنے کیلئے کسی خاص دلیل یا سند کی ضرورت نہیں بلکہ خدا اور قرآن کا ان کاموں سے منع نہ کرنا بذات خود ان کے جواز اور عدم حرمت کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی شخص نے اپنے گھر کی تعمیر، نیز اپنی عمارت اور پارک کی ڈیزائننگ کیلئے آج تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس سلسلے میں قرآن کا حکم کیا ہے۔ قرآن نے اس سلسلے میں کوئی حکم نہیں دیا بلکہ دین کا عمارت سازی سے منع نہ کرنا ہی اس بات کے جواز کیلئے کافی ہے کہ ہر کوئی اپنے من پسند نقشے کے مطابق اپنے لیے عمارت بنائے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس (گنبد سازی و آستانہ سازی وغیرہ) کے بارے میں تاکید فرمائی ہے۔ یہاں ہم آیت شریفہ اور اس کا حوالہ بیان کرتے ہیں تاکہ گفتگو کا فیصلہ ہو جائے۔

سورۂ حج کی آیت ۳۲ کہتی ہے: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّها مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ ''جو اللہ کے شعائر یعنی عبادت کا احترام بجالائے اس کا یہ عمل اس کے تقوائے قلبی کا حصہ ہے''۔

جو پاکیزہ اور نورانی دل اللہ کی عظمت کا معترف ہو وہ اللہ کے شعائر کی بھی تعظیم کرتا ہے۔ شعائر الٰہی کی

سب سے بڑی تعظیم یہ ہے کہ اس کی عبادت کے مقامات ومراکز باعظمت ہوں، نیز اللہ کی عبادتگاہیں وہاں آنے والوں کیلئے باعث رغبت ہوں۔ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ہر روز لاکھوں نیک مسلمان خدا کی عبادت، نیز اس کی مقدس بارگاہ میں مدح وثنااور نماز ودعا میں مشغول رہتے ہیں۔ پس اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ عبادت خداوندی اور شعائر الٰہی کی تعظیم کیلئے ایک عظیم الشان بلند گنبد یا ایک پرشکوہ اور باعظمت مسجد بنائی جائے جس کے اندر داخل ہونے کا لوگوں کو شوق ہو، نیز دنیا کی عظیم ہستیاں جو عظیم الشان بارگاہوں میں حاضر ہونے کے عادی ہوں اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ نماز وعبادت میں شرکت کریں۔ واضح ہے کہ اس کا شرک سے کوئی ربط نہیں ہے۔

ظاہری شان وشوکت کے باطن پر اثرات

سورۂ نور کی آیت/۳۶ کہتی ہے: ﴿فِي بُيُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾۔

آیۂ نور کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ وہ قندیل ان گھروں میں ہے جنہیں بلند کرنے ان میں اللہ کے نام کا ذکر کرنے اور ہر صبح وشام اس کی تسبیح کرنے کا اللہ نے اذن دیا ہے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ ان عمارتوں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح وتہلیل ہوتی ہے اور ان میں داخل ہونے والے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے ان عمارتوں کو بلند اور عالیشان بنانے کی اجازت دی ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ظاہری عظمت وشکوہ کا دلوں پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ ایک پرشکوہ اور عظیم الشان عمارت اور ایک باعظمت ملک کا مشاہدہ دیکھنے والوں کو ان کے مالک کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگرچہ اسلام وقرآن اور بزرگان اسلام کی عظمت کا راز اسلام کے درست قوانین، ان کی بلند پایہ تعلیمات اور ان کی عاقلانہ تعلیم وتربیت میں پوشیدہ ہے جو دائمی خوش بختی وکامیابی اور ابدی نورانیت، نیز دنیوی واخروی زندگی کی فلاح کی ضامن ہیں لیکن چونکہ ہماری ظاہر بین اور کوتاہ آنکھیں ظاہری شان وشوکت دیکھ کر ہمارے باطن پر دائمی اثرات مرتب کرتی ہیں، نیز عمارت کی عظمت سے عمارت والے کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اس لئے اسلام نے عبادت گاہوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کو اہمیت دی ہے اور اسے قرآنی تعلیمات کا حصہ قرار دیا ہے تاکہ یورپ کے ظاہری اور مادی زرق وبرق کے مقابلے میں اسلام بھی اپنے وجود کا اظہار وجود کرے اگرچہ

یورپ والے انسانی کمالات سے تہی دست ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے جو عظیم الشان اور باشکوہ عمارات اپنی یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں ان کو دیکھ کر اہل مغرب کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور یورپ کی پرشکوہ دنیا ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

ان جاہل فتنہ گروں نے یہ خیال کیا ہے کہ بزرگان دین کیلئے گنبد اور آستانہ تعمیر کرنا صرف شیعوں سے مختص ہے۔ اسی لئے وہ ہمارے اوپر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک غلط اور باطل تصور ہے۔ تمام اسلامی فرقے اور جملہ دیندار مکاتب فکر کے ہاں یہ عظیم الشان اور باشکوہ عمارات اور گنبد مرسوم ہیں۔ بنابریں اس طرح تمام شیعہ وسنی مسلمانوں اور تمام دیندار فرقوں کو مشرک ٹھہرانا ہوگا۔

ہر سال کم وبیش ایک لاکھ ایرانی عراق اور حجاز جاتے ہیں اور سب نے دیکھا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا مقبرہ اہل سنت کے ملک میں واقع ہے اور یہ مقبرہ قابل ذکر گنبد، آستانے، ضریح اور دیگر لوازمات کا حامل ہے۔

ہر سال کم وبیش تیس ہزار مصری، ہندوستانی، یمنی، عراقی، ایرانی، افغانی اور دیگر اسلامی ممالک کے

قافلے جن میں سے اکثر سنی ہوتے ہیں اور تھوڑے بہت شیعہ قبر رسولؐ کی زیارت کیلئے جاتے ہیں اور جس طرح شیعہ حضرات قبر رسولؐ اور ائمہ دینؑ کی قبور کا احترام بجالاتے ہیں اسی طرح وہ بھی ان آداب کی رعایت کرتے ہیں اسی طرح عراق کے شہر بغداد میں شیخ عبدالقادر اور امام ابوحنیفہ کے عظیم الشان گنبد کو سب دیکھ چکے ہیں اور سنی حضرات ان مقامات کا جو احترام بجالاتے ہیں انہیں سب نے دیکھا یا سنا ہے۔ بنابریں یہ کہنا پڑے گا کہ تمام مسلمان اقوام خواہ ان کا تعلق جس گروہ یا فرقے سے ہو وہ کافر، مشرک اور بت پرست ہیں، نیز یہ عمارتیں بت پرستی کی علامت اور بت خانہ ہیں!!

ان سب باتوں کے علاوہ ذرا دیکھئے تو خانہ کعبہ پتھر کی صرف چار دیواروں کا مجموعہ ہے، نیز حجر اسود صرف ایک سیاہ پتھر اور صفا ومروہ صرف دو چھوٹی پہاڑیوں سے عبارت ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہر سال وکم وبیش ایک لاکھ مسلمان ان پتھروں کا طواف کرتے ہیں، اس سیاہ پتھر کو چومتے اور چھوتے ہیں، نیز صفا ومروہ کے درمیان ننگے سر اور ننگے پاؤں دوڑتے ہیں لیکن اس کے باوجود کوئی شخص ان اعمال کی بنا پر خانہ پرست، پتھر پرست اور کوہ پرست نہیں کہلایا جاتا بلکہ یہ سارے اعمال عبادت محسوب ہوتے ہیں؟

کیا مسلمان خدا کو کعبہ کے اندر یا ان پتھروں اور پہاڑیوں کے آس پاس پاتے ہیں یا چونکہ ان اعمال کا حکم اللہ نے دیا ہے اس لئے ان کی انجام دہی اطاعت خداوندی اور عین توحید ہے؟ پس بہتر ہے کہ آپ سرے سے یہ فیصلہ کریں کہ خانہ کعبہ کو بھی گرا دینا چاہئے، نیز اس گھر، حجر اسود اور ان پہاڑیوں کے بغیر ہی خدا سے براہ راست رابطہ برقرار کرنا چاہئے؟

قبروں کو بلند نہ کرنے کے اثبات میں احادیث سے استدلال

ان مفسدین کا ایک مضحکہ خیز اعتراض یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے: ''ہماری قبروں کو زمین سے چار انگلیوں کے برابر اونچی کرو''[۱] معترض کہتا ہے: ''چار انگلیوں کے برابر اونچی کرنے اور اس پر پانی چھڑکنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ قبر زمین کے برابر ہو جائے''۔

اس اعتراض کے درج ذیل جوابات ہیں:

۱۔ اگر خود قبر کی تعمیر کو مکروہ فرض کیا جائے تب بھی گنبد، اطراف کی مساجد اور صحن و آستانے کی تعمیر سے اس حدیث کا کوئی ربط نہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ صحن، آستانہ، مسجد، گنبد اور ضریح میں سے کوئی چیز قبر نہیں کہلاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی آپ سے کہے کہ رسولؐ کی قبر پر ہاتھ رکھ کر فلاں دعا پڑھو تو آپ اپنا ہاتھ ہرگز صحن کی دیوار یا آستانے کی زمین یا گنبد کے اوپر نہیں رکھیں گے۔ پس قبر کو چار انگلیوں کے برابر اونچی کرنے اور بلند گنبد تعمیر کرنے کے درمیان کوئی ربط نہیں۔

۲۔ ائمہ کی قبور تعمیر کرنے کے بارے میں سنی و شیعہ طرق سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔[۲]

ائمہؑ کی قبور تعمیر کرنے کی ترغیب

شیخ طوسیؒ اپنی سند کے ساتھ اہل حجاز کے واعظ ''ابو عامر'' سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا: ''میں حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں گیا اور آپ سے عرض کیا: جو کوئی امیر المومنینؑ کی زیارت کرے اور آپ کی قبر بنائے اس کی جزا کیا ہے؟ فرمایا: اے ابو عامر! میرے والد نے اپنے جدّ حسین بن علی علیہما السلام سے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۸۵۶، کتاب الطہارۃ، باب استحباب تربیع القبر، حدیث ۳ اور اسی باب کی دیگر احادیث۔

۲۔ ملاحظہ ہو: الوسائل، کتاب مزار، نیز الجواہر کتاب طہارت اور رسالہ منہج الرشاد۔

نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے میرے والد سے فرمایا: آپ عراق کی سرزمین میں وارد ہوں گے اور وہاں دفن ہوجائیں گے۔ عرض کیا: اے رسول خداؐ! اس شخص کی جزا کیا ہے جو ہماری قبروں کی زیارت کرے، ان کی تعمیر کرے اور ان کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید کرے؟ فرمایا: اے ابوالحسن! خدا نے تیری قبر اور تیری اولاد کی قبروں کو بہشت کا بقعہ اور صحن قرار دیا ہے، نیز اللہ نے اپنے نجیب اور برگزیدہ بندوں کے دلوں میں تمہاری طرف رغبت ڈال دی ہے۔ وہ تمہاری خاطر تکلیف اور خواری اٹھائیں گے۔ وہ تمہاری قبروں کی تعمیر کریں گے۔ وہ اللہ کی خوشنودی اور رسولؐ سے محبت کی بنا پر تمہاری زیارت کیلئے آئیں گے۔ ان لوگوں کی شفاعت میرے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ لوگ حوض کے پاس میری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ کل بہشت میں یہ لوگ میری زیارت کریں گے۔ یا علی! جو کوئی تمہاری قبروں کی تعمیر کرے اور ان کی زیارت کیلئے آئے گویا اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں سلیمان ابن داود کا ساتھ دیا۔ جو کوئی تمہاری قبروی کی زیارت کرے اسے ستر بار حج کرنے کا ثواب ملے گے۔ البتہ حجۃ الاسلام کو چھوڑ کر۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ خوشخبری ہو تجھے اور اپنے چاہنے والوں کو بھی خوشخبری دو اس نعمت کی جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہے لیکن کچھ گندے لوگ تمہاری قبروں کی زیارت کرنے کے جرم میں زیارت کرنے والوں کی سرزنش کریں گے جس طرح زنا کار عورت کی سرزنش کی جاتی ہے زنا کرنے کے جرم میں۔ یہ لوگ میری امت کے اشرار ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری شفاعت انہیں نصیب نہیں کرے گا اور انہیں حوض پہ وارد ہونے نہیں دے گا''۔[۱]

میں نے دو وجوہات کی بنا پر یہ طولانی حدیث نقل کی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے اس حدیث کی دیگر احادیث کے درمیان جمع کرنے اور دوسری طرف سے اس حدیث جس میں قبر کو چار انگشت بلند کرنے کا حکم دیا گیا ہے کا مجموعی مفہوم یہ ہے کہ ابتدا میں قبر بناتے وقت بہتر ہے کہ چار انگلیوں کے برابر اونچی کی جائے لیکن بعد والی تعمیرات کے دوران جس طرح بھی بنائی جائے درست ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی رو سے آستانہ اور صحن بنانا جائز ہے اور اس کا قبر بنانے سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اس کا ثواب بیت المقدس کی تعمیر کے ثواب کے برابر ہے۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۱۰، ص۲۹۸، کتاب الحج، باب ۲۶، حدیث ۱۔

تسویہ قبور کا درست مفہوم

رہی وہ حدیث جس کی طرف معترض نے اشارہ کیا ہے کہ علیؑ نے فرمایا: ''جو قبر زمین سے بلند نظر آئے اسے زمین کے برابر کردو اور جو تصویر نظر آئے اسے مٹادو''[۱] تو اس مولف کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ حدیث کی عبارت یہ ہے: ﴿وَلاَ قَبراً مُشرِفاً اِلاَّ سَوَّیتَہ﴾ وہ لوگ قبر کی پشت کو کوہان نما بناتے تھے جو مکروہ تھا۔ اس کے برعکس قبر کی بالائی سطح کو ہموار بنانا جائز تھا۔ بنابریں یہاں ''تسویہ'' ہموار کرنا، ''تسنیم'' کوہان نما بنانے، کے مقابلے میں ہے وگرنہ ''سَوَّیتَہ'' کی جگہ ''محوتہ'' کہنا چاہئے۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں بت پرستی کے کچھ آثار باقی تھے۔ اس وقت کے لوگ جیسا کہ مورخین کا بیان ہے قبروں پر تصویریں اور مجسمے رکھتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ بنابریں اگر بطور فرض ''تسویہ'' سے مراد مٹانا ہو تو اس سے مراد اس قسم کی قبور ہیں جیسا کہ اسی روایت میں مذکور لفظ ''صورت'' سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جس زمانے میں یہ حکم دیا گیا اس دوران حجاز وعراق میں مسلمانوں کی بلند قبریں موجود تھیں جبکہ ان کو مٹانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ رسول اکرمؐ تو ابتدا میں ہی ایک عمارت یعنی کمرے میں دفن ہوئے۔ ابوبکر اور عمر بھی اسی عمارت میں مدفون ہوئے۔ پس بہتر تھا کہ وہ پہلے اس حجرے کو گرا دیتے تاکہ وہ آپ کے اعتراض کی زد میں نہ آئے۔ (۳۵۱)

کیا انبیاء کی بارگاہوں کی طرف توجہ، بارگاہ الٰہی کیطرف توجہ ہے؟

ان بے انصاف معترضین میں سے بعض افراد دینداروں پر ایک صریح تہمت لگاتے ہیں کہ ''پیغمبروں نے لوگوں کو اصل مقصد یعنی توحید کا راستہ دکھایا'' اس کے بعد کہنے لگے: ''ہم پیغمبروں کے خدا کو نہ آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں نہ ہاتھ سے چھو سکتے ہیں اور نہ اپنے تصور میں سمو سکتے ہیں۔ دوسری طرف سے ان کی باتوں سے بے اعتنائی بھی نہیں برت سکتے۔ پس ہم یہ کہیں گے کہ پیغمبروں کا خدا خود پیغمبروں کیلئے ہے اور خود انبیاء ہمارے لئے ہیں۔ اس طرح ہم انبیاء کی قبروں کے اردگرد پنجرہ بنا کر اس کا دروازہ تھام سکیں گے۔ پس اگر ہم اپنے آپ کو اس تک نہ پہنچا سکیں تو انہیں اپنے ذہن میں حاضر تو کر سکتے ہیں'' اس کے بعد وہ اس بات کا جواب دینا شروع کرتا ہے...

۱۔ بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۱۸۔

اب آپ کسی بھی گلی کوچے یا سڑک میں موجود اس مذہب کے جس پیروکار سے چاہیں یہ سوال کریں کہ کیا آپ نے خدا سے ناطہ توڑ دیا ہے اور خدا کو پیغمبروں کے کھاتے میں ڈال دیا ہے؟ کیا آپ صرف رسولوں کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں؟ کیا آپ کی یہ نمازیں یہ روزے یہ حج اور دیگر عبادات سب کے سب صرف رسول یا امام کیلئے ہیں؟ اگر کسی بوڑھی شیعہ عورت نے بھی ان سوالوں کا مثبت جواب دیا یا کسی پہاڑی انسان نے ان باتوں کی تائید کی تو ہم ان باتوں کو درست مان لیں گے اور جس راستے سے آئے تھے اسی سے لوٹ جائیں گے۔ (۴۵۲)

کیا رسولؐ کی تعظیم شرک ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے مسئلے ہی کو لیجئے۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات سے نہایت بے بہرہ اور غیروں سے وابستہ ایک ملا چیخ چیخ کر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر کا احترام شرک ہے اور جشن ولادت شرک ہے!

اگر رسول خداؐ کا احترام شرک ہے تو پہلے مشرک خود رسول اکرمؐ ٹھہریں گے (نعوذ باللہ)، نیز پہلا مشرک خود اللہ ہوگا جس نے رسول کے مرتبے کو اس قدر بلند کیا ہے کہ نمازوں میں بھی آپؐ کا نام لیا جاتا ہے اور اگر نماز میں بعض جگہوں پر آپؐ کا نام نہ لیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر اس ملا یا اس کے نادان اور درباری دوستوں کی نظر میں رسول کی شہادت یا وفات کے بعد آپؐ کا احترام شرک ہے تو پھر سارے مسلمان اور خود یہ ملا بھی نماز پڑھنے کی صورت میں مشرک ٹھہریں گے کیونکہ رسول کی وفات کے بعد بھی سارے مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں رسول اکرمؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ (۴۵۳)

کائنات کا نظام، رسولؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کے سپرد کر دیا گیا ہے؟

ان فتنہ گروں کا ایک اعتراض یہ ہے کہ کافی شریف جو احادیث کی چار معتبر کتابوں میں سے ایک ہے، میں مذکور ہے: ”اللہ نے عالم کو خلق فرمایا پھر ان کا اختیار محمد، علی اور فاطمہ علیہم السلام کے حوالے فرمایا۔ اس کے بعد جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس تعداد میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ آج ایسے شہر اور دیہات بہت کم ہیں جہاں ایک بت خانہ یا کئی بت خانے نہ ہوں“!

یہاں ہم اس روایت کو ہو بہو نقل کریں گے اور اس کا مکمل حوالہ اور ترجمہ بھی درج کریں گے۔

﴿الحسين بن محمد الأشعري عن معلىٰ بن محمد ابي الفضل عبد الله بن ادريس عن محمد بن سنان قال: ﴿كُنتُ عِندَ أبي جَعفَر الثاني فَأجرَيتُ اختِلافَ الشّيعَةِ، فقالَ: يٰا مُحَمَّدُ! إنَّ اللهَ تَعالىٰ لَم يَزَلْ مُتَفَرِّداً بِوَحدانِيَّتِهِ، ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّداً وَعَلِيّاً وَفاطِمَةَ. فَمَكَثُوا ألفَ دَهرٍ. ثُمَّ خَلَقَ جَمِيعَ الأشياءِ فَأشهَدَهُم خَلقَها وَأجرىٰ طاعَتَهُم عَلَيها وَفَوَّضَ امُورَها اِلَيهِم فَهُم يُحِلُّونَ مٰا يَشاآؤنَ وَيُحَرِّمُونَ مٰا يَشاآؤنَ وَلَنْ يَشاؤُا اِلَّا أنْ يَشاءَ اللهُ تَبارَکَ وَتَعالىٰ. ثُمَّ قالَ: يامُحَمَّدُ! هٰذِهِ الدِّيانَةُ الَّتي مَنْ تَقَدَّمَها مَرَق وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنها مَحِق وَمَنْ لَزِمَها لَحِقَ خُذها اِلَيکَ يا مُحَمَّدُ!﴾[1]

یعنی، محمد بن سنان نے کہا کہ میں حضرت جواد علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا وہاں میں نے شیعوں کے اختلاف کے بارے میں بات کی۔ فرمایا: ” اے محمد! اللہ تعالیٰ ہمیشہ یکتائی میں اکیلا ہی تھا۔ پس اس نے محمد، علی اور فاطمہ (صلوات اللہ علیہم) کو خلق کیا۔ پس وہ ایک ہزار دہر تک یونہی رہے۔ پھر اللہ نے تمام اشیاء کو خلق فرمایا اور انہیں ان اشیاء کی خلقت سے آگاہ کیا اور ان اشیاء پر ان کی اطاعت کو لازم قرار دیا، نیز ان اشیاء کے امور ان کے حوالے کر دئے۔ پس وہ جسے چاہیں حلال قرار دیتے ہیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیتے ہیں مگر وہ ہرگز کوئی چیز نہیں چاہیں گے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اسے نہ چاہے۔ پھر فرمایا: اے محمد! یہ وہ دین ہے جس سے آگے بڑھنے والا اسلام سے خارج ہوتا ہے، جو اس سے پیچھے رہ جائے اس کا دین باطل ہو جاتا ہے اور جو اس سے تمسک رکھتا ہے وہ دینداروں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اے محمد! اسے یاد رکھو“۔

کیا توحید کے اثبات کیلئے اس عبارت سے بہتر کوئی جملہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے یکتا اور اکیلا ہے؟

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ نے پیغمبر، علی اور فاطمہ علیہم السلام کے نور کو سب سے پہلے خلق کیا تھا تو کیا وہ مشرک ٹھہرے گا؟

ظاہر ہے کہ اللہ نے ایک چیز کو لازماً دوسری چیزوں سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ اب وہ چیز خواہ پانی ہو یا مٹی ہو یا انسان، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان میں سے کوئی بھی موجب شرک نہیں۔ کیا پیغمبر، علی اور

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبیؐ، حدیث ۵۔

فاطمہ علیہا السلام کی اطاعت کا واجب ہونا شرک ہے؟ کیا یہاں پر ''تفویض امر'' سے مراد احکام کے اختیار کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جبکہ اس سے قبل فرمایا کہ ان کی اطاعت کو اللہ نے واجب کیا ہے پھر فرمایا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال اور جسے چاہیں حرام قرار دے سکتے ہیں؟

اب ہم اس بات کی بحث کرتے ہیں کہ وہ کس طرح کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے ہیں۔ خود امامؑ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی طرف سے ہرگز نہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے ہیں نہ حرام، بلکہ جسے اللہ حرام کرے وہ بھی اسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو خدا حلال قرار دے وہ بھی اسے حلال قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سو فیصد برحق کلام سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ہستیاں خدا کی تابعدار ہیں اور ارادۂ خداوندی کے برخلاف ہرگز کوئی ارادہ نہیں کرتے، نیز وہ خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں؟

خلاصہ یہ کہ اللہ کے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد گی گئی ہے اور اس کا شرک سے دور کا بھی کوئی ربط نہیں۔ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ احکام خداوندی کی ترویج اور حلال وحرام کے بیان کی ذمہ داری ان ذواتؑ کے سپرد نہیں ہوئی؟ پھر کون ہے جو احکام دین کی ترویج کرے گا؟

اس حدیث کا مفہوم بالکل وہی ہے جو سورۂ نساء کی آیت/۵۹ کا ہے جو کہتی ہے: ﴿اَطِیعُوا اللهَ وَأطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾۔ (۴۵۴)

پانچویں فصل

عزاداری امام حسینؑ کیلئے عظیم ثواب مختص کرنے کی وجہ

سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری کا عظیم ثواب

ہر کام کی جزا اور پاداش اس محنت کی مرہون منت ہے جو اس کام کی خاطر کی جائے، نیز اس فائدے سے مربوط ہے جو اس کام کے نتیجے میں ہاتھ آئے۔ بنابریں، وہ احادیث جو کہتی ہیں کہ ایک زیارت یا عزاداری وغیرہ کا ثواب ہزار پیغمبروں یا شہیدوں کے برابر ہے خاص کر شہدائے بدر کے، کیا یہ احادیث درست ہیں یا نہیں؟![1] (۴۵۵)

رسولؐ کے بعد اسلام کی نابودی کا خطرہ

صدر اسلام میں عدل و آزادی کے بانی یعنی رسول ختمی مرتبتؐ کی وفات کے بعد اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ بنی امیہ کی غلط کاریوں کی وجہ سے اسلام ظالموں کے ہاتھوں تباہ ہو جائے اور متجاوزین کے ہاتھوں عدل و انصاف کا جنازہ نکل جائے۔ (۴۵۶)

پیغمبرؐ اور اصحاب کی کوششوں کی حفاظت

یزیدیوں کی ظالمانہ حکومت چاہتی تھی کہ اسلام کے نورانی چہرے پر سرخ قلم پھیر دے، نیز پیغمبر اسلام اور صدر اسلام کے مسلمانوں کی کمر شکن زحمتوں اور راہ خدا میں جان کی قربانی دینے والے شہداء کے خون کو

۱۔ اس اعتراض کا جواب دو باتوں پر استوار ہے:

الف۔ سید الشہداءؑ کی قربانی کی اصل حقیقت اور آپ کے ایثار کی عظمت و ثمرات کی طرف توجہ۔

ب۔ اسلام کی بنیادوں کی حفاظت اور تشیع کی بقا میں تعمیری گریہ و بکاء کا کردار۔

اس بحث کی تکمیل کیلئے دیکھئے "عاشورا در کلام امام" مطبوعہ، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام، ص ۶۵۔۸۱؛ نیز ص ۲۹۔۵۳

طاق نسیاں کے حوالے کر کے ضائع کر دے۔(۴۵۷)

انحراف کے خطرے سے وحی واسلام کی نجات

اس بات کا خطرہ تھا کہ دین اسلام عہد جاہلیت کے پیروکاروں کی کجروی، نیز قوم پرستی اور "عرب ازم" کے احیاء کی سوچی سمجھی سازشوں اور ﴿لَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ﴾ کے نعرے کے نتیجے میں محو اور نابود ہو جائے، نیز اسلام کی عادلانہ حکومت کی بجائے شہنشاہیت وجود میں آجائے، نیز اسلام اور وحی کو پس پردہ دھکیل دیا جائے۔لیکن اچانک ایک عظیم ہستی نے قیام فرمایا جس نے اپنی بے مثال قربانی اور خدائی قیام کے ذریعے ایک عظیم واقعے کو وجود بخشا۔اس ہستی نے وحی الٰہی کے سرچشمے سے غذا حاصل کی تھی، سید الرسل محمد مصطفیٰ اور سید الاولیاء علی مرتضیٰ (علیہما وعلیٰ الہما الصلاۃ والسلام) کے گھرانے میں تربیت پائی اور صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے دامن میں پرورش پائی تھی۔(۴۵۸)

عزاداری، تحریک حسینیؑ کی بقا کی ضامن

جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ صدر اسلام کے مفسدین نے دین کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے اور معدودے چند افراد کے علاوہ کوئی سالم نہیں رہا تو اس نے حسین بن علی علیہما السلام کو آمادہ کیا اور آپؑ نے اپنی قربانی و جانثاری کے ذریعے ملت کو بیدار کیا۔اللہ نے عزاداران حسینیؑ کیلئے عظیم ثواب مقرر فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بیدار رکھیں اور تحریک کربلا کی بنیادوں کو پوسیدہ ہونے نہ دیں جو ظلم و جور کی جڑیں اکھاڑنے اور لوگوں کو توحید وعدل کی طرف لے چلنے کے اصول پر استوار تھیں۔پھر مذکورہ بنیادوں پر استوار شدہ عزاداری کیلئے اس قدر عظیم ثواب کی تعیین ضروری تھی تاکہ لوگ ہر قسم کے دباؤ اور سختی کے باوجود اس سے دستبردار نہ ہوں وگرنہ حسین بن علیؑ کی قربانیاں بھی اسی وقت ضائع کر دی جاتیں۔اس طرح تشیع کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے رسول اکرمؐ نے جو کوشش کی تھیں اور جو تکالیف اٹھائی تھیں وہ سب ضائع ہو جاتیں۔پس اگر ہم یہ فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ اعمال سے حاصل ہونے والے مفید نتائج کے حساب سے ثواب عطا فرماتا ہے تو واضح ہے کہ عزاداری سے جو فائدہ حاصل ہوا ہے یا حاصل ہو رہا ہے وہ ہے تشیع کی بنیاد اور دین حق کی بقا جس سے اہل عالم کی دنیوی واخروی کامیابی وفلاح وابستہ ہے۔علاوہ ازیں اس دور کے شیعوں کی حالت اور علی بن ابی طالبؑ کے مخالفین کی طرف سے آپ کے معتقدین پر قسم قسم کے

دباؤ کے پیش نظر اس عزاداری کی قدر و قیمت اس قدر بڑھ جاتی ہے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے ۔اللہ تعالیٰ ان کیلئے اس قدر ثواب اور جزا عطا فرماتا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور یہ عین عدل وانصاف ہے۔(۴۵۹)

واقعہ کربلا پر آنسو بہانے کا ایک فلسفہ

ہماری احادیث میں مظلوم کربلا پر بہائے جانے والے آنسو کے ایک قطرے کو زبردست اہمیت دی گئی ہے یہاں تک کہ رونے کی شکل بنانے کی بھی قدر و قیمت بیان کی گئی ہے۔[۱] اس کی وجہ یہ نہیں کہ سیدالمظلومینؑ اس امر کے محتاج ہوں نہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ثواب حاصل ہو اور بس۔

درست ہے کہ ہر اچھے کام کا ایک ثواب ہوتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ مجالس عزا کیلئے اس قدر عظیم ثواب رکھا گیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنسو کیلئے خواہ وہ ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو بلکہ رونے کی صورت بنانے کیلئے اس قدر ثوب کیوں رکھا ہے؟ اس مسئلے کے سیاسی زاویئے آہستہ آہستہ ظاہر ہوں گے اور انشاء اللہ آیندہ زیادہ واضح ہوں گے۔

عزاداری، مجالس عزا اور نوحہ خوانی وغیرہ کیلئے اس قدر زیادہ ثواب رکھنے کی وجہ اس کے عبادتی اور روحانی پہلوؤں کے علاوہ ایک اہم سیاسی پہلو بھی ہے۔جن دنوں یہ احادیث ائمہؑ سے وارد ہوئی تھیں ان دنوں یہ فرقہ ناجیہ (شیعہ)، بنی امیہ اور زیادہ تر بنی عباس کے ہاتھوں مشکلات سے روبرو تھا۔ایک مختصر سی اقلیت کو بڑی قوتوں کا سامنا تھا۔اس وقت اس اقلیت کی سیاسی سرگرمیوں کو منظم کرنے کیلئے ایک راستہ اپنایا گیا۔ یہ راستہ بجائے خود ایک تنظیمی راستہ ہے۔وہ یہ کہ وحی کے امینوں سے اس بات کو نقل کیا جاتا کہ ان مجالس کی اس قدر فضیلت ہے اور ان آنسوؤں کی اس قدر عظمت ہے۔ان آنسوؤں اور عزاداریوں کی خاطر اس دور کے شیعہ اپنی قلت کے باوجود جمع ہوتے تھے۔شاید ان میں بہت سوں کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ اصل فلسفہ کیا ہے۔مقصد یہ تھا کہ ایک قلیل گروہ کو ان اکثریتی طاقتوں کے مقابلے میں منظم کیا جائے۔پوری تاریخ

۱۔حسین بن علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:﴿مَا مِنْ عَبْدٍ قَطَرَتْ عَيْنَاهُ فِينَا قَطْرَةً أَوْ دَمَعَتْ فِينَا دَمْعَةً إِلَّا بَوَّأَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ بِهَا فِي الْجَنَّةِ حُقُبًا﴾ جس شخص کی آنکھیں ہمارے لئے ایک قطرہ آنسو بہائے یا پرنم ہوں اللہ تعالیٰ اسے طویل زمانوں تک جنت میں جگہ دے گا۔(بحارالانوار، ج۴۴، ص۲۷۹)۔

میں یہ مجالس عزا تمام ملکوں میں ملکی سطح پر لوگوں کو منظم کرنے کا واحد ذریعہ رہی ہیں۔ اسلامی ممالک میں اور ایران جو تشیع، اسلام اور شیعوں کا مرکز ہے میں عزاداری نے ان حکومتوں کے مقابلے میں شیعوں کو منظم کیا ہے جو اسلام کی جڑوں کو ختم کرنے کے درپے تھیں۔(۴۶۰)

عزاداری کے سیاسی، نفسیاتی اور انسانی پہلو

حضرت امام باقرؑ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ (بظاہر) دس سالوں تک منیٰ میں آپؑ پر گریہ کرنے کیلئے کسی کو یا کئی لوگوں کو اجرت پر لیا جائے۔[۱]

دیکھئے یہ کس قسم کی مزاحمتی تحریک ہے۔ کیا حضرت امام باقرؑ کو گریہ کی ضرورت تھی؟ حضرت امام باقرؑ کو گریہ سے کیا ملتا؟ وہ بھی منیٰ میں کس لئے؟ ایام حج اور منیٰ میں؟ دس سالوں تک منیٰ میں رونے کا فلسفہ یہی بنیادی سیاسی، نفسیاتی اور انسانی نکتہ ہے کہ لوگ آئیں اور پوچھیں کہ آخر رونے کی وجہ کیا ہے؟ تو انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ یوں عزاداری لوگوں میں مکتب تشیع کا تعارف کراتی ہے۔ عزاداری ظالم کو زمین بوس اور مظلوم کو مضبوط بنادیتی ہے۔

کربلا میں جوانوں کی قربانی دی گئی ہے۔ ہمیں ان قربانیوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ بات صرف رونے کی ہے۔ صرف رونا مقصد نہیں۔ یہ ایک سیاسی، نفسیاتی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ اگر رونا ہی مقصد ہوتا تو ﴿تباکی﴾ "رونے کی صورت بنانے" کی کیا ضرورت ہے؟ تباکی کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ حضرت سید الشہداءؑ کو سرے سے گریہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ائمہؑ نے جو اس قدر تاکید کی ہے کہ لوگ جمع ہوں اور گریہ کریں وغیرہ... تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے ہمارے مذہب کی حفاظت ہوتی ہے۔(۴۶۱)

۱۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے سید حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے آٹھ سو درہم کی وصیت فرمائی تا کہ اس رقم سے آپ پر ماتم کیا جائے اور عزاداری کی جائے۔

نیز موثق سند کے ساتھ حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ فرمایا: میرے والد نے فرمایا: اے جعفر! میرے مال سے رونے والوں پر کچھ وقف کردو تا کہ وہ دس سالوں تک منیٰ میں ایام حج میں میرے اوپر گریہ کریں اور عزاداری و ماتم برپا کریں اور میری مظلومیت پر آہ وزاری کریں۔ (جلاء العیون، ص ۶۹۲)

عزاداری پرچم اسلام تلے اتحاد امت کی علمبردار

شاید مغرب زدہ اذہان ہمیں رونے پیٹنے والی جماعت کے نام سے یاد کریں اور شاید خود اپنے لوگوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے کہ ایک قطرے آنسو کا اس قدر ثواب کیوں ہے۔ شاید وہ درک نہ کر سکیں کہ ایک مجلس عزا کا کتنا ثواب ہے۔ یہ لوگ ہرگز اس بات کو درک نہیں کر سکیں گے کہ دعاؤں کی جزا کیا ہے، دو سطر دعاؤں کا ثواب کتنا زیادہ ہے، ان دعاؤں کا سیاسی زاویہ کیا ہے۔ وہ خدا کی طرف لوگوں کی توجہ کے راز کو درک نہیں کرتے ایک نکتے کی طرف تمام لوگوں کے ذہنی ارتکاز کو نہیں سمجھتے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ عزاداری ملت کو اسلامی مقاصد کے حصول کیلئے متحرک بنا دیتی ہے۔ مجلس عزا کا اصلی مقصد یہ نہیں کہ لوگ سید الشہداءؑ پر روئیں اور ثواب حاصل کریں۔ البتہ یہ بھی ایک مقصد ہے اور دوسروں کو اخروی ثواب پہنچائیں بلکہ عزاداری کا اصل مقصد وہ سیاسی پہلو ہے جس کی منصوبہ بندی ہمارے ائمہؑ نے صدر اسلام میں کی تھی تاکہ یہ ہمیشہ باقی رہے اور وہ یہ کہ یہ ملت ایک جھنڈے تلے اور ایک مقصد کی خاطر جمع ہو جائے۔ اس کام کیلئے حضرت سید الشہداءؑ کی عزاداری سے زیادہ موثر کوئی اور چیز نہیں ہے۔ (۴۶۲)

عزاداری، امت مسلمہ کے اتحاد کی موجب

آپ یہ خیال نہ کریں کہ مجالس عزا میں لوگوں کے اجتماع اور گریہ کا مقصد فقط یہ ہے کہ ہم سید الشہداءؑ پر روئیں اور بس۔ سید الشہداءؑ ہمارے گریہ و نالہ کے محتاج نہیں ہیں اور نہ ہی یہ رونا بذات خود کسی درد کا علاج ہے البتہ یہ مجالس عزا لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتی اور ایک خاص حیثیت دیتی ہیں۔ تین ساڑھے تین کروڑ افراد محرم اور صفر کے دو مہینوں خاص کر محرم کے پہلے عشرے میں ہم آہنگ ہو کر ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہوتے ہیں۔ ہمارے ائمہؑ میں سے بعض کا یہ فرمانا بے جا نہیں ہے کہ منبروں سے میرے مصائب پڑھے جائیں۔ ہمارے ائمہؑ کا یہ فرمانا بے جا نہیں کہ جو کوئی ہم پر روئے، رلائے یا رونے کی صورت بنائے اس کا اتنا ثواب ہے۔ بات صرف رونے، رلانے یا رونے کی شکل بنانے کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ ہمارے ائمہؑ اپنی خداداد بصیرت کے باعث یہ چاہتے تھے کہ ان بکھری ہوئی ملتوں کو یکجا اور متحد کریں۔ وہ ان لوگوں کو مختلف طریقوں سے یکجا کرنا چاہتے تھے تاکہ یہ نقصان سے بچ جائیں۔ (۴۶۳)

انقلاب آفرین گریہ

اگر یہ لوگ صحیح معنوں میں سمجھ جائیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں کہ عزاداری کی اصل حقیقت اور وجہ کیا ہے، نیز اس رونے کی اتنی قدر و قیمت اور خدا کے ہاں اس کا اتنا ثواب کیوں ہے؟ تو پھر یہ لوگ ہمیں رونے والوں کی جماعت نہیں کہیں گے بلکہ ہمیں غیور اور شجاع قوم قرار دیں گے۔

اگر یہ لوگ درک کرلیں کہ حضرت سجاد (سلام اللہ علیہ) جنہوں نے کربلا میں اپنا سب کچھ لٹا دیا اور جو ایک ایسی حکومت کے اندر زندگی گزار رہے تھے جسے آپ کے اوپر مکمل تسلط حاصل تھا کی دعاؤں نے کیا اثر دکھایا ہے اور یہ دعائیں کس طرح لوگوں کو میدان میں لا سکتی ہیں تو وہ ہمارے اوپر یہ اعتراض نہ کرتے کہ دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ہمارے روشن فکر حضرات یہ درک کرلیں کہ یہ دعائیں، یہ اذکار اور یہ مجالس عزا سیاسی و معاشرتی فوائد کی حامل ہیں تو وہ یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ ہم یہ عزاداری کیوں کرتے ہیں۔ (۴۶۴)

مظلوم پر گریہ ظالم کے خلاف احتجاج

اب ایک گروہ یہ کہنے لگا ہے کہ مصائب نہ پڑھو! ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ ذکر مصائب کی حقیقت کیا ہے۔ یہ لوگ عزاداری کی ماہیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ امام حسینؑ کے غم میں رونا اسلامی تحریک کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔ یہ رونا اس حقیقت کو زندہ رکھتا ہے کہ ایک قلیل جماعت نے ایک سوپر پاور کا مقابلہ کیا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اطاعت سے انکار کیا تھا۔ ہر دن اور ہر جگہ ان افکار کو زندہ رکھنا چاہئے۔ ان مجالس کا مقصد انہی افکار کو زندہ رکھنا ہے۔ ہمارے بچوں اور جوانوں کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ عزاداری کا مقصد گریہ وزاری ہے۔ یہ بات ہمارے دشمنوں نے آپ کے ذہن میں ڈالی ہے کہ ان لوگوں کو ''رونے والی جماعت'' کے نام سے پکارو۔ یہ لوگ اسی گریہ وزاری سے ڈرتے ہیں کیونکہ یہ گریہ مظلوم پر گریہ ہے۔ یہ ظالم کے مقابلے میں فریاد ہے۔ ماتمی دستے جو نکلتے ہیں وہ ظلم کے خلاف نکلتے ہیں اور یہ جلوس ان کا احتجاجی قیام ہے۔ (۴۶۵)

عزاداری، مذہب تشیع کی محافظ

یہاں حسین بن علیؑ کیلئے برپا ہونے والی عزاداری اور مجالس کے بارے میں کچھ کہنا ضروری ہے۔
ہمیں اور ہمارے علاوہ کسی بھی دیندار کا یہ دعویٰ نہیں کہ عزاداری کے نام پر جو شخص جو بھی من پسند کام

کرے وہ ٹھیک ہے۔ بہت سے بڑے بڑے علما اور دانشمندوں نے اس قسم کے بہت سے کاموں کو نادرست قرار دیا ہے۔ بزرگ عالم باعمل مرحوم شیخ عبدالکریم حائری[۱] جو شیعوں کے عظیم ترین علما میں سے ایک تھے نے قم میں "شبیہ خوانی" سے منع فرمایا تھا اور ایک بہت بڑی مجلس کو روضہ خوانی و ذکر مصائب میں تبدیل کیا تھا۔ دیگر علما اور فقہا نے بھی خلاف شرع امور سے منع کیا ہے اور اب بھی وہ منع کرتے ہیں لیکن وہ مجالس جو ذکر مصائب کے نام سے شیعہ علاقوں میں رائج ہیں اپنے تمام تر نقائص کے باوجود دینی واخلاقی احکام اور فضائل کی ترویج کا ذریعہ رہی ہیں۔ دین خدا اور آسمانی قوانین جو مذہب شیعہ یعنی علیؑ کی پیروکاروں اور اولوا الامر کے فرمانبرداروں کی روش سے عبارت ہیں انہی مقدس مجالس جن کا نام عزاداری اور جن کا مقصد خدا کے دین اور احکام کی ترویج ہے کی بدولت اب تک زندہ و قائم ہیں اور آیندہ بھی باقی رہیں گے وگرنہ شیعوں کی تعداد دیگر مذاہب کے مقابلے میں ہمیشہ سے نہایت قلیل رہی ہے۔ پس اگر یہ رسم جو ایک عظیم دینی رسم ہے نہ ہوتی تو حقیقی دین جو مذہب شیعہ سے عبارت ہے کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہتا۔ (۴۶۶)

سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری کا مقصد سید الشہداءؑ کے نظریات کا تحفظ ہے۔ جو لوگ سید الشہداءؑ کے مصائب پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ سرے سے یہ نہیں جانتے کہ سید الشہداءؑ کا مشن کیا تھا۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ اسی گریہ وزاری اور اسی ذکر مصائب نے اس مذہب کی حفاظت کی ہے۔ چودہ سو سالوں سے انہی منبروں، انہی مصائب نے اسی سینہ زنی نے ہماری حفاظت کی ہے اور اسلام کو باقی رکھا ہے۔ سید الشہداءؑ کی گفتگو آج کے انسان کی گفتگو ہے اور ہر دور کے انسان کی گفتگو ہے۔

درحقیقت آج کے تقاضوں کی ترجمانی ہی سید الشہداءؑ نے کی ہے اور اس سے ہمیں بہرہ مند کیا ہے جبکہ سید الشہداءؑ کی حفاظت اس گریہ وزاری نے کی ہے۔ حسینؑ کے مشن کو اس آہ وبکا اور مصائب نے محفوظ رکھا ہے، سینہ زنی، ماتمی دستوں اور ... نے محفوظ رکھا۔

اگر صرف تقدس مآبی کا مظاہرہ ہی مقصود ہوتا اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھ کر زیارت عاشورا اور تسبیح

۱۔ آیت اللہ العظمیٰ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی" (۱۲۷۶۔۱۳۵۵ھ ق) چودھویں صدی کے عظیم شیعہ فقیہ اور مرجع تھے۔ وہ ۱۳۴۰ھ ق سے لے کر ۱۳۵۰ھ ق تک عالم تشیع کے مرجع کل تھے۔ علم اصول میں درر الفوائد، فقہ میں الصلاۃ، النکاح اور الرضاع والمواریث نامی کتابیں ان کے علمی آثار میں شامل ہیں۔

گردانی میں مشغول رہتے تو کوئی چیز باقی نہ رہتی۔آج شور شرابے کی ضرورت ہے۔ ہر مکتب فکر کو شور شرابے کی ضرورت ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مذہب کا پاؤں سینہ زنی کرے۔ جب تک کوئی مذہب سرتا پاؤں سینہ زنی نہ کرے، اپنے سر و سینہ کو نہ کوٹے تو اس کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

لوگوں کے نالہ وفریاد نے سید الشہداء ؑ کے مشن کو باقی رکھا ہے۔ ذکر مصائب نے سید الشہداء ؑ کے نظریات کو زندہ رکھا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس شہید کا علم لے کر اٹھیں جو ہمارے ہاتھوں سے نکل رہا ہے، ہمیں چاہئے کہ اس کیلئے نوحہ سرائی کریں، گریہ کریں اور فریاد کریں۔ دوسرے لوگ ایسا کرتے ہیں دوسرے لوگ نالہ وفریاد کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مارا جاتا ہے مثلاً کسی پارٹی کا کوئی آدمی مارا جاتا ہے تو وہ لوگ میٹنگز کرتے ہیں، شور کرتے ہیں۔ یہ عزاداری بھی سید الشہداء ؑ کے مشن کو زندہ رکھنے کیلئے ایک میٹنگ اور ایک فریاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی گریہ وزاری نے اس مکتب فکر کو اب تک باقی رکھا ہے۔ اسی نوحہ خوانی وغیرہ نے ہمیں زندہ رکھا ہے۔ انہی چیزوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا ہے۔ اگر سید الشہداء ؑ نہ ہوتے تو یہ تحریک بھی آگے نہ بڑھتی۔ سید الشہداء ؑ ہر جگہ موجود ہیں ﴿كُلُّ أَرْضٍ كَرْبَلاء﴾ سید الشہداء ؑ ہر مقام پر موجود ہیں۔ سید الشہداء ؑ ہر خطابت کے دوران موجود ہیں، ہر منبر و محراب سید الشہداء ؑ کا ہے۔

امام حسین ؑ نے اسلام کو بچایا۔ کیا ہم ایسے انسان کی شہادت ومظلومیت پر خاموش رہیں! جس نے اسلام کو نجات دی اور اپنی شہادت پیش کی؟

ہمیں روزانہ گریہ کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ اس مشن اور ان تحریکوں کی حفاظت کیلئے منبروں سے روزانہ ذکر حسین ؑ کریں۔ یہ تحریکیں امام حسین ؑ کی مرہون منت ہیں۔

... یہ لوگ جو مسجد آتے ہیں، تقریر سنتے ہیں اور مطالب کو سنتے ہیں لیکن جب ذکر مصائب کا مرحلہ آتا ہے تو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں ان کے اس عمل کی وجہ یہ ہے کہ انہیں حقیقت کا ادراک نہیں ہے۔ امام حسین ؑ کے مصائب کے ذکر نے محراب ومنبر کی حفاظت کی ہے۔ اگر مصائب کا ذکر نہ ہوتا تو یہ منبر بھی نہ رہتا، یہ تقریریں اور باتیں بھی نہ ہوتیں۔ اس کام نے ان امور کی حفاظت کی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے شہیدوں پر گریہ کریں، فریاد کریں، لوگوں کو بیدار کریں۔ البتہ یہ نکتہ ہم سب کو یاد رکھنا چاہئے اور تمام لوگوں کو سمجھانا چاہئے کہ یہاں بات صرف ثواب کمانے کی نہیں بلکہ ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور

پیشرفت کریں۔

امام حسینؑ نے اس لئے شہادت پیش نہیں کی کہ انہیں کچھ ثواب مل جائے۔آپ کیلئے ثواب کا مسئلہ اس قدر اہم نہیں تھا بلکہ آپ نے اس مشن کو بچانے، اسلام کو ترقی دینے اور اسلام کو زندہ کرنے کیلئے جان قربان کی۔

آپ بھی اگر نوحہ خوانی کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں، تقریر کرتے ہیں، نوحہ پڑھتے ہیں، لوگوں کو رلاتے ہیں اور لوگ بھی روتے ہیں تو ان سب کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اسی شور و غوغا کے ذریعے اسلام کی حفاظت کریں۔ اس نالہ وفریاد، اس گریہ وزاری، اس نوحہ خوانی، ان اشعار اور اس نثر کے ذریعے دین کو بچائیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس مکتب فکر کی حفاظت کریں جس طرح یہ اب تک محفوظ رہا ہے۔ یہ نکتہ بھی لوگوں کے گوش گزار کرنے اور انہیں یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ ذکر مصائب کا ہدف یہ نہیں کہ ایک آدمی کچھ مصائب پڑھے اور دوسرا آدمی گریہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ رونے اور گریہ کی وجہ سے اس مکتب فکر کی حفاظت ہوئی ہے۔(۴۶۷)

فہرست مآخذ

نمبر	کتاب	صفحہ
۳۳۔	شرح دعای سحر	۵۶
۳۴۔	شرح دعای سحر	۷
۳۵۔	شرح دعای سحر	۱۴۶
۳۶۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۰۸
۳۷۔	شرح دعای سحر	۵۵
۳۸۔	سر الصلاۃ	۳
۳۹۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۵۱
۴۰۔	رہ عشق	۲۷
۴۱۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۲۵۹
۴۲۔	چہل حدیث	۳۳۸
۴۳۔	شرح دعای سحر	۱۲۷
۴۴۔	مصباح الہدایہ	۳۰
۴۵۔	مصباح الہدایہ	۳۳
۴۶۔	مصباح الہدایہ	۳۵
۴۷۔	سر الصلاۃ	۹۰
۴۸۔	شرح دعای سحر	۷۷
۴۹۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۶۰
۵۰۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۶۰
۵۱۔	شرح دعای سحر	۵۱
۵۲۔	مصباح الہدایہ	۷۵
۵۳۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۴۸
۵۴۔	مصباح الہدایہ	۴۵
۵۵۔	آداب الصلاۃ	۲۶۲
۵۶۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۱۰۹
۵۷۔	مصباح الہدایہ	۸۲
۵۸۔	مصباح الہدایہ	۷۱
۵۹۔	شرح دعای سحر	۱۳۷
۶۰۔	چہل حدیث	۶۱۳
۶۱۔	مصباح الہدایہ	۸۰
۶۲۔	مصباح الہدایہ	۳۱
۶۳۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۲۳۴
۶۴۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۲۱
۶۵۔	آداب الصلاۃ	۳۲۱
۶۶۔	چہل حدیث	۵۳۱
۶۷۔	آداب الصلاۃ	۲۹۳
۶۸۔	سر الصلاۃ	۵۷
۶۹۔	سر الصلاۃ	۶۳
۷۰۔	سر الصلاۃ	۸۷
۷۱۔	سر الصلاۃ	۱۰۷
۷۲۔	شرح دعای سحر	۱۳۹
۷۳۔	چہل حدیث	۵۹۰
۷۴۔	چہل حدیث	۴۱۸
۷۵۔	آداب الصلاۃ	۲۰
۷۶۔	صحیفۂ امام (ج ۱۶)	۲۳۳

۷۷۔ صحیفۂ امام (ج۱۲) ۴۲۱

۷۸۔ شرح دعای سحر ۷۷

۷۹۔ آداب الصلاۃ ۲۹۸

۸۰۔ صحیفۂ امام (ج۱۲) ۴۲۳

۸۱۔ چہل حدیث ؟

۸۲۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ۱۷۹

۸۳۔ شرح دعای سحر ۱۴۹

۸۴۔ آداب الصلاۃ ۱۴۱

۸۵۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل ۹۹

۸۶۔ تفسیر سورۂ حمد ۱۵۷

۸۷۔ آداب الصلاۃ ۲۷۴

۸۸۔ مصباح الہدایہ ۳۶

۸۹۔ مصباح الہدایہ ۳۷

۹۰۔ مصباح الہدایہ ۸۴

۹۱۔ تعلیقہ علی الفوائد الرضویہ ۵۶

۹۲۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ۱۲۴

۹۳۔ شرح دعای سحر ۶۵

۹۴۔ شرح دعای سحر ۶۵

۹۵۔ تعلیقہ علی الفوائد الرضویہ ۵۸

۹۶۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ۳۹

۹۷۔ چہل حدیث ۳۴۲

۹۸۔ چہل حدیث ۶۳۵

۹۹۔ آداب الصلاۃ ۳۲۱

۱۰۰۔ ولایت فقیہ ۷۲

۱۰۱۔ مصباح الہدایہ ۶۱

۱۰۲۔ تعلیقہ علی الفوائد الرضویہ ۸۶

۱۰۳۔ آداب الصلاۃ ۱۸۱

۱۰۴۔ مصباح الہدایہ ۷۷

۱۰۵۔ مصباح الہدایہ ۷۷

۱۰۶۔ صحیفۂ امام (ج۲۰) ۲۳۳

۱۰۷۔ مصباح الہدایہ ۳۸

۱۰۸۔ آداب الصلاۃ ۱۴۰

۱۰۹۔ شرح دعای سحر ۳

۱۱۰۔ شرح دعای سحر ۴

۱۱۱۔ صحیفۂ امام (ج۲۰) ۲۵۰

۱۱۲۔ صحیفۂ امام (ج۲۰) ۲۴۸

۱۱۳۔ آداب الصلاۃ ۱۸۳

۱۱۴۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل ۱۴۳

۱۱۵۔ صحیفۂ امام (ج۱۸) ۱۴۹

۱۱۶۔ صحیفۂ امام (ج۲۰) ۲۴۹

۱۱۷۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ۷۴

۱۱۸۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم ۱۷۷

۱۱۹۔ چہل حدیث ۵۵۱

۱۲۰۔ چہل حدیث ۵۴۴

شمارہ	ماخذ	صفحہ
۱۲۱۔	مصباح الہدایہ	۷۸
۱۲۲۔	مصباح الہدایہ	۷۸
۱۲۳۔	شرح دعای سحر	۱۷
۱۲۴۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۲۵
۱۲۵۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۸۹
۱۲۶۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۰۹
۱۲۷۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۲۸۱
۱۲۸۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۹۰
۱۲۹۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۹۸
۱۳۰۔	مصباح الہدایہ	۶۶
۱۳۱۔	شرح دعای سحر	۱۵۰
۱۳۲۔	صحیفۂ امام (ج ۱۳)	۵۱۴
۱۳۳۔	تفسیر سورۂ حمد	۱۴۵
۱۳۴۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۴۷
۱۳۵۔	تفسیر سورۂ حمد	۱۲۱
۱۳۶۔	شرح دعای سحر	۲۸
۱۳۷۔	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۹۲
۱۳۸۔	آداب الصلاۃ	۲۱۷
۱۳۹۔	چہل حدیث	۴۹۸
۱۴۰۔	صحیفۂ امام (ج ۱۸)	۴۴۶
۱۴۱۔	آداب الصلاۃ	۱۸۴
۱۴۲۔	آداب الصلاۃ	۱۸۱
۱۴۳۔	صحیفہ امام (ج ۱۹)	۳۵۵
۱۴۴۔	صحیفہ امام (ج ۱۸)	۲۶۲
۱۴۵۔	شرح دعای سحر	۵۸
۱۴۶۔	التعادل والتراجیح	۸۱
۱۴۷۔	چہل حدیث	۲۶۷
۱۴۸۔	صحیفہ امام (ج ۲۰)	۳۵۹
۱۴۹۔	چہل حدیث	۱۲۳
۱۵۰۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۱۱
۱۵۱۔	آداب الصلاۃ	۱۶۴
۱۵۲۔	آداب الصلاۃ	۲۲۲
۱۵۳۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۳۳۰
۱۵۴۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۳۲۶
۱۵۵۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۳۳۵
۱۵۶۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۱۸۳
۱۵۷۔	چہل حدیث	۳۳۶
۱۵۸۔	آداب الصلاۃ	۱۶۲
۱۵۹۔	چہل حدیث	۵۳۳
۱۶۰۔	چہل حدیث	۳۶۰
۱۶۱۔	آداب الصلاۃ	۲۸۷
۱۶۲۔	صحیفہ امام (ج ۱۸)	۱۱۸
۱۶۳۔	صحیفہ امام (ج ۱۸)	۱۲۰
۱۶۴۔	آداب الصلاۃ	۱۳۵
۱۶۵۔	سر الصلاۃ	۶۹
۱۶۶۔	سر الصلاۃ	۱۱۱
۱۶۷۔	آداب الصلاۃ	۱۰
۱۶۸۔	چہل حدیث	۴۳۶
۱۶۹۔	چہل حدیث	۴۲۹
۱۷۰۔	آداب الصلاۃ	۱۱۲
۱۷۱۔	چہل حدیث	۳۲۶
۱۷۲۔	چہل حدیث	۵۷

نمبر	کتاب	صفحہ
۱۷۳	شرح دعای سحر	۵
۱۷۴	صحیفہ امام (ج ۲۰)	۴۰۹
۱۷۵	جہاد اکبر	۳۷
۱۷۶	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۶۲
۱۷۷	جہاد اکبر	۵۷
۱۷۸	آداب الصلاۃ	۱۵۱
۱۷۹	صحیفہ امام (ج ۲۰)	۲۶۸
۱۸۰	چہل حدیث	۷۰
۱۸۱	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۳۶۳
۱۸۲	ولایت فقیہ	۴۲
۱۸۳	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۴۷
۱۸۴	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۹۲
۱۸۵	مصباح الہدایہ	۵۳
۱۸۶	مصباح الہدایہ	۷۷
۱۸۷	آداب الصلاۃ	۱۰۷
۱۸۸	آداب الصلاۃ	۳۲۷
۱۸۹	چہل حدیث	۵۵۰
۱۹۰	چہل حدیث	۵۴۵
۱۹۱	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۳۶
۱۹۲	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۱۷۹
۱۹۳	آداب الصلاۃ	۳۰۸
۱۹۴	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۴
۱۹۵	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۵
۱۹۶	آداب الصلاۃ	۴۱
۱۹۷	چہل حدیث	۵۵۲
۱۹۸	آداب الصلاۃ	۱۸۱
۱۹۹	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۶۱
۲۰۰	تفسیر سورۂ حمد	۹۵
۲۰۱	آداب الصلاۃ	۳۴۳
۲۰۲	مصباح الہدایہ	۷۷
۲۰۳	مصباح الہدایہ	۳۱
۲۰۴	آداب الصلاۃ	۲۷۳
۲۰۵	تعلیقات علی شرح فصوص الحکم	۸۸
۲۰۶	تفسیر سورۂ حمد	۱۶۶
۲۰۷	صحیفہ امام (ج ۱۹)	۷
۲۰۸	صحیفہ امام (ج ۱۸)	۱۵۳
۲۰۹	مصباح الہدایہ	۷۵
۲۱۰	مصباح الہدایہ	۷۸
۲۱۱	آداب الصلاۃ	۳۲۸
۲۱۲	آداب الصلاۃ	۳۴۴
۲۱۳	آداب الصلاۃ	۳۲۷
۲۱۴	آداب الصلاۃ	۳۳۳
۲۱۵	مصباح الہدایہ	۸۳
۲۱۶	شرح حدیث جنود عقل وجہل	۲۷۵
۲۱۷	کشف الاسرار	۱۰۶
۲۱۸	کشف الاسرار	۱۳۴
۲۱۹	ولایت فقیہ	۲۷
۲۲۰	ولایت فقیہ	۲۹
۲۲۱	کتاب البیع (ج ۲)	۶۳۶
۲۲۲	ولایت فقیہ	۱۴
۲۲۳	کتاب البیع (ج ۲)	۶۲۲
۲۲۴	کتاب البیع (ج ۲)	۶۲۸

شمارہ	ماخذ	صفحہ
۲۷۷۔	صحیفہ امام (ج۱)	۳۰۲
۲۷۸۔	صحیفہ امام (ج۱۲)	۳۹۱
۲۷۹۔	صحیفہ امام (ج۱۶)	۱۳۸
۲۸۰۔	صحیفہ امام (ج۹)	۳۷۰
۲۸۱۔	صحیفہ امام (ج۹)	۴۶۵
۲۸۲۔	صحیفہ امام (ج۱۷)	۴۲۱
۲۸۳۔	صحیفہ امام (ج۱۴)	۳۴۷
۲۸۴۔	صحیفہ امام (ج۱۴)	۳۴۹
۲۸۵۔	صحیفہ امام (ج۷)	۴۷۸
۲۸۶۔	صحیفہ امام (ج۱۲)	۴۲۴
۲۸۷۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۱۱۳
۲۸۸۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۱۱۱
۲۸۹۔	صحیفہ امام (ج۱۷)	۴۱۹
۲۹۰۔	صحیفہ امام (ج۱۹)	۶۳
۲۹۱۔	صحیفہ امام (ج۱۱)	۲۰
۲۹۲۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۲۲۲
۲۹۳۔	صحیفہ امام (ج۹)	۲۸۲
۲۹۴۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۲۲
۲۹۵۔	صحیفہ امام (ج۶)	۳۱۴
۲۹۶۔	صحیفہ امام (ج۶)	۳۳۸
۲۹۷۔	صحیفہ امام (ج۶)	۳۳۸
۲۹۸۔	تفسیر سورۂ حمد	۱۱۰
۲۹۹۔	شرح حدیث جنود عقل و جہل	۴۱۸
۳۰۰۔	شرح دعای سحر	۵۲
۳۰۱۔	آداب الصلاۃ	۲۹۸
۳۰۲۔	شرح دعای سحر	۷۷
۳۰۳۔	مصباح الہدایہ	۹۰
۳۰۴۔	تعلیقۃ علی الفوائد الرضویہ	۷۵
۳۰۵۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۲۳۳
۳۰۶۔	مصباح الہدایہ	۷۵
۳۰۷۔	سر الصلاۃ	۲۲
۳۰۸۔	صحیفہ امام (ج۱۹)	۶
۳۰۹۔	صحیفہ امام (ج۸)	۹۱
۳۱۰۔	چہل حدیث	۷۵
۳۱۱۔	چہل حدیث	۱۲۲
۳۱۲۔	صحیفہ امام (ج۲۰)	۳۵۹
۳۱۳۔	چہل حدیث	۴۲۹
۳۱۴۔	آداب الصلاۃ	۱۷۶
۳۱۵۔	سر الصلاۃ	۶۹
۳۱۶۔	چہل حدیث	۴۹۹
۳۱۷۔	صحیفہ امام (ج۱۴)	۳۵۰
۳۱۸۔	آداب الصلاۃ	۱۸۱
۳۱۹۔	صحیفہ امام (ج۸)	۵۲۱
۳۲۰۔	صحیفہ امام (ج۱۸)	۴۵۱
۳۲۱۔	سر الصلاۃ	۱۶
۳۲۲۔	صحیفہ امام (ج۸)	۲۵۸
۳۲۳۔	صحیفہ امام (ج۱۶)	۱۹۸
۳۲۴۔	صحیفہ امام (ج۹)	۱۴
۳۲۵۔	صحیفہ امام (ج۱۲)	۳۴۳
۳۲۶۔	صحیفہ امام (ج۱۲)	۳۶۵
۳۲۷۔	صحیفہ امام (ج۷)	۴۳۲
۳۲۸۔	صحیفہ امام (ج۱۴)	۳۴۸

۳۲۹۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۶۴

۳۳۰۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۲۰

۳۳۱۔ ولایت فقیہ ۴۳

۳۳۲۔ صحیفہ امام (ج۱۲) ۲۷۴

۳۳۳۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۴

۳۳۴۔ کشف الاسرار ۱۲۵

۳۳۵۔ آداب الصلاۃ ۳۲۹

۳۳۶۔ آداب الصلاۃ ۳۷۷

۳۳۷۔ صحیفہ امام (ج۷) ۳۳۷

۳۳۸۔ صحیفہ امام (ج۷) ۳۴۱

۳۳۹۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۱۹۲

۳۴۰۔ صحیفہ امام (ج۱۷) ۳۷۳

۳۴۱۔ صحیفہ امام (ج۱۳) ۳۳۰

۳۴۲۔ صحیفہ امام (ج۱۴) ۴۰۶

۳۴۳۔ صحیفہ امام (ج۲) ۲۷۲

۳۴۴۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۳

۳۴۵۔ صحیفہ امام (ج۵) ۱۹

۳۴۶۔ چہل حدیث ۲۴۲

۳۴۷۔ صحیفہ امام (ج۱۷) ۵۲

۳۴۸۔ صحیفہ امام (ج۹) ۴۱۳

۳۴۹۔ صحیفہ امام (ج۵) ۱۶۲

۳۵۰۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۳۹۶

۳۵۱۔ صحیفہ امام (ج۱۷) ۳۱۶

۳۵۲۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۲۴۹

۳۵۳۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۲۸۵

۳۵۴۔ آداب الصلاۃ ۳۲۷

۳۵۵۔ صحیفہ امام (ج۸) ۳۲۷

۳۵۶۔ صحیفہ امام (ج۹) ۲۴

۳۵۷۔ صحیفہ امام (ج۱۲) ۴۸۲

۳۵۸۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۳۲۵

۳۵۹۔ صحیفہ امام (ج۱۴) ۴۷۲

۳۶۰۔ صحیفہ امام (ج۱۲) ۴۸۱

۳۶۱۔ صحیفہ امام (ج۸) ۳۹۱

۳۶۲۔ صحیفہ امام (ج۸) ۴۲۳

۳۶۳۔ صحیفہ امام (ج۱۱) ۲۹۸

۳۶۴۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۳۰۳

۳۶۵۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۲۵

۳۶۶۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۲۴۰

۳۶۷۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۴۴۷

۳۶۸۔ صحیفہ امام (ج۱۳) ۹۷

۳۶۹۔ تقریرات فلسفہ (ج۳)

۳۷۰۔ صحیفہ امام (ج۱۸) ۸۷

۳۷۱۔ صحیفہ امام (ج۸) ۳۷۴

۳۷۲۔ صحیفہ امام (ج۱۵) ۲۶۲

۳۷۳۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۱۳۰

۳۷۴۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۳۲۷

۳۷۵۔ صحیفہ امام (ج۱۵) ۶۲

۳۷۶۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۳۳۵

۳۷۷۔ صحیفہ امام (ج۱۷) ۴۸۰

۳۷۸۔ صحیفہ امام (ج۱۸) ۴۶۲

۳۷۹۔ صحیفہ امام (ج۱۸) ۲۶۹

۳۸۰۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۴۳۸

۳۸۱۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۲۰۶
۳۸۲۔ صحیفہ امام (ج۱۴) ۴۷۳
۳۸۳۔ صحیفہ امام (ج۸) ۸
۳۸۴۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۲۳۶
۳۸۵۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۱۳
۳۸۶۔ صحیفہ امام (ج۳) ۳۳۹
۳۸۷۔ صحیفہ امام (ج۱۰) ۱۲۳
۳۸۸۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۱۴
۳۸۹۔ صحیفہ امام (ج۱۷) ۵۳۴
۳۹۰۔ ولایت فقیہ ۵۸
۳۹۱۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۴۴۷
۳۹۲۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۱۴
۳۹۳۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۱۳۹
۳۹۴۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۲۷۸
۳۹۵۔ صحیفہ امام (ج۲۱) ۱۴
۳۹۶۔ کتاب البیع (ج۲) ۶۱۹
۳۹۷۔ ولایت فقیہ ۳۱
۳۹۸۔ کشف الاسرار ۲۲۵
۳۹۹۔ ولایت فقیہ ۱۹
۴۰۰۔ ولایت فقیہ ۱۵
۴۰۱۔ ولایت فقیہ ۳۹
۴۰۲۔ کشف الاسرار ۲۲۷
۴۰۳۔ صحیفہ امام (ج۵) ۴۰۸
۴۰۴۔ صحیفہ امام (ج۴) ۵۰۸
۴۰۵۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۴۱۰
۴۰۶۔ صحیفہ امام (ج۵) ۴۰۷
۴۰۷۔ صحیفہ امام (ج۱۵) ۴۱۷
۴۰۸۔ صحیفہ امام (ج۱۹) ۴۹۶
۴۰۹۔ صحیفہ امام (ج۶) ۵۳۰
۴۱۰۔ صحیفہ امام (ج۹) ۳۳۱
۴۱۱۔ صحیفہ امام (ج۵) ۱۸۸
۴۱۲۔ ولایت فقیہ ۱۳۸
۴۱۳۔ صحیفہ امام (ج۱) ۱۱۴
۴۱۴۔ صحیفہ امام (ج۴) ۲۱
۴۱۵۔ ولایت فقیہ ۱۳۸
۴۱۶۔ صحیفہ امام (ج۲) ۳۷۱
۴۱۷۔ صحیفہ امام (ج۵) ۱۷۱
۴۱۸۔ صحیفہ امام (ج۶) ۳۵۹
۴۱۹۔ شرح دعای سحر ۶۵

۴۲۰۔ آداب الصلاۃ ۱۳۵
۴۲۱۔ صحیفہ امام (ج۱۸) ۱۵۵
۴۲۲۔ چہل حدیث ۵۶۷
۴۲۳۔ چہل حدیث ۴۸۰
۴۲۴۔ چہل حدیث ۴۵۷
۴۲۵۔ آداب الصلاۃ ۲۲۳
۴۲۶۔ چہل حدیث ۱۵۰
۴۲۷۔ آداب الصلاۃ ۳۷۹
۴۲۸۔ چہل حدیث ۴۲۸
۴۲۹۔ کشف الاسرار ۷۷
۴۳۰۔ کشف الاسرار ۷۹
۴۳۱۔ تقریرات فلسفہ (ج۳) ۲۳۳
۴۳۲۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۲۲۳

۴۳۳۔ تقریرات فلسفہ (ج۳) ۲۶۷
۴۳۴۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل ۳۷۴
۴۳۵۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۲۲۲
۴۳۶۔ آداب الصلاۃ ۳۶
۴۳۷۔ تقریرات فلسفہ (ج۳) ۲۷۱
۴۳۸۔ آداب الصلاۃ ۲۲۳
۴۳۹۔ کشف الاسرار ۱۲۰
۴۴۰۔ کشف الاسرار ۱۲۸
۴۴۱۔ کشف الاسرار ۱۳۰
۴۴۲۔ انوار الہدایہ (ج۱) ۲۴۳
۴۴۳۔ کشف الاسرار ۱۶۳
۴۴۴۔ ولایت فقیہ ۸۳
۴۴۵۔ کتاب البیع (ج۲) ۶۴۳

۴۴۶۔ صحیفہ امام (ج۲۰) ۲۲۷
۴۴۷۔ کشف الاسرار ۲۷
۴۴۸۔ کشف الاسرار ۵۶
۴۴۹۔ کشف الاسرار ۴۰
۴۵۰۔ کشف الاسرار ۶۸
۴۵۱۔ کشف الاسرار ۶۰
۴۵۲۔ کشف الاسرار ۷۲
۴۵۳۔ صحیفہ امام (ج۱۵) ۴۴۰
۴۵۴۔ کشف الاسرار ۷۴
۴۵۵۔ کشف الاسرار ۱۶۶
۴۵۶۔ صحیفہ امام (ج۵) ۲۸۳
۴۵۷۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۲۶۳
۴۵۸۔ صحیفہ امام (ج۱۲) ۴۴۱
۴۵۹۔ کشف الاسرار ۱۷۴
۴۶۰۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۲۰۷
۴۶۱۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۳۳۴
۴۶۲۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۳۳۵
۴۶۳۔ صحیفہ امام (ج۱۳) ۳۲۳
۴۶۴۔ صحیفہ امام (ج۱۶) ۳۳۶
۴۶۵۔ صحیفہ امام (ج۱۰) ۳۱۵
۴۶۶۔ کشف الاسرار ۱۷۳
۴۶۷۔ صحیفہ امام (ج۸) ۵۲۶

فہرست

حصہ اول: ولایت

پہلی فصل: ولایت کی حقیقت اور اس کا مفہوم

تیسری فصل: ختم ولایت

حصہ سوم: ولایت تکوینی

پہلی فصل: کائنات اور معنوی درجات میں ائمہؑ کا مقام

چوتھی فصل: ائمہؑ کا سورۂ قدر اور لیلۃ القدر ہونا

حصہ چہارم: ولایت تشریعی

پہلی فصل: خلافت ظاہری اور رسول اللہؐ کی جانشینی

امامت قرآن کی روشنی میں

تیسری فصل: اولوالامر

چوتھی فصل: قرآن میں ائمہؑ کے ناموں کا ذکر

پانچویں فصل: خلافت علیؑ پر ایک اجمالی نظر

حصہ پنجم: ائمہؑ کا مقام اور ان کی شخصیت

پہلی فصل: امیرالمومنینؑ کا مقام اور آپؑ کی شخصیت

تیسری فصل: امام حسینؑ کا مقام اور آپ کی شخصیت

چوتھی فصل: امام زمانؑ کا مقام اور آپ کی شخصیت

امام عصر (عج) کی صفات و خصوصیات

ظہور حضرت حجتؑ

انتظارظہور

نظریات واعتراضات

حصہ ششم: تشیع ائمہؑ کا مذہب

تشیع حقیقی اسلام

حصہ ہفتم: نظریۂ امامت پر ہونے والے اعتراضات

پہلی فصل: اعمال کی قبولیت کا ولایت سے ربط

تیسری فصل: نو اعتراضات

ختم بخیر شد

ترویج اسلام اور فروغ آگہی کے لئے ادارہ کی کتب

